ماثر الانبیاء والصدیقین
وآثار الشہداء والصلحین

ملقب بہ

اقوالِ سلف

مؤلف

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

مکتبہ دار المعارف الہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقاً۔ (سورۃ النساء:٦٩)

ماثر الانبیاء و الصدیقین و أثار الشهداء و الصالحين

ملقب به

اقوال سلفؒ

حصہ پنجم

جس میں گیارہویں صدی ہجری کے اولیاء کرام کے احوال واقوال مختصراً ذکر کئے گئے ہیں۔

مرتبہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

ناشران

مکتبہ دار المعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : مآثر الانبیاء والصدیقین و آثار الشهداء والصالحین
ملقب بہ اقوال سلفؒ حصہ پنجم

مؤلفہ : شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

تعداد صفحات : ۵۹۲ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

سن اشاعت بارسوم : ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ فروری ۲۰۱۵ء

باہتمام : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تصحیح وکتابت : مولوی محمد عبیداللہ قمر الزمان ندوی و مولوی فیروز عالم القاسمی

ناشران : مکتبہ دارالمعارف الہ آباد۔
ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆......مکتبہ دارالمعارف الہ آباد، بی/۶۳۹ وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆......مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆......مکتبہ رحمانیہ، دارالعلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆......قاضی بکڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆......کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ البلاغ دیوبند

☆...... مکتبہ حبیبیہ دیو بند ☆ مکتبہ نفیس، جعفر نگر نزد مسجد محمدؐ، مالیگاؤں، ناسک

☆......الفرقان بکڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی، مدینہ چوک، سرینگر، کشمیر، ۱۹۰۰۰۱

اشعار عبرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ؎

کل یوم یقال مات فلان و فلان　　ولابد من یوم یقال فیہ مات عمر

ترجمہ: ہر دن کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کی موت ہوگئی اور ایک دن کہا جائے گا کہ عمر کی موت ہوگئی۔

بکیت علی الدنیا، وایقنت انہا　　قصاری الفتی، یوما مفارقہ الدنیا

وما ھی الا دولۃ بعد دولۃ　　تخول ذا نعمیٰ وتعقب ذا بلویٰ

ترجمہ: میں تو انقلابات دنیا پر رودیا اور مجھے یقین آ گیا کہ یہ دنیا اگرچہ جوانمرد کی غایت مقصود ہے، مگر ایک دن یقیناً اس سے چھوٹنے والی ہے، دنیا کی دناءت یہ ہے کہ آج اس کے پاس ہے تو کل کسی دوسرے کے پاس، صاحب ثروت کی رعایت کرتی ہے اور مصیبت زدہ کو دھکے دیتی ہے۔

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی　　نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی

حاصل ترجمہ: کمال کا آئینہ اپنے نقصان کا استحضار ہے۔ اگر عقلمند ہو تو دعوئے کمال کو ترک کرو۔

کلام صوفیہ میں سے ایک یہ قول "موتوا قبل ان تموتوا" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کو رذائل نفس اور دعاوی کاذبہ سے پاک کرلو تو تم کو حیات قلبی وحیاۃ دائمی نصیب ہوگی۔ یہی مفہوم ہے اس شعر کا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

فہرست

مآثر الانبیاء والصدیقین وأثار الشہداء والصّٰلحین

ملقب بہ ”اقوال سلف“ حصہ پنجم

اولیاء مقربین وعلماء ربانیین گیارہویں صدی ہجری

تذکرہ نیک سیرت سلاطین ہند

عرض ناشر

مکتبہ دارالمعارف الہ آباد جن اغراض ومقاصد کے لئے قائم کیا گیا تھا الحمدللہ روز بروز اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے اور ماشاء اللہ نوع بنوع کتب سیر واحادیث، تراجم اور تصوف وسلوک کو غایت درجہ منقح ومہذب کرکے حوالوں کی تحقیق کے ساتھ آپ کے ہاتھوں تک پہونچاتا رہتا ہے اور باذوق اہل قلم سے داد تحسین حاصل کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ ابھی حال ہی میں ''دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں'' کے نام سے ایک نہایت اہم وانمول تحفہ پیش کیا ہے جس میں شیخ طریقت والدمحترم دامت برکاتہم نے نہایت عرق ریزی اور انتھک کوششوں سے اہل علم اور اہل دل کے مفید وبصیرت افروز مشورے اور افکار وخیالات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بہترین انداز میں جمع فرما دیا ہے جو اہل مدارس وخانقاہ واہل دعوت وتبلیغ، اہل تالیف وتصنیف واہل سیاست اور اہل ثروت بلکہ پوری امت کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔

زیر نظر کتاب اقوال سلف حصہ پنجم مع اضافات مفیدہ ہے، جس میں مشاہیر علماء وفقہاء اور مشائخ کے تذکرے کے علاوہ ان حضرات کا بھی ذکر ہے جو گوشہ گمنامی میں تھے، نیز قدیم اقوال سلف حصہ سوم میں گیارہویں، بارہویں اور کچھ تیرہویں صدی ہجری کے بزرگوں کا تذکرہ تھا ان میں سے گیارہویں صدی ہجری کے بزرگوں کا تذکرہ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ مابقی حضرات کا تذکرہ اگلے حصوں میں کیا جائے گا۔

بزرگان دین کے علاوہ ان سلاطین مغلیہ کے عدل وانصاف، علم واخلاق، عبادت وریاضت کے نہایت بصیرت افروز اور محیر العقول واقعات قلمبند کئے گئے ہیں جو لباس شاہی میں درویش معلوم ہوتے ہیں۔

اخیر میں عرض ہے کہ مکتبہ اپنے عزیز رفقاء کار ومعاونین کا شکر گزار ہے جنھوں نے کتب مصادر وماخذ کی فراہمی کیا، چیدہ چیدہ مضامین کا انتخاب کیا اور آپ حضرات کے ہاتھوں تک پہنچانے میں مالی تعاون کیا۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مشفقی المکرم والد صاحب مدظلہ کی عمر دراز فرمائے اور صحت وعافیت عطا فرمائے، نیز مکتبہ کے جملہ علمی ومالی معاونین کو صحت وعافیت عطا فرمائے تاکہ اس طرح کے بیش قیمت مضامین آپ لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچانے کا شرف ہم خدام مکتبہ حاصل کرتے رہیں۔

ہم ممنون احسان ہیں مکرم الحاج شبیر احمد خلیفہ حضرت والد محترم مدظلہ کے جنھوں نے اقوال سلف کے چار حصوں کا انگریزی میں ترجمہ کا انتظام کر کے حلیہ طباعت سے آراستہ کرایا ہے، مزید کے لئے بیقرار ہیں۔ اس سے ماشاء اللہ والد محترم کے علوم ومعارف کی خوب ہی خوب اشاعت ہو رہی ہے، جس سے مضمون سلوک سے واقفیت ومناسبت انگریزی داں طبقہ میں بڑھ رہی ہے اور عام ہو رہی ہے۔ فجز اہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

محمد عبد اللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

۳۰/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

۲۴/نومبر ۲۰۱۴ء

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الانسان و کرّم، وعلّمہ من البیان مالم یعلم، والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ الذی اوتِی جوامع الکلم، وعلی اٰلہ واصحابہ الذین ھم نجوم طریق الامم، وعلی العلماء الذین ھم ورثۃ الانبیاء فی العرب والعجم۔

امابعد! الحمد للہ علی احسانہ اقوال سلف حصہ چہارم کے بعد حصہ پنجم کو بصد شکر الٰہی پیش کررہا ہوں جس میں گیارہویں صدی ہجری کے اسلاف کرام اور مقتدیانِ اسلام کے اقوال وارشادات درج کئے گئے ہیں جن کے مطالعہ سے حضرات ناظرین اِن شاء اللہ تعالیٰ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہیں گے کہ ہمارے اِن مشائخ متاخرین اور اکابر متقدمین کی سیرت وتعلیمات میں ذرہ برابر فرق نہیں بلکہ عین مطابقت ہے، یعنی یہ حضرات اسی شاہراہ پر چلے ہیں جس پر ہمارے سلف صالحین چلے تھے اور فائز المرام ہوئے تھے، آج بھی اگر ہم ان کے طریق مستقیم پر گامزن ہوں گے اور ان کے نقش پا کے مطابق سلوک کو طے کریں گے تو اللہ رب العزت ہم کو ضائع نہ فرمائیں گے بلکہ آغوش رحمت میں لے کر اپنے قُرب وقبول سے نوازیں گے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

اسی لئے ہم نے عموماً انہیں حضرات علماء ومشائخ کے اقوال نقل کئے ہیں جو اپنے دور کے پیشوا ومقتداء اور بعد میں ان کے اقوال وتحقیقات صرف طریق ہی میں نہیں بلکہ دین متین کے ہر شعبہ میں بطور سند وحُجت پیش کی جاتی ہیں۔

پس اگر ان حضرات کی کوئی بات خلاف شرع معلوم ہو تو فوراً اعتراض نہ

کریں بلکہ خود غور وفکر کر کے سمجھنے کی سعی کریں اگر نہ سمجھ میں آئے تو کسی عالم باعمل سے جس کو طریق سے مناسبت ہو دریافت کر کے تشفی حاصل کریں، اس لئے کہ بعض باتیں دراصل آسان اور واضح ہوتی ہیں مگر بعض لوگوں کو ان باتوں سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے مشکل معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ اس کا تجربہ دن رات ہوتا رہتا ہے کہ بعض مسائل علمیہ کچھ لوگوں کے لئے بہت مشکل مگر ذی استعداد علماء کے لئے آسان ہوتے ہیں پس اگر علوم باطنیہ میں بھی ایسا ہو تو کیا تعجب ہے؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس میں اس کا زیادہ امکان ہے اور قرین قیاس ہے۔

چنانچہ مرشدی مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اکثر بیان فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک صاحب نے کہا کہ آخر کیا بات ہے کہ ذی استعداد علماء ادھر (یعنی سلوک وتصوف کی طرف) نہیں آتے؟ تو میں نے کہا کہ ادھر کی انکو استعداد نہیں۔

نیز حضرت مصلح الامتؒ ہی اپنے رسالہ ''حج رب البیت'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں: ''بزرگوں کے کلام میں علوم ومعارف ہوتے ہیں، اس لئے ان پر بجائے اعتراض وانکار کے ان حضرات سے مناسبت اور باطن کا ذوق پیدا کرنا چاہئے''۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست　　سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

(یعنی جب اہل دل کے کلام کو سنو تو یہ نہ کہو کہ غلط ہے اس لئے کہ ان کے کلام کی تمہیں معرفت نہیں ہے اس لئے خطا تو دراصل یہاں ہے، (یعنی تم میں ہے)۔

علماء نے لکھا ہے کہ اولیاء کا کلام ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوتا ہے یعنی جیسے ان کی ذات سے فیض ہوتا ہے ان کے بعد لوگوں کو ان کے کلام سے فیض ہوتا ہے، اللہ تعالی ہم سب کو اپنے صالحین بندوں کے قال سے مستفید فرمائے اور ان

کے حال سے بھی حصۂ وافر نصیب فرماوے۔آمین

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِيْ صلاحًا

یعنی میں صالحین سے محبت کرتا ہوں اگر چہ خود صالح نہیں ہوں،اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس محبت کے طفیل صلاح سے نواز دے۔

اس سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کی بصیرت افروز عبارت نقل کرتا ہوں جسے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''التنبیہ الطربی'' میں نقل فرمائی ہے۔ وھوھٰذا

فقد قال بعض العارفين: من لم يكن له نصيب من هذا العلم اخاف عليه سوء الخاتمة وادنى نصيب منه التصديق به وتسليمه لاهله۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ جس کو اس علم (باطن) کا کوئی حصہ حاصل نہ ہو تو مجھ کو اس پر سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس علم والوں کے لئے اس کو مسلم رکھے،(اعتراض (گستاخی) نہ کرے کہ اولیاء سے عداوت رکھنے میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے۔)

ہاں! مگر یہ حقیقت بھی مدّنظر رہنی چاہئے کہ مشائخ کرام معصوم نہیں،ان سے خطاولغزش ہوسکتی ہے،یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جس کا ہم کو پابند رہنا ضروری ہے،اس لئے ان حضرات کا ہر قول وفعل جوخلاف شرع ہو حجت نہیں اور نہ واجب الاطاعت ہے،خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی خالق کی معصیت کی صورت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں،پس جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واجب الاطاعت ہونا نصوص سے ثابت ہے تو اس امر

میں بھی آپ کی اطاعت لازم ہوئی، اس کو خوب ذہن نشین کرلیں اس لئے کہ اس مسئلہ کے متعلق عوام تو عوام خواص کالعوام جو رسوم کے پابند ہیں وہ بھی ذہن صاف نہیں رکھتے، بلکہ اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالی۔

اب ہم حضرت عالم ربانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی عبارت درج کرکے مسئلہ کی مزید وضاحت کرنا چاہتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

باقی اقوال صوفیہ کہ مطابق احکام شرعیہ نباشد ہیچ اعتبار ندارد تا بہ حجت وتقلید چہ رسد بآنکہ صوفیہ مستقیم الاحوال از شریعت ہیچ گونہ تجاوز نہ کنند۔ (انتخاب مکتوبات: ص/۴۹)

باقی اقوال صوفیہ جو احکام شرعیہ کے مطابق نہ ہوں ان کا کچھ اعتبار نہیں تو پھر ان کو سند و حجت بنانے اور انکی اقتداء کرنے کا کیا سوال؟ ہاں! یہ بات اپنی جگہ پر محقق ہے کہ مستقیم الاحوال صوفیہ حد سے تجاوز نہیں فرماتے۔

اسی لئے یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ جب بھی کسی صوفی سے خلاف شرع کوئی فعل سرزد ہوا تو علمائے ربّانیین خاموش نہ رہے اور اس میں ذرا بھی رورعایت نہ فرمائی بلکہ انہوں نے اس کی تردید فرما کر امت کو ضلالت کے گرداب سے بچالیا، مجدد صاحب نے تو شیخ اکبرؒ کے متعلق یہاں تک لکھا کہ شیخ تو مقبول ہیں مگر انکا کلام نامقبول ہے، اسی طرح حضرت علامہ شاطبیؒ نے موافقات میں بعض اقوال صوفیہ کی تردید فرمائی ہے، نیز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے بھی ان حضرات کی بعض باتوں پر سختی سے نکیر فرمائی ہے، چنانچہ ترصیع الجواہر المکیہ میں آداب مریدین کے تحت یہ لکھا ہے کہ شیخ کے حکم سے تجاوز نہ کرے اور نہ اسکی تاویل کرے بلکہ کلام کا جو ظاہر مطلب ہے اس پر عمل کرے اور اس کے امتثالِ امر میں جلدی کرے خواہ اس کے معنی سمجھے یا نہ سمجھے۔

محشی نے اس کی تائید میں اطاعت کے چند واقعات درج کئے ہیں جن میں سے ایک یہ واقعہ ہے کہ کسی شیخ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ اپنے باپ کا سر قلم کر کے میرے پاس لاؤ، یہ سن کر مرید فوراً اٹھا اور اپنے گھر آیا، دیکھا کہ باپ اپنی بیوی کے پاس سویا ہوا ہے، پس اس کا سر قلم کر کے شیخ کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ یہودی کا سر تھا جو اس کی ماں پر عاشق تھا۔

اس کے تحت حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ یوں رقمطراز ہیں: میں کہتا ہوں اور پہلے بھی اس مسئلہ کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ ذکر کر چکا ہوں کہ شیخ دراصل وہی ہے جو متبع سنت ہو اور اپنے مریدین سے بھی شریعت کی اتباع کرائے اور صاحب بصیرت ہو، پس مرید کے لئے یہ ضروری ہے کہ شیخ کے حکم پر عمل کرنے سے پہلے اس بات کو دیکھ لے کہ وہ خلاف شریعت تو نہیں ہے اگر شریعت سے اس فعل کے کرنے کا جواز نہ پائے تو ہرگز اس پر عمل نہ کرے اس لئے کہ " لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ" اور کسی مرید کا ایسا کرنا شیخ سے بداعتقادی نہ کہلائے گی بلکہ شریعت سے اعتقاد اور اس کی تعظیم سمجھی جائے گی۔ انتہیٰ۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب فرمایا جو یقیناً مصلح الامت ہی کا حق تھا، جس کا لحاظ ہر سالکِ راہ بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے، خصوصًا حضرت مصلح امتؒ کے مریدین و متعلقین کو تو اسے خاص طور سے شمعِ راہ اور حرز جان بنانا چاہئے، تا کہ صحیح معنی میں ہم ان کے عقیدت مند ثابت ہوں اور روز قیامت انکے زمرہ محبّین میں محشور ہوں۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔

اخیر میں اپنے باصلاحیت عزیزوں کا ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے اس

اہم خدمت دین کی تکمیل میں اپنی صلاحیت کے مطابق صدق وخلوص سے مدد کی۔مثلاً عزیزم مولانا مقصود احمد سلمہ (استاذ حدیث مدرسہ بیت المعارف) نے مضامین کے اضافات ہی نہیں بلکہ ان کی تحقیق وترتیب میں غایت درجہ محنت وجانفشانی کرکے مفید وبصیرت افروز ذخیرہ علوم ومعارف پوری امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جوانشاء اللہ تعالیٰ اس حقیر ناکارہ کے لئے بھی فوز وکامرانی کا سبب ہوگا۔فجزاہم اللہ احسن الجزاء

اسی طرح عزیزم مولوی محمد عبید اللہ سلمہ ومولوی فیروز عالم سلمہ نے کمپوزنگ اور تصحیح میں بڑی محنت اور جدوجہد کی جس کی بناء پر پوری کتاب بفضلہ تعالیٰ ظاہری اعتبار سے بھی جاذب نظر ودیدہ زیب ہوگئی، جس کی اس زمانہ میں بہت ضرورت ہے۔اس لئے کہ عموماً اقل قلیل جواردو خواں ہیں وہ بھی ایسی اصلاحی وتربیتی کتابوں کو جوطباعت کے اعتبار سے اگرصاف ستھری نہ ہوں شوق وذوق سے نہیں پڑھتے بلکہ پڑھتے ہی نہیں جواس دور میں امت کے لئے اور بڑاالمیہ ہے۔فیاحسرتا ویاویلاہ

ماشاء اللہ عزیزم مولوی محمد عبد اللہ سلمہ اس کی طباعت واشاعت کا بہت ہی خوب اہتمام کررہے ہیں جس سے ان کے حسن ذوق کا پتہ چلتا ہے۔زادہ اللہ علماً

دعافرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس معمولی خدمت کو قبول فرمائیں، اورمفید ومؤثر بنائیں اوراپنی رضا کاوسیلہ بنائیں۔وماذالک علی اللہ بعزیز

محمد قمر الزمان عفی عنہ

رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

جولائی ۲۰۱۴ء

مقدمہ

از: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سیوانی ندوی زید مجدہم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم، امّا بعد

احسان وتزکیہ کی راہ میں سلف صالحین کی صحبتیں اصلاح وتربیت کے طور طریقے اور ان کے اقوال اور عملی حکمتیں معاصرین کے لئے بڑی پر اثر ثابت ہوتی رہی ہیں، چونکہ ان کا طریقۂ اصلاح وارشاد براہ راست قرآن وسنت سے مستفاد ومستنیر رہا مزید برآں یہ خود ان پر عمل پیرا ہوکر نمونہ بنے رہے، اس لئے ان کے اثرات عوام وخواص کے قلوب پر نقش ہوتے رہے اور آئندہ کی نسلوں کی زندگیوں کے لئے نمونۂ فکر وعمل بنے۔ قول وعمل کا توافق ہمیشہ پُرتاثیر ہوتا رہا ہے، شیرینی کا شائق اس کے کثرتِ استعمال سے پیدا ہونے والے ناموافق صورت حال میں اگر خود نہ پرہیز کرے تو اس کے مضر اثرات سے دوسروں کو نصیحت کرکے باز رکھنا بے عملی کے سبب ممکن نہ ہوگا، یہ حقیقت دانشمندوں کے وہاں پند ونصائح میں ہمیشہ ملحوظ خاطر رہی ہے، یہیں آکر قول وعمل باہم پیوست ہوجاتے ہیں جن کو کسی حال جُدا نہیں کیا جاسکتا، اگر کبھی قول وعمل کا تضاد کسی شخص میں واقع ہوتا ہے تو اس کا پرتوِ اثر بھی کافور بن جاتا ہے اور بے عملی کا شکار ہوجاتا ہے، قرآن وسنت کی پوری پوری پیروی کرنے والی ذات ہی بزرگ اور صاحب سجادہ ومشیخت ہوسکتی ہے کہ، ''اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست''۔

ہمارے سلف صالحین کے پیش نظر ہمیشہ اتباعِ رسول رہا تاکہ اس کے جلو میں احسان وتزکیہ کا عمل جاری وساری رہے، یہ اس لئے کہ قرآن پاک کی آیات مختلف انداز سے اطاعتِ رسول پر زور دیتی ہیں، اطاعتِ رسول میں حقیقتاً خدا کی عبودیت کا ہی کامل اظہار ہوتا ہے اس لئے احسان وتزکیہ کے حصول میں ایک متّبع رسول سے کب انحراف ممکن ہوسکتا ہے؟ دین ودُنیا کا امتزاج پیرویٔ رسول میں منحصر ہے ورنہ اعمال حسنات کا بطلان واجب آتا ہے۔قرآن مجید نے صاف طور سے بتایا ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ (محمد: ۳۳) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرواور اس کے رسول کی اطاعت کرواور اپنے اعمال کو رائگاں نہ جانے دو۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کوئی عمل کتنا ہی خوشنما کیوں نہ ہو اگر رسول کے اعمال اور فرمان سے مطابقت نہیں رکھتا اور انشراح قلب کے ساتھ اس کی پوری پوری پیروی نہیں ہوتی تو وہ عمل رائگاں ہی جاتا ہے، رسول سے منحرف ہو کر جو عمل بھی کیا جائے گا وہ بجائے و اصل الی اللہ کرنے کے خدا سے بعد ہی پیدا کرے گا،خوش آہنگ فلسفۂ انسانی نے ابھی تک جو راہیں دکھلائی ہیں ان پر چل کر دراصل انسان اپنے معبود حقیقی تک نہیں پہونچ سکا ہے بلکہ اقوال واعمال کے گورکھ دھندوں میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ ایک پہلو بچاتا ہے تو دوسرا الجھ جاتا ہے، یہاں تک کہ "وحدانیت" کے خالص تصور اسلام سے پرے ہو جاتا ہے، اور "وثنیت" کی اندھیاری گھیر لیتی ہے اور اسی میں بھٹکتا رہتا ہے، اس کی وضاحت قرآن مجید نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتوں (۱۶-۱۷) میں کی ہے جہاں ایسے

انسانوں کی روشنی طبع ظلمت بن جاتی ہے اور حق کو پانے سے قاصر رہتی ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۔ فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ○ (سورۂ بقرہ: ۱۷) ان کی مثال اس جیسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب اس کا ارد گرد روشن ہوا تو اللہ نے ان کی روشنی لے لی اور انہیں ایسی تاریکیوں میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ نہ سکیں۔

ذیل کی آیت میں بعثتِ رسول کا مقصد بتاتے ہوئے اس کی اطاعت کو اس کی ذات میں حصر کر دیا ہے کہ۔

ہر قدم پر، ہر روش پر، ہر ادا پر، ہر جگہ دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہِ یار کو

دین و دنیا کا حسن امتزاج، پیروی رسول میں منحصر ہے، اس کے خلاف جو بھی اور جب بھی کوئی دوسرا و طیرہ اختیار کرے گا خوشنودی رب سے دور ہو جائے گا اور سیدھے راستے سے بھٹک کر کج روی میں مبتلا ہو جائے گا، اللہ تعالی کی عبودیت کو تسلیم کرنے کے معنی یہ ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے رسول کی فرمابرداری سے ذرہ برابر اختلاف نہ ہو کہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴) اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے۔

قرآن پاک نے ایک اور جگہ اطاعتِ رسول کو خدا کی اطاعت کا نہ صرف ذریعہ بلکہ نفس اطاعت قرار دیا ہے، رسول کی جہاں بھی اور جب بھی نافرمانی ہوگی وہ اللہ تعالی کی اطاعت سے روگردانی اور اس کی عین نافرمانی ہوگی، رسول ایک محکم واسطہ ہے بندے اور خدا کے درمیان بندگی کی استواری کا، ہر زمانہ میں رسول

اور نبی بندگانِ خدا کو معبودِ حقیقی کی ہدایات و احکام سے آگاہ کرتے رہے ہیں، جو بھی اللہ تعالی کی اطاعت کرنا چاہے اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ رسول مبعوث کی پیروی اور اتباع کرے چونکہ محمد ﷺ نبی آخر الزمان ہیں اس لئے ان کی پیروی بہر حال لازم ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالی کی اطاعت کی۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں اس حقیقت کو اس طرح پھیلا کر بیان کیا گیا ہے: مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرَقَ بَيْنَ النَّاسِ (بخاری از مشکوۃ: ص ۲۷) جس شخص نے محمد ﷺ کی اطاعت کی، لازمًا اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی، اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی لازمًا اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ ہی لوگوں کے درمیان امتیازی نشان ہیں۔

یہی وہ جذبہ ہے جس نے دَورِاول کے مسلمانوں کو علم و عمل کا ایک پُتلا بنا دیا تھا، جو علم بھی ان کے پاس تھا وہ مجسّم عمل ہوگیا اور مجسّم عمل ہونے کی بنا پر انہیں ایمان کی وہ پختگی نصیب ہوئی کہ بچشم خاکی اللہ تعالی کو نہ دیکھتے ہوئے بھی احساسات و ادراکات کی دنیا میں مرئی اور غیر مرئی کے مابین فرق قائم نہ رہا، جس کی مثالیں خیر القرون میں ایک نہیں بے شمار ہیں کہ اگر ان کو عالم غیب، جسمانی آنکھوں سے دکھلا دیا جاتا تو بھی وہ اس عالم خبر کو جو نبی کے ذریعہ پایا تھا کچھ زیادہ ممیّز نہیں پاتے، اس حقیقت کو اس آیت سے مطابقت دے کر دیکھئے

جہاں ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ (الفتح: ۱۰) جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کررہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ غیر مرئی ہے، حواس خمسہ کے ذریعہ اس کا ادراک ناممکن ہے اِلا یہ کہ ان کی مجموعی طاقتوں کے ذریعہ اس کا ایک پختہ تصوّر ذہنی فکر سے حاصل ہو، رسول غیب کی خبر دیتا ہے اور اس کی قوتِ ادراک خدا کی طرف سے اتنی بلند کردی جاتی ہے کہ وہ وحی الٰہی کا متحمل بن جاتا ہے، پھر وحی الٰہی کے طفیل خدا اور بندے کے درمیان واسطہ بن کے غیب کی خبروں کو سناتا ہے تاکہ انسان بھی اپنے ادراک کو بلند سے بلندتر کرسکے، انسان کی اخروی نجات رسالت کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں کہ رسول کی خبر ونظر صادق ہے اور انسان کی فکر ونظر محدود ومخدوش۔

بندۂ خدا کو اس صدق وصفا کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ رسول کی محبت رگ وپے میں ایسی جاگزیں ہوجائے کہ خدا کی محبت کے ہم معنی بن جائے، یہ وہ مقام ہے جہاں اتباعِ رسول کا جذبہ قول وعمل میں پوری طرح سرایت کرجاتا ہے اور سرِمو انحراف کا تصور بھی باقی نہیں رہتا۔

من تُو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

پھر یہ مجسّم فرمانِ رسول بن جاتا ہے کہ

تاکس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

اسی نفسیاتی اطاعت ومحبت اور اتباعِ رسول کی حقیقت قرآن مجید نے

واشگاف الفاظ میں اپنے رسول کو مخاطب کر کے یوں کہا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالی سے محبت کا دم بھرتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجہ میں) اللہ بھی تم کو محبوب رکھے گا۔

جس شخص کو رسول اللہ ﷺ سے محبت کا پورا پورا حصہ ملتا ہے اس کے روز وشب کے آئینۂ اعمال میں اسوۂ حسنہ کی اتباع اور ہر آن پیرویٔ رسول کا عکس پورے آب وتاب کے ساتھ جلوہ نما ہوتا ہے، جن لوگوں نے اس آئینۂ انوار میں اپنے خدوخال دیکھنے کی عادت بنالی انہیں دنیا ومافیہا کی خبر نہیں ہوتی اس کے سوا کہ عکس رخِ یار کی جلوہ آرائیاں اپنی طرف کھینچتی رہیں اور ہر گام (قدم) پر اسی کا شوق ان کو کشاں کشاں آگے منزل کی طرف بڑھاتا رہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱) بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں (بہترین) خوش کُن نمونے ہیں۔

پیر بزرگ اس لئے پیر گردانے گئے کہ انہوں نے سرِ مو رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے گریز نہیں کیا اور نہ محبت کا دعویٰ ان کا کوئی جذباتی فعل تھا بلکہ عقلی اور اصولی محبت نے ان کے کردار میں ایسا گھر کر لیا تھا کہ جذباتی محبت سے معمور معلوم ہونے لگا، انہوں نے من مانی نہیں کی بلکہ رب چاہی کرنے کے لئے اپنے رسول کی ایسی پیروی کی کہ عقل کو حُکم وخبر کے تابع بنا دیا، یہ اپنی ذات اور صفات سے ایسے متّبع ہوئے کہ اسوۂ حسنہ کی ڈور (رسّی) سے ان کی کبھی گلو خلاصی نہیں ہوئی، اس کی خاطر ان کا تن من دھن جو دراصل ودیعت الٰہی ہے، یک لخت قربان ہو گیا، نہ

اب ان کی اپنی کوئی خواہش رہی نہ بیوی بچوں کا کوئی مطالبہ انہیں راہِ حق سے پھیر سکا، اور نہ کوئی گروہ، خاندان اور قوم کا کوئی درد ان کو بے چون وچرا ان کی پیروی سے روک سکا، یہ والہ اور شیدا ہوئے تو اسی دین کے جس کو نبی آخرالزماں لائے، ان کا اس جہان رنگ وبو میں کچھ تھا تو یہی دین مبین تھا جس کی وجہ سے اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے اصحاب والا صفات پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے اور انہوں نے سب کچھ اس کے لئے گوارہ کیا کہ ایک اور عالم آنے والا ہے جس کی وسعت یہاں کی زمین وآسمان سے کہیں زیادہ ہے اور وہیں سب کا اصل ٹھکانہ ہوگا، اور فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ (سورۃ الزلزال: ۷) (جس نے ذرہ برابر بھی خیر کیا ہوگا وہ بچشم خود دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی شر کیا ہوگا وہ بھی دیکھ لے گا)

پس تربیت کا یہ پاک سلسلہ اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع ہوا، پھر اپنے حساب سے بعد کے ادوار میں بقدر ذوق ووسعت جنہیں ہم اب پیر وولی کہتے ہیں انہوں نے اپنایا، روح اسلام تو ایک رہی لیکن حالات ومقامات کے لحاظ سے افہام وتفہیم کی شکلوں میں بظاہر فرق نظر آیا، یہ وہ روحانی امراض کی تشخیص کے لحاظ سے بطور علاج پیش کیا جاتا رہا، یہ ''اقوال سلف صالحین'' قرآن وحدیث کی وہ منہضم غذائیں ہیں، جو وقتاً فوقتاً روح کی بالیدگی کے لئے متوسلین ومسترشدین کی خاطر سامنے رکھی گئی ہیں، ان قدسی نفوس نے اپنے اپنے حلقۂ رشد وہدایت میں اپنے اپنے انداز سے حاضرین اور غائبین کے لئے انہیں پیش کئے، ظاہر ہے کہ دوا کی مقدار مرض اور مریض کی رعایت کو سامنے رکھ کر متعین کی جاتی ہے، ایسے اکسیری نسخے

صدیوں کے تجربے کے ہیں اور یہ اوراق علم وعمل میں گڈمڈ ہو کر پھیلے ہوئے ہیں، انہیں مصنفؒ نے نکھار کر رکھا ہے۔

ان بکھرے ہوئے موتیوں کو سمیٹنا اور انہیں سلیقہ سے پرو کر چندن ہار بنانا جتنا مشکل کام ہے اس سے زیادہ یہ مشکل امر ہے کہ اس میں ذوق سلیم اور ذاتی وجدان کا بھی دخل ہو، زیر مطالعہ کتاب کے اوراق شاہد عادل ہیں کہ سلفِ صالحین کے اقوال ومعمولات اور کیف وکم کے حالات کو پیش کرنے میں ذوق سلیم اور ذاتی وجدان کو بہمہ وجوہ سامنے رکھا گیا ہے، اقوال واعمال کے اس ذخیرہ نے حسنِ انتخاب سے مل کر دوآتشہ کا رنگ پیدا کر دیا جو ہر حال اہل نظر کا مقصود ومطلوب ہوا کرتا ہے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ صرف اقوال اور رشد وہدایت کے نکات کو محض خشک طریقہ پر نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ صاحبان انوار کے مختصر حالات سے کتاب مزین ہے اور حوالے قابل وثوق ذرائع کے ہیں تاکہ مزید جستجو رکھنے والے ان کیطرف مراجعت کرسکیں، اس طرح تاریخی تربیت کے ساتھ جو دَورِ اول سے شروع ہو کر تاحال کے زمانہ کو شامل ہے حسن ترکیب کو سامنے رکھ کر پیش کر دیا گیا ہے، مزید برآں جا بجا مصنف نے اپنے زرّیں تنقید وتبصرہ سے نہایت درجہ پُرکیف بنا دیا ہے جو عام استفادہ کے نقطۂ نظر سے اہم ہے، روحانی تروتازگی کو حاصل کرنے کی غرض سے اس کتاب کا مطالعہ بہرحال ہر خاص وعام کے لئے مفید ہوا ہے اور زیر بحث جلد بھی اِن شاء اللہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرے گی، یکجا اس طرح پروئے ہوئے انمول موتی کہیں اور شاید نہ ملیں، ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ۔

برادرم مولانا قمر الزماں صاحب مکرم ومحترم صاحب نسبت بزرگ ہیں جو حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ (مشہور صاحبِ جذب وسلوک اور خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ) سے دوگونہ نسبت رکھتے ہیں، رشد وہدایت کی اور مصاہرت کی، بعدہٗ قطب وقت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی قدس سرّہ سے کسب فیض کیا اور خلیفہ ومجاز بیعت ہوئے، اس حقیر وکمترین کے خواجہ تاش ہیں، ان کی خاص توجہ سے مجھے یہ شرف حاصل ہوا اور اب بھی ان کی معیت میں الہ آباد حاضری پر جو کیف وکم اور انبساط وانشراح حضرت والا کی خدمت بابرکت سے اس تنگ ظرف کو حاصل ہوتا رہتا ہے اسے زبان قلم بیان نہیں کرسکتی، خدا ان کی اس خدمت جلیلہ کو شرف قبول بخشے اور توشۂ آخرت بنائے۔ آمین

احقر العباد:

محمد فضل الرحمٰن سیوانی ندوی

الحسناء سرسید نگر، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

۸ ررجب المرجب ۱۴۱۰ھ

۵ ر ۲ ر ۱۹۹۰ء

مژدۂ جاں فزا

مُرشدی عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب قُدس سرہ

عزیز مکرم مخلصم مولانا محمد قمر الزماں صاحب سلّمہ نے حضرات بزرگانِ سلف رحمہم اللہ تعالیٰ کے جو اقوال منتخب فرمائے ہیں ان کا پہلا اور دوسرا [illegible] کے نام سے شائع ہو کر عوام و خواص اور اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے، احقر نے بھی ان کو سُنا اور اپنے تاثرات بھی ان پر لکھے ہیں جو شائع ہو گئے ہیں۔

یہ اسی ''اقوالِ سلف'' کا تیسرا حصہ ہے، میں نے اس کو بھی سنا ہے اور اس کے وجد آفریں اور اثر انگیز مضامین سے محظوظ ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کے اندر بہت مقبولیت اور نافعیت رکھی ہے، ان کو سُننے اور پڑھنے سے دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے، یہ اللہ کے مقبول بندوں کے ارشادات و ملفوظات ہیں، جن کی اثر آفرینی میں ایک باذوق عالم کے حُسنِ انتخاب اور اضافۂ فوائد نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

ان جواہر پاروں تک ہر ایک کا پہونچنا کارے دارد تھا لیکن عزیز موصوف نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر اس طرح مرتّب فرما دیا ہے کہ اب ہر ایک کے لئے اس کا حاصل کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا بالکل آسان ہو گیا ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور عزیز کے لئے اس کو ذخیرۂ آخرت اور رفعِ درجات کا ذریعہ بنائے، نیز مزید ظاہری اور باطنی خدماتِ دینیہ کی توفیق مرحمت فرمائے اور شرفِ قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

محمد احمد پرتاب گڈھی

۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۰؁ھ

نامۂ گرانمایہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ

باسمہ تعالیٰ

محب فاضل ومکرم جناب مولانا محمد قمر الزمان صاحب زادہ اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ہدیہ ۲۵ جمادی الاولیٰ اور ہدیہ لسانی ''اقوال سلف'' حصہ چہارم پہونچا، یاد آوری اور اس قیمتی ہدیہ کے لئے ممنون ہوں۔ انشاء اللہ کتاب پر نظر ڈالی جائے گی، اللہ تعالیٰ استفادہ کی توفیق عنایت فرمائے۔

یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آپ بھی لندن تشریف لے گئے ہیں، امید تھی کہ وہاں ملاقات ہوگی، اس بحر ظلمات میں آپ سے مل کر خوشی و روشنی حاصل ہوتی، لیکن مقدر میں نہیں تھا، آپ یہ مفید سلسلہ جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ باعث نفع وہدایت بنائے۔

والسلام

مخلص طالب دعا

ابوالحسن علی ندوی

۹/ اکتوبر ۱۹۹۴ء

بشارت عظمیٰ

مشفقی المکرم حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم
(مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)

باسمہ تعالیٰ

حضرت المحترم مولانا قمر الزماں زید مجدہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عطیۂ علمیہ ''اقوال سلف'' حصّہ دوم نے ممنون ومسرور فرمایا، اور فوراً ہی پیش آمدہ سفر میں اس موقر تالیف سے فی الجملہ استفادہ کا موقع بھی میسّر آگیا، یہ اقوالِ سلفِ صالحین تو زندگی بخش تھے ہی، لیکن آں محترم کے اضافی اور وضاحتی حواشی نے ان کی قیمت وافادیت میں گوناگوں اضافہ فرمادیا۔

یہ سلسلۂ فیض حضرت الہ آبادی علیہ الرحمۃ ہی کا ہے، (اس سے مراد مرشدی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی قدس سرہٗ ہیں۔ محمد قمر الزماں) جس کے لئے مشیتِ ربانی نے آپ کو منتخب فرمالیا، حق تعالیٰ اس فیضان کو دواماً عموم وشمول ارزانی فرمائے اور عمر واقبال اور صحت وکمال کے ساتھ آں محترم کو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ موفّق فرمائے۔ آمین

اس ہدیۂ گراں بہا کے لئے بصمیم قلب شکرگذار ہوں۔ والسلام

احقر محمد سالم

مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند

۸/۱/۱۴۱۰ھ م ۱۱/۸/۱۹۸۹ء

تبصرۂ ثمینہ

مشفقی المکرم حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم

سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد! بزرگانِ دین کی تعلیمات اور ارشادات اور مواعظ وملفوظات کے جمع کرنے کا سلسلہ ہمیشہ سے رہا ہے، اس سلسلہ میں متعدد علمائے کرام اور مختلف مشائخ عظام نے احوال سلف، اعمال سلف اور اخلاق سلف جمع اور مرتب فرمائے ہیں؛ چنانچہ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ''اقوال سلف'' بھی ہے، جس کو ہمارے کرم فرما حضرت مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی صاحب مدظلہ (خویش ومجاز صحبت حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی دامت برکاتہم نے جمع ومرتب فرمایا ہے، فجزاہم اللہ تعالیٰ عنی وعن سائر المسلمین!

''اقوال سلف'' کے اب تک تین حصے شائع ہو چکے ہیں، اب معلوم ہوا ہے کہ اس کا تیسرا حصہ بھی طبع ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ جلد از جلد خیر وخوبی کے ساتھ تکمیل کے مراحل کو آسان فرمائے۔ آمین اور حضرت مولانا مدظلہٗ کی مساعیٔ جمیلہ کو مقبول ومفید اور بارآور فرمائے! آمین۔

العبد

مظفر حسین المظاہری،

ناظم مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

۷ ؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ

عنایت عالیہ

استاذ مکرم مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دام ظلہ ومجدہ (۱)

خلیفہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ

سابق شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور و مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ

باسمہٖ تعالیٰ

عزیز گرامی حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کی تصنیف لطیف اقوال سلف و معارف مصلح الامت موصول ہوئی، معمولی طور پر سرسری نظر سے پانچ منٹ میں دیکھا۔ کتاب میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے چیدہ چیدہ ملفوظات مکتوب ہیں، جس میں ایسی کام کی باتیں تحریر فرمائی ہیں کہ اس کو

---

(۱) ماشاء اللہ حضرت مولانا کی عمر اس وقت ۱۰۵ رسال کی ہے۔ کم عمری ہی میں بغرض اصلاح وتربیت حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ دنوں قیام کر کے مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں میں موقوف علیہ تک پڑھکر دورۂ حدیث کے لئے حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں غالباً ۱۹۵۴ء میں خانقاہ فتحپور تال نرجا ضلع مئو آئے۔ پھر گورکھپور، الہ آباد تک ساتھ رہے، بلکہ حضرت کی وفات کے بعد بھی چند سال وصیۃ العلوم الہ آباد میں بغرض تدریس رہے، اس کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی تشریف لے گئے۔

وفات: لیکن افسوس کہ ۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۷ رمارچ ۲۰۱۴ء آپ کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور ضلع اعظمگڈھ قصبہ پھولپور سے متصل جوما نانی گاؤں میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ محمد قمر الزمان الہ آبادی

دیکھنے سے آنکھ کھل جاتی ہے اور دل متأثر ہوتا ہے، اللہ رب العزت اسے قبول عام فرمائے، اور دیکھنے والوں کی آنکھیں کھل جائیں اور معلوم ہوجائے کہ سلف کے اقوال کی کیا تاثیر ہوتی ہے، ان کا وجود زندگی میں مسلمانوں کے لئے اصلاح کا بڑا ذریعہ تھا اور خداوند قدوس کی توفیق سے ان کی زندگی میں ان کی صحبت سے لوگوں کی آنکھ کھل جاتی تھی اور یہ سمجھ میں آجاتا تھا کہ دین کیا چیز ہے۔ اللہ رب العزت کی توفیق سے امت کی بہت اصلاح ہوئی، اصلاح کا طریقہ بھی عجیب تھا۔

یہ ناکارہ محمد حنیف جونپوری خداوند قدوس کی توفیق سے ان کی خدمت میں تقریباً ۱۸ سال رہا، اور اس ناکارہ کی پرورش اپنے بیٹے کی طرح فرمایا، ان کے ملفوظات سے اور تعلیم وتصنیف سے اثر لینا چاہئے تھا لیکن اپنی نالائقی کیوجہ سے نہیں کرسکا تاہم اتنا ضرور ہوا کہ حق، ناحق اور دین کیا چیز ہے اپنی صلاحیت کے مطابق سمجھ میں آگیا۔ حتی الامکان اب اسی طریق پر زندگی گذارنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے، اور حضرت نور اللہ مرقدہ کو درجۂ علیہ نصیب فرمائے۔ کتاب سمجھ کر پڑھنے کے لائق ہے، اگر سمجھ کر پڑھکر عمل کی توفیق ہوجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت حد تک اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفس اور اللہ تعالیٰ کا یقین حاصل ہوجائے گا۔ یقیناً کتاب قابل قدر ہے۔ الحمد للہ اس کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہم جیسے ناکارہ لوگوں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور اس ناکارہ کو پڑھنے کی اور عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی سعی کو قبول فرمائے۔ اور امت کو تاحد امکان اس کے مطابق زندگی گذارنے اور عمل کرنے کی توفیق

عنایت فرمائے۔اور حضرت مصنف مدظلہ کو اپنے شایان شان اجر عنایت فرمائے، اور امت کو کتاب کے مضمون پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔ اگر دل سے اخلاص سے عمل کیا گیا تو بہت کچھ دین کی اہمیت اور اس کے احکام پر عمل کی توفیق ہو جائے گی، جو بڑی نعمت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو اجر عظیم عنایت فرمائے اور امت کو عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین

فقط والسلام

بندہ محمد حنیف جونپوری

۸ / ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

مطابق ۱۰ / جنوری ۲۰۱۴ء

ناکارہ محمد حنیف غفرلہ جونپوری

مکتوب گرامی

مکرم حضرت مولانا مفتی مجاہد الاسلام[1] صاحبؒ

مکرم مولانا! سلام مسنون

خدا کرے مزاج بعافیت ہو۔

عزیز گرامی مولانا شمیم احمد رحمانی کی معرفت جناب کا بھیجا ہوا قیمتی تحفہ موصول ہوا ''اقوال سلف'' کے مطالعہ سے دل کو سرور حاصل ہوا اور آنکھوں کو نور۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور افادہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین

یہ حقیقت ہے کہ جس طرح اہل دل کی صحبت سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے اسی طرح ان کی باتیں دلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ کلام اللہ اور ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز سب سے زیادہ دل کی دنیا کو بدلتی ہے۔ وہ ہے ان

---

(۱) آپ کے ساتھ طالبعلمی کے زمانہ سے تعلق رہا ہے۔ اس لئے کہ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں یہ حقیر جب ابتدائی اُبی کے درجات میں تھا تو مولانا مرحوم کتب متوسطات کے متعلم تھے۔
جامعۃ الرشاد اعظمگڈھ (جس کا یہ حقیر نائب صدر تھا) فقہ اکیڈمی کے سیمنار میں شرکت کے لئے گیا تھا تو آپ سے بار بار خصوصی ملاقات رہی۔ محبت وشفقت کا معاملہ فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ
آپ شوگر کے مریض تھے۔ آخر وہی مرض الوفات ثابت ہوا۔ اور ۱۴/ اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۱۴۲۳ھ میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
اور پٹنہ میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے بول، جو حکمت و معرفت کا سرچشمہ ہیں، اقوال سلف کا مطالعہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے ماحول سے کٹ کر ہمیں ان اہل اللہ کی مجلس میں لے جاتا ہے، جہاں معرفت الٰہی کی چاشنی ملتی ہے، اور خشیت کی کیفیت قلوب میں پیدا ہوتی ہے۔ ایمان ویقین، اعتماد علی اللہ، محبت رسول، اکابر کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، صبر و عزیمت، زہد وتقویٰ، ایثار وقربانی، انکسار وتواضع، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت، کبر، حسد، حب جاہ اور حب مال، بغض اور کینہ جیسی برائیوں سے دل کو پاک کرنے کا جذبہ، یہ اور اس جیسی کتنی خوبیاں ہیں سلف صالحین کی سیرت اور ان کے اقوال واعمال کے ذریعہ پیدا کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ بیشک آپ نے بہت محنت کی ہے، مجھے یقین ہے کہ اس سے فائدہ پہونچے گا۔

مخدومی حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔ ان کی محبت غائبانہ طور پر دل میں پاتا ہوں۔ زیارت کو حاضر بھی ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن نوع بہ نوع مشاغل نے کسی کام کا نہیں رکھا ہے۔ اہل خانہ اور صاحبزادگان سے سلام کہدیں۔

والسلام

مجاہد الاسلام عفی عنہ

۲۱؍۴؍ سنہ ۱۴۱۰ھ

تقریظ عالی

مشفقی المحترم حضرت مولانا شیر علی[1] صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت گجرات

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

امابعد! اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو بے پناہ صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہے، عقل وشعور عطا کیا، سعی وکوشش کی خوبی سے نوازا، اور اس میں ہمت واستقلال، بردباری اور ایقان جیسی صفات حسنہ پیدا کیں، تاکہ مقاصد کے حصول میں پیش آنے والی پریشانیوں کا مقابلہ کرسکے، جس نے اپنی صلاحیتوں کو پہچانا اور عمل کیا تو اس پر ترقی کی راہیں کھلیں، انسان کا عمل ہی ایک ایسی واحد شئی ہے جس سے انسان اپنی زندگی کو کامیاب اور خوش گوار بنا سکتا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

---

(۱) اسم گرامی شیر علی بن ملا پیر شاہ اخوندؒ۔ آپ کی ولادت ۱۹۲۵ء میں قندھار افغانستان میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۷۴ھ میں فراغت حاصل کی، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھی۔

۱۱/سال تک منبع العلوم گلاوٹی ضلع باغپت میں تدریسی خدمات انجام دی، پھر ۱۳۸۸ھ سے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت گجرات میں فقہ وتفسیر وحدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے۔ آمین

اس نااہل کو دو بزرگ مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقد ہما کے پاس رہنے کا موقع ملا، جب ان حضرات کی باتوں کو سنتا تھا تو سوچتا تھا کہ یا اللہ! جب یہ حضرات علم وحکمت اور دین کی ایسی عمدہ باتیں کرتے ہیں تو ان کے شیخ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کیسے کرتے رہے ہوں گے۔

بہر حال حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم بھی حضرت حکیم الامت کے تربیت یافتہ کے تربیت یافتہ ہیں، آپ کو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی سترہ سالہ طویل صحبت نصیب ہوئی ہے، اسی طرح حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کی صحبت میں رہ کر تربیت وفیض یافتہ ہیں۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم صاحبِ قلم ہیں، عالم ربانی ہیں، عامل بالشریعۃ الظاہرۃ والباطنۃ ہیں، تزکیہ واحسان تو آپ کا اصل موضوع ہے، آپ کی نظر میں اللہ تعالیٰ نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ جو آپ کی صحبت بابرکت کو اختیار کرتا ہے تو اسے دینی فہم وفراست نصیب ہوتی ہے ؎

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے، بزرگوں کی نظر سے پیدا

آپ کے قلم میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے، جو آپ کی کتاب پڑھتا ہے، اس کو علم وحکمت کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے ؎

دین مجو اندر کتب اے بے خبر　　علم وحکمت از کتاب، دین از نظر

اس نااہل نے شروع میں جب اقوال سلف کو دیکھا تھا تو محسوس کیا تھا کہ صحابہ کرام کے احوال اختصار کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، پھر حضرت مولانا سے مشورۃً کہا کہ ان بزرگوں کے احوال کچھ اضافہ کے ساتھ شائع ہوجائیں تو اس کی افادیت بڑھ جائے گی، اب ماشاء اللہ اضافہ کے ساتھ اقوال سلف کی چار جلدیں طبع ہوچکی ہیں، جن میں بزرگوں کے احوال میں بھی اضافہ کیا گیا ہے، اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ بھی آ گیا ہے، اور اب پانچویں جلد بھی چھپنے جارہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرمائے، امت کے لئے مفید بنائے، اور اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین

حضرت مولانا، عمر میں مجھ سے آٹھ نو سال چھوٹے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ سے خوب کام لیا، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر میں برکت نصیب فرمائے، اور صحت وسلامتی نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

فقط والسلام

العبد شیر علی غفرلہ

۱۷/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

۱۱/نومبر ۲۰۱۴ء

تبصرہ

عزیزم مولانا مفتی جمیل احمد نذیری سلمہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

اللہ کے نیک بندے جو صالحین، عابدین، زاہدین اور ولی کہلاتے ہیں، وہ کئی طرح کے ہوتے ہیں، کچھ کا ولی اور عابد و زاہد ہونا، صلحاء میں شمار ہونا بالکل واضح ہوتا ہے، وہ یکسو ہو کر انہی کاموں اور مشاغل کو اپنی زندگی کا محور بناتے ہیں جو صالحین اور اتقیاء کے مشاغل اور کام ہوتے ہیں، ان کی ساری مصروفیات اور تگ و دو سے ان کا صالح اور نیک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے اعمال و اشغال ان کے علاوہ کچھ نہیں ہوتے، جو اولیاء اللہ کے ہوتے ہیں۔

مگر انہی میں کچھ نیک بندے جو یقیناً اولیاء اللہ میں شامل و داخل ہوتے ہیں۔ مگر عام لوگ پتہ نہیں پاتے کہ یہ بھی صالحین میں ہیں، ولی اللہ ہیں، ان کی زندگی کے مشاغل، ان کی مصروفیات ایسی لگتی ہیں جیسے وہ دنیادار ہیں، دنیا میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر ان کی زندگی کی تہ میں جانے اور حالات کو کھنگالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ متقی ہیں، پرہیزگاری اور خشیت الٰہی کے وصف سے متصف ہیں، ان کی زندگی کے اندرونی احوال ان کے ولی اور عابد و زاہد ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔

بادشاہت اور حکمرانی کر رہے ہیں، وزارت کے منصب پر فائز ہیں، سیاست کے گلیاروں میں جسم و جان ہلاکان کئے ہوئے ہیں، مگر دوسری طرف

تقویٰ وللہیت کی صفت سے بھی متصف ہیں، عبادت وریاضت اور تسبیح وتلاوت سے بھی ان کا مضبوط رشتہ ہے۔

ایسے باکمال افراد مردوں میں بھی ہیں اور عورتوں میں بھی، اگر صالحین کے مختلف النوع گروہ ہیں تو صالحات کے بھی مختلف النوع گروہ موجود ہیں۔

شیخ طریقت حضرت اقدس مرشدی ومولائی مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ کی مرتب کردہ بیش قیمت کتاب ''اقوال سلف'' کی ساری جلدوں کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں صرف ایسے ہی بزرگوں اور اسلاف کے حالات وواقعات نہیں ہیں جو عامۂ صلحاء، صوفی صافی اور اولیاء اللہ کی حیثیت سے معروف ومشہور ہیں۔ بلکہ مصنف علوم حضرت اقدس دامت فیوضہم نے چھانٹ چھانٹ کر، منتخب کرکے اور پوری دقیقہ رسی، تلاش وجستجو کے بعد ان ولی صفت امراء وسلاطین کو بھی اس میں شامل کرلیا ہے جو دنیاوی مناصب پر فائز ہیں، بظاہر دنیا میں لگے ہوئے ہیں مگر اولیاء اللہ کی شان ان میں بھی ہے، وہ بھی اپنے مراتب عالیہ کے اعتبار سے اولیاء اللہ میں شامل کئے جانے اور انہی کی طرح اعزاز واحترام اور اعتراف وقبول کے حقدار ہیں۔

اقوال سلف کا اصل نام مأثر الانبیاء والصدیقین وآثار الشہداء والصالحین ہے، اور لقب اقوال سلف ہے، اَبی نام کتاب کے مندرجات کی پوری عکاسی کرتا ہے۔

درحقیقت اقوال سلف کے سارے حصے ان محترم ومقتداء، علماء وزہاد وعباد کے احوال باطنی اور کیف ذوق کا ایک خوشنما گلدستہ ہیں، جن کا کسی ایک جگہ فراہم ہونا

بہت مشکل ہے۔ ان حضرات کے ملفوظات وافادات، جومختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے، اور بلا مبالغہ ہزاروں کتابوں کے ہزار ہا صفحات میں نہ جانے کہاں کہاں منتشر تھے، حضرت اقدس مدظلہ کے قلم گہربار نے انھیں یکجا کردیا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ راہ زندگی کا ہر مسافر، خواہ اس نے زندگی برتنے اور زندگی گزارنے کا کوئی بھی طریقہ چنا ہو وہ عابدین، صالحین میں شامل ہوسکتا ہے، اس کے لئے اسی جیسی طرز زندگی اپنانے والوں کے بے شمار نمونے موجود ہیں۔ کسی طرح کے مشاغل، کسی قسم کی مصروفیات اور کسی بھی انداز سے کاروبار زندگی میں سرگرم ہونا مخل اور رکاوٹ نہیں۔

اقوال سلف میں اقوال بھی ہیں، احوال بھی، ملفوظات بھی ہیں، واردات بھی، تشریحات بھی ہیں، توضیحات بھی، نصائح بھی ہیں، تنبیہات بھی۔ یہی نہیں بلکہ تصوف وسلوک کے موضوع پر حضرت والا کے قلم سے بھی، اور حضرت والا کی نگرانی میں بھی، جو بلند مایہ تصنیفات منصہ شہود پر آرہی ہیں اور جن کا سلسلہ برابر جاری ہے، یقیناً یہ ایک زبردست کام ہے، اتنا متنوع اور ہمہ گیر سلسلہ تصنیف وتالیف جو تصوف وطریقت کے مختلف گوشوں کو سمیٹے ہوئے ہو، احقر کو اس راہ سے وابستہ اشخاص کے یہاں فی الحال کہیں اور نظر نہیں آتا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جمیل احمد نذیری غفرلہ
جامعہ عربیہ عین العلوم نوادہ، مبارکپور

تاثر

رفیق مکرم صادق حسین صاحب الہ آبادی

سابق پرنسپل شیروانی انٹر کالج صلاح پور الہ آباد (کوشامبی)

بخدمت اقدس شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بصد تعظیم وتکریم عریضہ ہذا ارسال خدمت عالی ہے۔ گرانقدر ہدیہ اقوال سلف حصہ چہارم کا صمیم قلب سے مشکور ہوں۔

کتاب ہذا کا مطالعہ بغور وبنظر عمیق کیا جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ماشاء اللہ حضرت نے برگزیدہ اسلاف ستودہ صفات کے احوال واقوال، اعلیٰ کردار وملفوظات جو موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے اپنی بے پناہ معلومات وبسیط علمی فراست سے مجتمع کر کے اپنی کتاب اقوال سلف کی جلدوں میں محفوظ کردیا تاکہ امت مسلمہ اور ان کی نسلیں مستفیض ہوسکیں۔ حضرت مولانا کی یہ کاوش یقینا قابل تحسین وستائش ہے اور باعث ثواب واجر وانعام الٰہی ہے، کتاب موصوف میں ان اسلاف کے حالات ارقام ہیں جن کو زندگی میں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا اور جن کی کاوش سے اور صحبت کی فیض سے بندگان خدا نے علماء، صلحاء، صوفیاء، غوث وقطب ہونے کے اعلیٰ مدارج حاصل کئے۔

ماشاء اللہ اقوال سلف حصہ چہارم اہل اللہ کی بصیرت افروز پندونصائح کا ایسا ذخیرہ ہے جو افراد وملت متلاشی راہ حق وصداقت نیز طالبان رشد وہدایت کے

ایمان کو تازہ کرتا ہے اور ایقان کو مستحکم کرتا ہے، نیز ان کو دنیوی واخروی کامیابی کے لئے عمل پیہم ومساعی جمیلہ کے لئے آمادہ کرتا ہے۔حصول کامرانی وجاویدانی کے جادۂ مستقیم کا سنگ میل ہے اور منزل مقصود وفلاح دارین کی نشان دہی کرکے شمع راہ نما ہے۔عمل پذیرائی کے جذبہ کی چنگاری کو سینے میں سلگا کرقلب کو منور کرتا ہے۔امت کوخواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔رگوں میں خون کی روانی کو تیز کرکے جذبۂ عمل کی روح پھونکتا ہے، جستجوئے آخرت کاانہماک اور طاعت الٰہی کاشوق قلب مومن میں ودیعت کرتا ہے۔

کتاب موصوف گھرمیں رکھنے کے قابل ہے،بہت مفید وبصیرت افروز ہے، گھروں میں عمل درس وتدریس کی مداومت سے اہل خانہ کی کایاپلٹ ہوسکتی ہے۔ ذکرحق تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے یہ توفیق الٰہی پوراگھرمنورہوسکتا ہے۔اصلاح معاشرہ کے لئے تریاق ہے۔

اللہ رب العزت اقوال سلف حصہ چہارم مؤلفہ شیخ طریقت حضرت مولانا محمدقمرالزمان صاحب الہ آبادی کی مقبولیت عام فرمائے۔قارئین وسامعین کواس کے فیوض وبرکات سے منتفع ہونے کی توفیق عطافرمائے اورحضرت مولانا کواس عمل خیرکےعوض اجرعظیم کی دولت سے مالامال فرمائے۔آمین ثم آمین

طالب الدعا

احقرصادق حسین عفی عنہ

۶۳/۴۷بی وصی آبادالہ آباد

تذکرہ

اولیاءمقربین وعلماءربانیین رحمہم اللہ تعالیٰ

الحمدللہ علی احسانہ، اب ہم اصل کتاب کو شروع کرتے ہیں۔قارئین کرام کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ:

"اقوال سلف اول" میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور متعدد تابعین رحمہم اللہ کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

"اقوال سلف دوم" میں متعدد تابعین وتابعات، تبع تابعین اور چوتھی صدی ہجری تک کے اولیاء ومشائخ کرام کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

"اقوال سلف سوم" میں پانچویں ، چھٹی ،ساتویں ، اور آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول کے اولیاء ومشائخ عظام رحمہم اللہ اور چند سلاطین ہند کے احوال واقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

"اقوال سلف چہارم" میں آٹھویں صدی نصف آخر سے دسویں صدی ہجری تک کے اولیاء کرام، مشائخ عظام اور سلاطین ہند کے مختصر احوال وارشادات نقل کئے گئے ہیں۔

"اقوال سلف پنجم" میں گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ عظام اور سلاطین مغلیہ کے حالات نقل کئے جارہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان حضرات کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔

"اقوال سلف ششم" کا آغاز انشاء اللہ بارہویں صدی ہجری کے اولیاء کرام سے کیا جائے گا۔واللہ ولی التوفیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیم، اما بعد

حضرت شیخ خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلوی المتوفی ۱۰۱۲ھ

نام ونسب: نام خواجہ محمد باقی، لقب باقی باللہ، والد کا نام قاضی عبدالسلام ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۹۷۲ھ میں بمقام کابل ہوئی۔

تعلیم وتربیت: حضرت مولانا صادق حلوائیؒ سے تعلیم حاصل کی اور ان کے ہمراہ کابل سے ماوراء النہر آئے اور وہاں پر بھی حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اور اپنے ہمعصروں میں امتیاز تام حاصل کیا، اگر چہ علوم ظاہریہ کی تکمیل نہ ہوسکی لیکن فراست اور پیدائشی ذکاوت سے اس مقام تک پہونچ چکے تھے کہ کتب متداولہ مشکلہ کا مطالعہ کر کے ان کو سمجھ سکیں۔ اس کے بعد علم باطن کی طرف توجہ ہوئی، آپ یوں تو اویسی المشرب تھے، یعنی آپ کی تربیت باطنی حضرت رسالت المآب ﷺ اور حضرت خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے ہوئی تھی، لیکن ظاہر میں بھی کسی شیخ کامل کی تلاش تھی، ابتداءً ماوراء النہر ہی میں جو درویشوں کا مخزن ومعدن تھا، بہت سے مشائخ کے ہاتھ پر توبہ کی، اس کے بعد ہندوستان تشریف لائے، یہاں آپ کے بعض دوستوں نے جو اعلی مناصب پر تھے، آپ کو مجبور کیا کہ آپ فوج میں ملازمت کر لیں؛ لیکن قدرت کو

آپ سے سرزمین ہند میں ایک بڑا کام لینا تھا، اس لئے دنیاوی وجاہت کی طرف توجہ نہ کرتے ہوئے آپ نے صاف انکار فرمادیا، اس عرصہ میں اصحاب معرفت اور ارباب محبت کی کتابوں کا آپ نے مطالعہ کیا، ان کتابوں کے مطالعہ نے ایک نئی روح آپ کے اندر پھونک دی اور آپ ہمہ تن فقر و درویشی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اس دولت کو حاصل کرنے کے لئے ماوراء النہر حضرت مولانا خواجگی امکنگیؒ کی خدمت میں پہونچے، تو انہوں نے حضرت خواجہ کے احوال بلند کا مشاہدہ کیا، تین شبانہ روز تخلیہ میں ان کی طرف خاص توجہ فرمائی اور بعض فوائد کی اطلاع دے کر فرمایا کہ تمہارا کام اللہ تعالیٰ کی عنایت اور بزرگوں کی شفقت سے انجام پذیر ہو گیا، اب تم کو چاہئے کہ اس سلسلہ عُلیہ کی اشاعت کے لئے ہندوستان جاؤ، تاکہ وہاں یہ سلسلہ رونق پائے اور تمہاری برکتِ تربیت سے ''مستفیدان عالی مقدار'' بروئے کار آئیں، حضرت خواجہ نے ازراہ انکساری ہر چند معذرت پیش کی، لیکن حضرت مولانا کا برابر یہی اصرار رہا، حضرت مولانا امکنگی کے اقرباء میں سے ایک درویش کا بیان ہے کہ جب حضرت مولانا کے قدیم الخدمت اور صاحب نسبت مریدوں نے یہ سنا کہ حضرت مولانا نے چند روز میں حضرت خواجہ کو خلافت واجازتِ کاملہ دے کر کشور ہندوستان کو رخصت فرمایا ہے، تو وہ لوگ کچھ ملول ہوئے اور آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے، جب حضرت مولانا کو اس کا پتہ چلا تو فرمایا: تمہیں خبر نہیں ہے، یہ شخص اپنا کام پورا کر کے یہاں آیا تھا، میرے پاس تو اس شخص نے فقط تصحیح احوال کی ہے اور بس۔ یقینا جو اس طرح کا کمال رکھتا ہوگا، وہ اسی طرح جلد کامیاب ہو کر واپس

ہوگا، فارسی الفاظ یہ ہیں: ’’لاجرم ہر کہ چناں آید چنیں رود‘‘

(تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مؤلفہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی ص:۱۱)

اب ہم اس سلسلہ میں تاریخ دعوت وعزیمت (جلد چہارم) سے وہ مضمون نقل کرتے ہیں، جو ’’نزہۃ الخواطر‘‘ (جلد پنجم) کے مصنف حضرت مولانا حکیم عبدالحیٔ صاحب قدس سرہ نے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ ’’ما قل و دل‘‘ کا مصداق ہے اور اس میں مستند کتابوں اور تذکروں کا لب لباب آ گیا ہے:

شیخ اجل، قطب الاقطاب، امام الائمہ رضی الدین ابوالمؤید عبدالباقی بن عبد السلام بدخشی مشہور بہ ’’باقی باللہ‘‘ کابلی ثم الدہلوی، آپ کا وجود دنیا کے لئے باعث برکت وزینت، آپ کی حیات طیبہ مقصد آفرینش وغایت خَلق کا مظہر، آپ کی زبان حقیقت ترجمان اور آپ کی ذات خلاصۂ عرفان تھی، علم ومعرفت میں اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانی، اور ولایت وروحانیت کے منارۂ نورانی ۲ ۷؁۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور مولانا محمد صادق حلوائیؒ سے شرف تلمذ اختیار کیا اور ان کے ساتھ ماوراء النہر کا سفر کیا اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے، پھر ان کے دل میں طریقۂ صوفیاء میں داخل ہونے کا داعیہ پیدا ہوا، جس کے نتیجہ میں آپ نے رسمی علوم کی تحصیل چھوڑ دی اور بلاد ماوراء النہر کے بہت سے مشائخ کبار کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہے، آپ نے سب سے پہلے شیخ خواجہ عبید خلیفہ مولانا لطف اللہؒ خلیفۂ مخدوم اعظم کے دست حق پرست پر توبہ کی؛ مگر جب آثار استقامت ظاہر نہ ہوئے تو شیخ افتخارؒ کی سمرقند آمد کے موقع پر ان کے ہاتھ پر دوبارہ توبہ کی، جو شیخ احمدؒ یسوی کے سلسلہ کے

بزرگ تھے، دوبارہ اپنی عزیمت واستقامت میں کمی محسوس کی تو اضطراری حالت میں امیر عبداللہ بلخیؒ کے ہاتھ پر تیسری مرتبہ توبہ کی اور کچھ عرصہ حفظ حدود کے پابندرہے، مگر آخری بار یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی، اسی عرصہ میں ان کو خواب میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کی زیارت ہوئی اور اہل اللہ کے طریقہ کی طرف رجحان پیدا ہوا، جہاں آپ کیلئے ممکن ہوتا وہاں جاتے رہتے تھے، یہاں تک کہ کشمیر میں شیخ بابا کبرویؒ کی خدمت میں پہونچے اور ان سے مستفید ہوئے، ان کی صحبت میں ان ربانی فیوض کی بارش ہوئی اور اس سلسلہ کی معروف غیبت وفنائیت کے آثار ظاہر ہوئے، شیخ مذکورؒ کی وفات کے بعد آپ شہروں میں پھرتے رہے اور سیاحت واستفادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی روح نے ظاہر ہوکر آپ کو نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی اور آپ کی تکمیل ہوگئی، اس کے بعد ماوراء النہر گئے، جہاں شیخ محمد امکنگیؒ سے ملاقات ہوئی، جنہوں نے تین دن کے بعد اجازت ورخصت عطا کی، اس کے بعد آپ ہندوستان واپس ہوئے اور لاہور میں ایک سال ٹھہرے، جہاں بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا اور پھر وہاں سے ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی تشریف لائے اور قلعۂ فیروزی میں قیام فرمایا، جس میں ایک بڑی نہر اور ایک بڑی مسجد تھی، آپ وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے۔

اخلاقی حالات: آپ اعلی درجہ کے صاحب وجد وذوق، نہایت متواضع ومنکسر مزاج تھے، اغیار اور نامحرموں سے اپنے احوال رفیعہ کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اپنے کو مقام ارشاد کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اگر کوئی آپ کے پاس باطنی استفادہ کے لئے حاضر ہوتا تو آپ اسے فرماتے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں

ہے، اس لئے آپ کسی اور بزرگ سے رجوع کریں اور اگر آپ کو کوئی شخصیت مل جائے تو مجھے بھی خبر دیں، غرض آپ ادّعا سے دور رہ کر آنے والوں کی خدمت اور تالیف قلب میں مشغول رہتے تھے، اور کسی ضرورت یا کسی دقیق مسئلہ کی پوری وضاحت فرماتے تھے، اپنے احباب کو قیام تعظیمی سے منع فرماتے اور اپنے کو انہیں جیسا سمجھتے تھے، اور تمام حالات میں ان سے مساوات کا معاملہ فرماتے تھے، تواضع ومسکنت کے خیال سے ننگی زمین پر بھی بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کو عجیب وغریب کیفیت روحانی اور قوت تاثیر حاصل تھی، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی اس کے حالات بدل جاتے اور پہلی ہی صحبت میں اسے ذوق وشوق اور اہل معرفت کی روحانی کیفیات حاصل ہو جاتیں اور پہلی توجہ اور تلقین میں طالبین کا قلب جاری ہو جاتا تھا، آپ کا فیض اور مخلوق پر شفقت سب کے لئے اس قدر عام تھی کہ سخت جاڑے کی ایک رات میں آپ کسی کام سے بستر سے اٹھ کر گئے اور جب واپس ہوئے تو اپنے لحاف میں ایک بلی کو سوتا دیکھ کر اسے جگانے اور ہٹانے کے بجائے صبح تک بیٹھے رہے، اسی طرح آپ کے قیام لاہور کے زمانہ میں قحط پڑا تو اس عرصہ میں آپ نے کچھ نہیں کھایا، آپ کے پاس جو کھانا آتا اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے، لاہور سے دہلی جاتے ہوئے راستہ میں ایک معذور شخص کو دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور اسے سوار کر کے اور پہچاننے والوں سے بچنے کے لئے چہرہ چھپائے ہوئے اس کی منزل مقصود تک پیدل گئے اور پھر سوار ہوئے، غلطی کے اعتراف اور اپنے کو خطا کار سمجھنے میں کوئی تأمل نہ کرتے تھے اور اپنے اصحاب ہی سے نہیں؛ بلکہ عوام سے بھی اپنے کو ممتاز

نہیں سمجھتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے پڑوس میں رہنے والا ایک نوجوان ہر قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا تھا؛ مگر باخبر ہونے کے باوجود آپ اسے برداشت کرتے رہے، کسی موقع پر ان کے مرید خواجہ حسام الدین دہلویؒ نے حکام سے اس کی شکایت کی اور انہوں نے اسے پکڑ کر بند کر دیا، جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے مرید پر ناراض ہوئے اور ان سے باز پرس کی، انہوں نے عرض کیا: حضرت وہ بڑا ہی فاسق ہے، اس پر آپ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ جی ہاں! آپ لوگ اہل صلاح وتقوی تھے، اس لئے آپ نے اس کا فسق وفجور محسوس کر لیا؛ مگر ہم تو اپنے کو اس سے بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے اپنی ذات کو چھوڑ کر حکام تک اس کی شکایت نہیں لے گئے، پھر آپ کی کوشش سے حکام نے اسے رہا کیا، اور وہ تائب ہو کر اہل صلاح میں سے ہو گیا۔

جب آپ کے کسی مرید سے کوئی غلطی ہوتی تو اس کے بارے میں فرماتے کہ یہ میری ہی غلطی تھی جو بالواسطہ اس سے ظاہر ہوئی۔

(دعوت وعزیمت، ج: ۴، ص: ۱۴۶)

ف: یہ تھی آپ کی تواضع وفروتنی، اور یہ تھی اپنے مریدین ومتعلقین کی تعلیم وتربیت، جس کی وجہ سے خانقاہوں سے کام ہوا اور اسلام کی اشاعت ہوئی، کیوں کہ اپنے عمل وحال سے ان حضرات نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام سراپا اخلاق ہے اور تصوف سرتاسر آداب، جس کی وجہ سے لوگوں نے اسلام کو قبول کیا اور سلسلۂ تصوف سے منسلک ہوئے اور فیضیاب ہوئے، لہٰذا اگر آج بھی اصول دین اور آداب طریق کے مطابق کام کیا جائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کے بندے قبول

کریں گے اور کامیاب ہوں گے، اور خانقاہیں صحیح معنوں میں آباد ہوں گی اور مفید ثابت ہوں گی۔ (مرتب)

یہ چند چیزیں ان کے فضائل وکمالات کا صرف ایک معمولی حصہ اور ان کے بحر شمائل کا صرف ایک قطرہ ہیں، اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ قلیل مدت میں کتنے انسانوں کو آپ سے فیض باطنی پہونچا، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے؛ اس سلسلۂ مبارکہ کو آپ ہی کے ذریعہ فروغ حاصل ہوا، جسے آپ سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

شیخ محمد بن فضل اللہ بُرہان پوری کہتے ہیں کہ آپ وعظ وارشاد میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، کیوں کہ تین چار سال کی مدت میں اپنے افادات کے ذریعہ دنیا میں روشنی پھیلا دی، اس کی تفصیل ملا ہاشم کشمی کی ''زبدۃ المقامات'' میں ہے، آپ نے کل چالیس سال کی عمر پائی اور ہندوستان آنے کے بعد کل چار سال حیات رہے اور اس تھوڑی مدت میں آپ کے اصحاب ورفقاء کمالات کے اعلی مدارج پر پہونچ گئے، یہاں تک کہ انھوں نے گزشتہ سلسلوں کے آثار محو کردیئے

---

(۱) سلسلہ نقشبندیہ ہندوستان میں دو طریق سے پہونچا، ایک امیر ابوالعلاء اکبرآبادی کے ذریعہ، جن کو اپنے چچا عبداللہ احرارؒ سے طریقۂ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت تھی، اس طریق میں چشتیت ونقشبندیت باہم مخلوط ہیں، کالپی، مارہرہ، داناپور وغیرہ کا ابوالعلائی سلسلہ ان ہی سے چلتا ہے، دوسرا طریق حضرت خواجہ باقی باللہ کا ہے، اصلاً اس سلسلہ کی ہندوستان میں اشاعت حضرت خواجہ کی آمد اور حضرت مجدد کے اس سلسلہ میں داخل ہونے سے ہوئی، پھر وہ سارے عالم میں پھیل گیا۔ (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہندیہ، تالیف: مولانا عبدالحیؒ مصنف ''نزہۃ الخواطر)

اور طریقۂ نقشبندیہ تمام سلسلوں پر غالب آ گیا۔

محمد بن فضل اللہ محبی نے خلاصۃ الاثر میں لکھا ہے کہ ''حضرت شیخ اللہ کی ایک نشانی و روشنی اور سر الٰہی اور علم ظاہر و باطن اور تصرفات کے حامل تھے، خاموش طبع، متواضع اور ایسے خوش اخلاق تھے کہ لوگوں میں اپنے کو ذرا بھی ممتاز نہیں کرتے تھے، حتی کہ اپنے احباب کو بھی قیام تعظیمی سے روکتے اور معمولی سلوک کی تلقین کرتے تھے۔''

محبی کا کہنا ہے کہ آپ سے بڑے تصرفات ظاہر ہوئے، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی یا داخل سلسلہ ہوتا تو اس پر محویت وفنائیت کا غلبہ ہو جاتا، اگر چہ اسے اس راہ سے پہلے کوئی مناسبت نہ ہوتی، لوگ آپ کے دروازے پر مدہوشوں کی طرح پڑے رہتے، بعض لوگوں پر پہلے ہی وہلہ میں عالم ملکوت منکشف ہو جاتا جو غیبی کشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کے مریدوں میں طریقۂ مجددیہ کے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ تاج الدین بن سلطان عثمانی سنبھلیؒ، شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بدخشیؒ، شیخ الہ داد دہلویؒ جیسے جلیل القدر مشائخ اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔

تصنیفات: آپ کی تصنیفات میں نادر رسالے، قیمتی مکاتیب اور پاکیزہ اشعار ہیں، جن میں کتاب ''سلسلۃ الاحرار'' بھی ہے، جس میں آپ نے فارسی میں اپنی عرفانی رباعیات کی شرح کی ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج:۴، ص:۱۴۷)

ارشادات

فرمایا: اگر کوئی سالک مقام معصیت میں پھنسا ہوا ہے یا دنیا کی طرف اس کی رغبت ہے، اس کا سبب ان چند اسباب میں سے کوئی ایک ضرور ہوگا:

(۱) یا وہ ضرورت کے مطابق معاش پر اکتفاء نہ کرتا ہوگا۔

(۲) یا عوام سے اختلاط رکھتا ہوگا۔

(۳) یا اس کے اوقات ذکر حق سبحانہ سے معمور نہیں ہوں گے۔

(۴) یا خدا سے غیر خدا کا طالب ہوگا۔

(۵) یا وہ اپنے نفس سے مجاہدہ نہیں کرتا ہوگا۔

(۶) یا وہ اپنے اوپر اور اپنے احوال اور اپنی قوت پر نظر رکھتا ہوگا۔

(۷) یا احکام ازلیہ پر سر تسلیم خم نہیں کئے ہوئے ہوگا۔

فرمایا: توکل یہ نہیں ہے کہ ترک اسباب کردے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، کیوں کہ یہ بے ادبی ہے، بلکہ توکل نام اس کا ہے کہ سبب کو قائم ومقرر کردے مثلاً کتابت وغیرہ، البتہ سبب پر نظر نہ جمائے اور اس پر بھروسہ نہ کرے۔

فرمایا: معرفت کے بہت سے درجات ہیں، اگر سالک حقائق سے حصہ وافر رکھتا ہے تو فبہا، ورنہ اصل کار شریعت پر قائم رہنا ہے۔

فرمایا: باری تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے والوں کو کشف مطلق درکار نہیں کیوں کہ کشف دو قسم کا ہے: ایک دنیوی، وہ تو بالکل ہی غیر ضروری ہے، دوسرا

اخروی وہ کتاب وسنت میں واضح طور پر خود موجود ہے، عمل کے لئے وہی کافی ہے اور کوئی کشف اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

فرمایا: مشائخ کو تربیت وارشاد پر آمادہ کرنے والی تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ہوتی ہے (۱) الہام حق سبحانہ وتعالیٰ (۲) حکم پیر (۳) شفقت بر خلق اللہ، تیسری چیز یعنی شفقت بر خلق اللہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: جب مشائخ مخلوق خدا کو گمراہی پر ڈٹا ہوا دیکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ گمراہی عذاب اور ٹوٹے کا باعث بن جائے گی تو اپنی انتہائی رحم دلی کی بناء پر عذاب کو ان سے دفع کرنے کی فکر کرتے ہیں، پس شفقت کا مقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ترویج واشاعت کو لازم پکڑ کر مخلوق خدا کو وعظ ونصیحت کے ذریعہ حفظ آداب واقامت شرع کا آمر بن کر مثلاً فقہ وحدیث کی تعلیم وتعلم کا امر کریں، شرع پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کا مشورہ دیں؛ لیکن یہ بات بھی ہے کہ مشائخ کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ واصل بھی کردیں، یہ امر شفقت کے لئے لازمی اور ضروری نہیں ہے بلکہ امرِ زائد ہے، اسی ضمن میں فرمایا کہ اس طریقۂ نقشبندیہ کا حاصل یہ ہے کہ انجذاب ایمانی کی تربیت کریں، تمام انبیاء ورسل کی دعوت کا یہی طریقہ تھا۔

فرمایا: اعتقاد درست، رعایت احکام شریعت، اخلاص اور دوام توجہ بجانب حق سبحانہ وتعالیٰ عظیم ترین نعمت ہے، اس نعمت عظمیٰ کے برابر کوئی ذوق ووجدان نہیں ہے۔

ف: یقیناً اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے اس لئے کہ یہی تو اصل دین اور روح تصوف ہے۔ (مرتب)

ایک روز اہل اللہ کے منکرین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اولیاء کبائر سے محفوظ تو ہوتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی کبیرہ ان سے ناگاہ سرزد ہو جائے تو ان کے تمام اقوال کو باطل قرار دینا جہالت کی بات ہے، یہ دیکھنا چاہئے کہ بحیثیت مجموعی ان کا اکثری عمل کیا رہا ہے؟ اگر کبھی بحکم شریعت کوئی بات ان سے صادر ہو گئی ہو تو ان کو اس میں معذور قرار دینا چاہئے۔ (تذکرہ خواجہ باقی باللہ ص: ۳۶)

ف: سبحان اللہ! بہت ہی عدل کی بات ارشاد فرمائی لہذا اگر کسی محقق عالم اور امام سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس کے جملہ علوم وتحقیقات کی نفی نہیں کی جا سکتی جیسا کہ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے اپنی کتاب ''اعیان الحجاج'' میں حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ابن تیمیہؒ اپنے علم وعمل کے اعتبار سے ہماری تاریخ کے یگانہ افراد میں شمار کئے جاتے ہیں اور وہ بجا طور پر اس کے مستحق ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل میں علماء اسلام کی اکثریت بلکہ خود ان کے ممتاز تلامذہ (مثلاً ابن رجب، ابن کثیر وذہبیؒ) ان سے متفق نہیں ہیں۔ اور ہم بھی ان مسائل میں ان کے ہمنوا نہیں ہیں لیکن اس سے ان کے علمی کمالات پر کوئی حرف نہیں آتا۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے عالم کی نظر کا چوک جانا اور کسی چیز کا اس کی علمی گرفت سے باہر رہ جانا نہ تو کوئی حیرت انگیز بات ہے نہ اس سے اس کے دامن فضل وکمال پر کوئی دھبہ آتا ہے۔ (اعیان الحجاج) مرتب

وفات: شنبہ کے دن ۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ کو آپ کا طائر روح مائل پرواز ہوا، آخری وقت اپنے اصحاب کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسا کہ کوئی

مسافر اپنے دوستوں کو الوداع کہتے وقت دیکھا کرتا ہے، خدام آپ کی نظروں کے اشارے سے سمجھ کر رونے لگے تو آپ نے تبسم فرمایا ؎

نشان مرد مؤمن باتو گویم　　چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

یعنی مرد مؤمن کی پہچان یہ ہے کہ جب اسے موت آئے تو اس کے لب پر مسکراہٹ ہو۔

دن کا کچھ حصہ باقی تھا کہ میدان فناء الفناء کا یہ شہسوار جہراً اللہ اللہ کہتا ہوا واصل بحق ہوا، ذات باقی سے عشق و تعلق کی بناء پر کائنات کے ذرے ذرے نے اس کے نام کے بقاء دوام کی شہادت دی اور دنیا نے باقی باللہ کہکر اسے پکارا ؎

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(یعنی اس شخص پر ہرگز موت نہ آئے گی جس کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہو چکا ہے، کیوں کہ نقشۂ عالم پر ہمارا دوام ثابت ہو چکا ہے۔)

آپ کا مزار پر انوار دہلی میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ (خواجہ باقی باللہ: ۳۰)

حضرت خواجہ عبداللہ المعروف بخواجہ کلاں دہلویؒ المتوفی ۱۰۷۴ھ

نام ونسب: نام خواجہ عبداللہ، لقب خواجہ کلاں، والد کا نام خواجہ باقی باللہ ہے۔

فضل وکمال: علوم ظاہری وباطنی کے عالم تھے۔ان کے اخلاق بہت اونچے اور فضائل وکمالات حد بیان سے باہر ہیں۔آپ کے قلم سے تصانیف عالیہ نکلی ہیں۔منجملہ تصانیف کے ایک تصنیف طبقات حسامی ہے جو اپنے شیخ حسام الدینؒ کے نام سے موسوم کی ہے۔اس میں بہت سے اسرار وحقائق اور مختلف مشائخ سلاسل کے حالات شرح وبسط سے لکھے ہیں۔

ہمیشہ زاویہ ہمت واستقامت میں ثابت قدم رہے، کرم وسخاوت ان کی ذاتی صفت ہے، اور طریقہ غربت وشکستگی ان کا اعلیٰ شیوہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زیر تربیت: حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے باکمال خلیفہ مجدد الف ثانیؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ ہمارے لڑکوں کا خیال رکھنا اور ان سے باخبر رہنا، یہ دونوں (خواجہ عبداللہ، خواجہ عبیداللہ) ابھی شیر خوار ہی تھے کہ خواجہ باقی باللہؒ کا وصال ہو گیا۔مجدد صاحبؒ نے تمام عمر ان دونوں صاحبزادوں کا خیال رکھا۔اپنے یہاں ان دونوں کو رکھا۔جب یہ دونوں صاحبزادے دہلی چلے گئے تو وہاں ان کی تربیت مرزا حسام الدینؒ کے زیر نگرانی ہوئی۔حضرت مجدد صاحبؒ جہاں صاحبزادوں کو ضروری ہدایات تحریر فرماتے

ہیں وہاں مرزا حسام الدین کو بھی نگہداشت کی تاکید فرماتے ہیں۔ سرہند میں بیٹھے ہوئے ہیں اور صاحبزادگان کو صحت عقائد واعمال صالحہ اور اتباع سنت کی برابر تلقین فرمارہے ہیں، کوئی بات خلاف سنت یا خلاف مسلک خواجہ باقی باللہ سنتے ہیں تو اس پر زوردار تنبیہ فرماتے ہیں۔ (تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ: ص/۴۶)

مکتوبات میں متعدد مکتوب ان صاحبزادگان کے نام تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت مجدد صاحبؒ کا مکتوب [(۱)]: صاحبزادگان حضرت باقی باللہؒ یعنی خواجہ عبداللہ وخواجہ عبیداللہ کے نام، جس میں مجدد صاحبؒ نے ان کے والد محترم سے استفادہ کی تشریح کرتے ہوئے غایت ادب سے احسانمندی کا اظہار فرمایا ہے۔ یقیناً اصحاب شرافت وسیادت ایسے ہی ہوتے ہیں، نہ کہ اساتذہ ہی کے احسان فراموشی وہمسری کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات:

مخدوم زادوں کی خدمت میں التماس ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد ماجد کے احسانات میں غرق ہے۔ طریقت میں الف، ب کا سبق انھیں سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف کی تہجی انھیں سے سیکھی ہے۔ اندراج النہایہ فی البدایہ"

---

(۱) یہ مکتوب بہت طویل اور اہم ہے، اس میں عقائد کا بیان ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مالابدمنہ کے شروع میں عقائد کی بحث میں اس مکتوب سے اقتباسات لئے ہیں۔ شاہ غلام علی دہلویؒ نے اس مکتوب کے متعلق فرمایا ہے کہ۔ "یہ علم عقائد میں فائدۂ کثیرہ رکھتا ہے اس کو علیحدہ علیحدہ لکھ کر لوگوں کو دینا چاہئے"۔

کی دولت انھیں کی برکت صحبت سے حاصل کی ہے، اور ''سفر در وطن'' کی سعادت کو ان کی خدمت کے صدقہ ہی میں پایا ہے، ان کی توجہ مبارک نے دو ڈھائی ماہ میں اس نا قابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا، اور اکابر کے ''حضور خاص'' کو بھی عطا فرمایا۔ اس مدت قلیلہ میں جو کچھ ''تجلیات وظہورات'' ''انوار والوان'' ''بے رنگیہا و بے کیفیہا'' ان کے طفیل میں رونما ہوئے، ان کی کیا تشریح کروں۔ ان کی توجہ مبارک کی برکت سے معارف توحید وغیرہ کا (شاید ہی) کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر واضح نہ کیا گیا ہو، اور اس کی حقیقت سے اطلاع نہ پائی ہو۔ جب کہ اتنی عظیم الشان دولت آپ کے والد بزرگوار سے اس فقیر کو پہنچی ہو تو اگر تمام عمر بھی اپنے سر کو خدام بارگاہ عالی کے قدموں میں پائمال کروں تب بھی کچھ حق ادا نہ ہو۔ اپنی کوتاہیوں کو کیا گناؤں اور اپنی شرمندگی کا کیا اظہار کروں۔ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کوتاہ عمل لوگوں کے کام کو اپنے ذمہ لازم کر کے خدام بارگاہ کی خدمت کے لئے اپنی کمر کو کس لیا ہے اور ہم دور افتادوں کو فارغ البال کر دیا ہے۔

گر بر تن من زبان شود ہر موئے یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ: میرے جسم کا ہر رونگٹا زبان بن جائے تب بھی واجب شکر کے ہزار حصوں میں سے ایک حصہ بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

فقیر تین مرتبہ حضرت پیر و مرشد کے آستانے پر (ان کی زندگی میں) حاضر ہوا ہے، آخری حاضری پر فقیر سے ارشاد فرمایا کہ: مجھ پر ضعف بدن غالب

آ گیا ہے امید حیات کم ہے۔ میرے بچوں کے حالات سے خبردار رہنا۔ پھر اپنے سامنے آپ دونوں کو طلب کیا، اس وقت آپ دونوں دودھ پیتے بچے تھے۔ حکم فرمایا کہ: ان بچوں پر توجہ کرو۔ ان کے حکم سے ان کے سامنے ہی توجہ کی گئی، حتیٰ کہ اس کا اثر ظاہر میں بھی نمایاں ہوا۔ بعدازاں فرمایا کہ: ان بچوں کی ماؤں پر بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حسب ارشاد ان پر بھی غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضرتِ والا کی موجودگی کی برکت سے وہ توجہ نتائج پیدا کرے گی۔

یہ خیال نہ کرنا کہ میں پیرومرشد کی وصیت کو فراموش کر چکا ہوں یا تغافل برتتا ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہے، البتہ (راہ سلوک طے کرانے کے لئے) آپ کے اشاروں کا منتظر ہوں۔ اب چند فقرات بطور خیر خواہی لکھے جاتے ہیں امید کہ گوش ہوش سے سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے۔

فرضِ اولین، نزدِ عقلاء، تصحیح عقائد ہے۔ فرقۂ ناجیہ اہلسنت و جماعت کے مطابق۔ (تجلیات ربانی: ج/۱ص/۲۰۰)

ف: ماشاء اللہ اہل سنت والجماعت کے عقائد سے متعلق خوب روشنی ڈالی ہے۔ مگر بغرضِ اختصار نقل نہیں کر رہا ہوں اگر موقع ہو تو اس کا مطالعہ کریں۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۸/جمادی الثانیہ ۱۰۷۳ھ کو ہوئی اور خواجہ حسام الدینؒ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ نوراللہ مرقدہ

(تذکرہ خواجہ باقی باللہ اور صاحبزادگان: ص/۵۱)

حضرت خواجہ عبید اللہ المعروف بخواجہ خرد دہلویؒ المتوفی ۱۰۷۴ھ

نام ونسب: نام خواجہ عبید اللہ، لقب خواجہ خرد، والد کا نام خواجہ باقی باللہؒ ہے۔ خواجہ صاحبؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۶؍رجب ۱۰۱۰ھ میں ہوئی۔ لفظ ''رضی'' تاریخ پیدائش ہے۔

تعلیم وتربیت: چھوٹی عمر میں حافظ کلام مجید ہو گئے۔ چودہ سال کی عمر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں گئے۔ پہلی ہی صحبت میں توحید کی حقیقت ان پر منکشف ہوگئی۔ حضرت مجدد صاحبؒ ان کی فطرت شریف اور استعداد لطیف دیکھ کر ان کو اپنے منتسبین میں سب سے اچھا قرار دیتے تھے اور ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔ دوسری ملاقات میں طریقۂ نقشبندیہ کی اجازت اپنے دست خاص سے لکھ کر ان کو عطا فرمائی اور رخصت کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں علوم صوفیاء اور اس راہ کے معارف ان کے دل پر کھل گئے اور بہت سی تصانیف علم توحید ومعرفت کے متعلق عربی وفارسی زبان میں ان کے قلم سے نکلیں۔

آپ نے خواجہ حسام الدین کی خدمت میں رہ کر بلند مرتبہ حاصل کیا، اپنے والد ماجد کے دوسرے خلیفہ الہدادؒ سے بھی فیض حاصل کیا اور نقشبندیہ قادریہ سلسلہ کی اجازت پائی۔ خواب میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے تلقین اسرار ذات حاصل کی اور بہت سے مشائخ کبار کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ اپنے زمانہ کے ایک بلند پایہ درویش، بڑے زبردست عالم وفاضل اور یگانہ روزگار، جامع معقول ومنقول بزرگ تھے۔ سید کمال سنبھلیؒ آپ کے مرید خاص تھے۔ (تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ: ص ر ۵۳)

ارشادات: فرمایا: جاننا چاہئے کہ شریعت صورت حقیقت ہے اور حقیقت معنی شریعت، صورت معنی سے اور معنی صورت سے جدا نہیں ہوتے۔

معنی تک پہونچنا بے توسط صورت متحیل ہے اور صورت پر اکتفاء کرنا اور معنی سے جوکہ مقصود صورت ہے، غافل ہونا صریح نقصان کی بات ہے، اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

ف: سبحان اللہ! شریعت وحقیقت کی کیسی توضیح فرمادی جو نقش قلوب کئے جانے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

فرمایا: قرب دو قسم کا ہے، ایک یہ کہ عبد ظاہر ہو اور حق باطن، چنانچہ حدیث قدسی میں ''بی یسمع وبی یبصر وبی ینطق'' آیا ہے، اس قرب کو قرب نوافل کہا جاتا ہے، دوسرا قرب یہ ہے کہ حق ظاہر ہو اور بندہ باطن ومستہلک، ان اللہ ینطق علی لسان عمر، اس میں دوسرے قرب کی جانب اشارہ ہے، اس قرب کا نام قرب فرائض ہے۔

ف: اس سے قرب فرائض کی کیسی وضاحت ہوگئی۔ (مرتب)

فرمایا: درویش طالب حق کو چاہئے کہ جب تنگیٔ معیشت اور احتیاج کا غلبہ ہو تو اہل دنیا میں سے کسی کے پاس نہ جائے اور ترک آمد ورفت کردے۔

فرمایا: آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **یهرم ابن آدم ویشب منه اثنان:**

الحرص علی المال والحرص علی العمر یعنی ابن آدم بوڑھا ہوتا ہے، لیکن مال اور طول عمر کی حرص اس میں جوان ہوجاتی ہے۔(مسلم)اس ارشاد مبارک سے بظاہر لازم آتا ہے کہ اولیاء حق بھی ان دوصفتوں سے خالی نہ ہوں اور یہ بات مشکل ہے۔

حل اس مشکل کا جو میرے خیال میں آیا ہے یہ ہے کہ ان دونوں صفتوں کا شباب تقاضہ کرتا ہے اس امر کا کہ یہ دونوں صفتیں جوانی کے زمانے میں موجود ہوں، اگر کوئی جوانی کے زمانے میں ان دوصفتوں کو اپنے اندر سے رفع کردے تو پھر ان کا شباب کہاں سے ہوگا (لہٰذا ہر شخص کے بارے میں یہ ارشاد نہیں ہے؛ بلکہ اس سے اللہ کے خاص بندے مستثنیٰ بھی ہوں گے) اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے کہ یتولد ویحدث فیہ اثنان تو البتہ اشکال ہوتا کیوں کہ اس کا یہ مطلب ہوتا کہ بوڑھاپے میں یہ صفتیں پیدا ہوجاتی ہیں (خواہ جوانی میں ہوں یا نہ ہوں)۔

(تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ ص:۶۱)

ف: چنانچہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے سنا ہے کہ کسی نے کسی بوڑھے شیخ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑھاپے میں کثرت مال اور طول حرص کے مرض کی صفت جوان ہوجاتی ہیں۔تو آپ میں بھی یہ صفت جوان ہوئی ہوگی، تو جواب میں فرمایا کہ میاں جوان وہ ہو جو پیدا بھی ہوئی ہو، اور ہم میں تو یہ صفت پیدا ہی نہ ہوئی تو جوان کیسے ہوگی۔یعنی انھوں نے ابتداء ہی سے اصلاح کی فکر کی جس سے وہ صفت پیدا ہی نہ ہونے پائی تو جوان کیسے ہوگی۔

اسی پر قیاس کر کے کہا جاسکتا ہے کہ صفات مذمومہ کی اگر ابتداء ہی سے

اصلاح کی فکر کی جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ صفات مذمومہ قلب میں پیدا نہ ہوں گی۔ چنانچہ بہت سے سعادت مند ایسے ہوئے بھی ہیں ۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری اولاد واحباب کو اپنے اصلاح کی ایسی ہی فکر پیدا فرمادے اور تمام رذائل سے پاک وصاف کر کے اخلاق حمیدہ سے مشرف فرمائے۔آمین (مرتب)

فرمایا: فقیر وہ ہے جو اپنے دشمن سے بھی دوستی کرے اور ہر شخص کا اعزاز و اکرام کرے، کسی شخص کو چشم دوئی سے نہ دیکھے، بالفرض اگر کسی نے اس کو گالی بھی دی تو وہ اس کے لئے دعائے خیر کرے یا اس کو کوئی تحفہ دے تا کہ اس کا دل شاد وخرم ہو جائے بعد ازاں آپ نے دو شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔

ہر کہ با دشمن نورزد دوستی　　رہ نیابد در جناب کبریا

یعنی جو شخص دشمن سے دوستی نہ برتے گا وہ بارگاہ کبریا میں راہ نہ پائے گا۔

فرمایا: تعلق حسن صوری (یعنی عشق مجازی) کے دفع کرنے کے لئے نماز و روزہ میں اشتغال اور ایسی کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہے، جن میں احوال مشائخ لکھے ہوئے ہیں۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ کے احوال کے مطالعہ سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے جو مجازی محبت کا خاتمہ کر دیتی ہے۔(مرتب)

فرمایا: حق سبحانہ نے میرے اوپر یہ آیت کریمہ کھول دی ہے: جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ (یعنی حق آیا اور باطل گیا گذرا ہوا واقعی باطل چیز تو یوں ہی آتی جاتی رہتی ہے۔)

پھر فرمایا کہ طالب کو چاہئے کہ اس آیت شریفہ کو پڑھے، خواہ دل سے خواہ زبان سے، اس طریقے سے کہ جاء الحق کہتے وقت دل پر ضرب لگائے اور زھق الباطل کہتے وقت باطل کو بجانب پشت پھینکے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ اس عمل سے بہت کچھ کشادگی پائے گا۔

ف: اس لئے اپنے متعلقین کو نصیحت ہے کہ اثنائے ذکر کلمہ توحید میں ضرور اس آیت شریفہ کے معنی کے استحضار سے پڑھیں۔ انشاء اللہ نفع ہوگا۔ (مرتب)

نیز فرمایا کہ لاالہ الا اللہ کا حاصل اور اس آیت کریمہ کا حاصل ایک ہی ہے، بس اس قدر فرق ہے کہ لاالہ الا اللہ میں نفی مقدم ہے اثبات پر اور اس آیت میں اثبات مقدم ہے نفی پر۔

فرمایا: ہمت عالی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ انسان کو جمیع مراتب دنیا سے انقطاع کلی حاصل ہو اور دنیا کی باعثِ فخر چیزیں اس کی نظر میں بے حیثیت اور بے قدر ہوں، نیز بجانب حق توجہ دائمی میسر ہو۔

ف: اللہ تعالیٰ اس نعمت سے مشرف فرمائے۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست (مرتب)

فرمایا: منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن شہر سے صحراء کی طرف جارہے تھے، ایک شخص نے دریافت کیا کہ یاروح اللہ! آپ کہاں جاتے ہیں؟ جواب میں آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں احمقوں کی وجہ سے تنگ آگیا ہوں، ان کا علاج میں نہیں جانتا، مادرزاد نابینا اور ابرص کا علاج کرسکتا ہوں اور مردوں کو باذن اللہ بارہا زندہ کیا ہے، لیکن ان احمقوں کے علاج سے عاجز اور

درماندہ ہوں، اسی لئے شہر سے صحراء کی طرف جا رہا ہوں۔

(تذکرہ خواجہ باقی باللہ ص:۷۹)

ف : غالباً یہ واقعہ مولانا رومؒ نے بھی مثنوی میں نقل فرمایا جس کو حضرت مصلح الامتؒ سناتے تھے اور حماقت کے مرض کی قباحت پر استدلال فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس مرض سے ہم سب کو بچائے۔ (مرتب)

وفات: وصال کی تاریخ ۲۵ر جمادی الاولی ۱۰۱۲ھ بدھ کا دن ہے، ان کی عمر تریسٹھ سال دس مہینے اور انیس دن کی ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

(تذکرہ خواجہ باقی باللہ ص:۶۵)

حضرت شیخ عبدالحق[1] محدث دہلویؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ

ولادت: ماہ محرم الحرام ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء شیخ محدثؒ دہلی میں پیدا ہوئے، والد کا نام حضرت مولانا سیف الدین تھا۔

ابتدائی تعلیم: شیخ محدثؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات نشو و نما میں ان کے والد ماجد کا خاص حصہ تھا، ایام طفل ہی سے انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف توجہ کی تھی، شیخ محدثؒ کا بیان ہے:

شب و روز در کنار مرحمت و جوار	رات دن میں ان کی آغوش عاطفت
عنایت ایشاں تربیت می یافتم۔	میں تربیت حاصل کرتا تھا۔

تین سال کا بچہ دیکھئے اور باپ کا یہ ذوق و شوق کہ شب و روز آغوش میں لئے اس کی تربیت میں مشغول ہے، اور برسوں کی ریاضت نے جو ذہنی اور قلبی کیفیات اس میں پیدا کردی ہیں، ان کو منتقل کرنے کے لئے بے چین ہے، مسئلہ وحدۃ الوجود کے اسرار سے اس بچہ کو آشنا کرنا چاہتا ہے، جب کوئی نکتہ بچہ کی سمجھ

---

[1] جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حضرت شیخ محدثؒ کی مستقل سوانح ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ'' کے نام سے لکھی ہے، جس میں ان کی طالب علمی اور ان کے دور کی ضلالت و گمراہی اور حضرت شیخ کی دینی خدمات اور اصلاحی مساعی اور شریعت کی ترویج و سنت کی اشاعت اور جہد ہمت وغیرہ کو تفصیلی طور پر بیان فرمایا ہے، جو یقیناً بصیرت افروز ہے، اسی کو سامنے رکھ کر حضرت محدثؒ کا تذکرہ لکھ رہا ہوں۔ (مرتب)

میں نہیں آتا تو تجربہ کار باپ یہ کہہ کر تسلی کرتا ہے:

ان شاء اللہ رفتہ رفتہ پردہ از روئے کار بکشاید و جمال یقین روئے نماید۔

یعنی: ان شاء اللہ رفتہ رفتہ حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھے گا اور جمال یقین نظر آئے گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت کرتا ہے۔ ”لیکن باید کہ دائم دریں خیال باشند و ہر مقدار کہ دست دہد سعی کنید“۔ یعنی لیکن یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اسی خیال میں رہو اور جس قدر ممکن ہو کوشش کرتے رہو۔ (اخبار الاخیار)

حضرت والد ماجد کی خاص ہدایت: ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے کہ بچے کی تربیت اس وقت سے ہونی چاہئے، جب وہ ششکاری کے جواب میں مسکرانا شروع کرے، شیخ سیف الدینؒ اسی اصول کے قائل تھے، ان کے تعلیمی نظریات بہت بلند تھے، اس لئے چاہتے تھے کہ اپنے دل کی وہ بے چین دھڑکنیں جن میں زندگی کا راز مضمر تھا، اپنے بیٹے کے سینے میں منتقل کر دیں، اس زمانہ کی پوری کیفیت شیخ محدثؒ کی زبانی سنئے:

اسی زمانۂ طفلی میں انہوں نے حضرات صوفیہ کے اقوال بتائے اور شفقت ظاہری کے ساتھ باطنی تربیت کا برابر خیال رکھا، میں بھی بتقاضۂ فطرت ان اقوال کا دلدادہ تھا، جب وہ ذرا خاموش ہوتے، میں کچھ دیر کے لئے اپنے آپ کو بھول جاتا اور واقفان اسرار کی طرح حقائق کو دوبارہ بیان کرنے کی استدعا کرتا، ان میں سے بعض باتیں اپنی خصوصیات کے ساتھ ابھی تک حافظے میں محفوظ ہیں، یہ امر بہت غیر معمولی ہے، اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ فقیر کو اپنے دودھ چھٹنے کا زمانہ جب کہ عمر دو یا ڈھائی سال کی ہوگی ایسا یاد ہے جیسے کل کی بات۔

چوں کہ شیخ سیف الدینؒ نے اپنے زمانہ کے علماء کی بے راہ روی، کج بخشی اور گمراہی کا خوب مشاہدہ کیا تھا، اس لئے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:

''چاہئے کہ کسی سے علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو اور تکلیف نہ پہونچاؤ، اگر یہ سمجھ لو کہ دوسرا حق بجانب ہے تو اس کی بات مان لو اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو دو تین بار سمجھا دو، اگر نہ مانے تو کہو کہ مجھے تو یہی معلوم ہے؛ ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو، پھر جھگڑنے کی بات کیا ہے۔'' (اخبار الاخیار)

فرمایا کرتے تھے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے، وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے، یہ لا حاصل چیز ہے، اس سے منافرت اور مخالفت کے سوت ابل پڑتے ہیں، علمی مسائل میں محبت والفت سے تبادلۂ خیال ہونا چاہئے اس لئے کہ " ایں کار محبت است آں را کہ محبت نہ باشد چہ کار کند"۔

(یعنی یہ محبت کا معاملہ ہے، جس میں محبت نہیں وہ کیا خاک کام کرے گا۔)

شیخ سیف الدینؒ کی ان نصیحتوں کو شیخ محدث کے دماغ کے ہر رگ وریشے نے قبول کیا اور وہ ان کی زندگی کا جزو بن گئیں، اکبری دور میں بحث ومباحثہ، تکفیر وتضلیل کے کیسے ہنگامے برپا ہوئے، لیکن شیخ محدث نے اپنے مسلک سے کبھی سر مو انحراف نہیں کیا۔ (حیات شیخ:۷۹)

ف: حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا یہی مسلک تھا، اس لئے ہم متوسلین ومنتسبین کا بھی یہی مسلک ہونا چاہئے، اس میں رشد وصلاح بلکہ اصلاح وارشاد متوقع ہے۔ وباللہ التوفیق (مرتب)

ابتدائی تعلیم: شیخ محدث کو ابتدائی تعلیم خود ان کے والد ماجد نے دی تھی، مگر

اس زمانے کے مروجہ نصاب طریقہ تعلیم کی پابندی نہیں کی ؛ بلکہ ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر جس کتاب کو مناسب سمجھا پڑھا دیا، اس زمانے میں نظم کی بہت سی کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور ان کا پڑھنا ابتدائی تعلیم کا لازمی جزو سمجھا جاتا تھا، شیخ سیف الدینؒ نے اپنے بیٹے کو بوستاں اور دیوان حافظ کے چند جزو کے علاوہ نظم کی کوئی کتاب نہیں پڑھائی۔

چنانچہ بارہ تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی، پندرہ سولہ برس کی عمر ہوگی کہ مختصر اور مطول سے فارغ ہو گئے، اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی ونقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا، جس کی سیر نہ کر چکے ہوں۔(حیات شیخ:۸۲)

ف: درحقیقت یہ تھے والد محترم، جن کو اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا اس درجہ جذبہ تھا کہ اگر آج اس کا دسواں حصہ بھی والدین کو اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا خیال ہوجائے تو اس قدر آزادی اور بے راہ روی جو جوانوں میں نظر آرہی ہے، نہ ہو، اور معاشرہ اس درجہ گندہ نہ ہو۔

اسی طرح مشائخ واساتذہ اور دینی تحریکوں کے مقتداؤں سے بھی شریعت کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ بھی اپنے شاگردوں اور مریدوں کی تربیت اور اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفوس کا خیال رکھیں، اور ذمہ داری کو محسوس کرکے عمل پیرا ہوں۔

اس لئے کہ حدیث پاک ہے کہ "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته" یعنی تم میں کا ہر آدمی راعی ہے اور اس کی رعیت کے متعلق (عند اللہ) باز پرس ہوگی۔

نیز یہ حدیث بھی مروی ہے کہ "ان اللہ سائل کل راع عما استرعاہ

حفظ ام ضیع "یعنی اللہ تعالیٰ ہر راعی سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کرے گا کہ اس نے اس کی حفاظت کی یا ضائع کیا۔

آج اس امر میں کوتاہی کی بناء پر گھر تو فساد کے شکار تھے ہی، مدرسے اور خانقاہیں اور دینی مراکز بھی فساد کی آماجگاہ بنتے جا رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (مرتب)

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''اہل دل کی دلآویز باتیں'' میں حضرت محدثؒ کی طالب علمی کا حال لکھا ہے، جو بعینہ درج ذیل ہے:

حضرت شیخ عبدالحقؒ کی طالب علمی: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے علمی و عملی کمالات کا تذکرہ تم نے بہت سنا ہوگا، آج ان کی طالب علمی کی دلچسپ اور حیرت انگیز روداد سنو اور خود شیخ کی زبانی سنو:

از ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست وخواب کدام، مصاحبت کیست وآرام چہ وآسائش کو وسیر کجا۔

ترجمہ: بچپن کے شروع ہی سے میں نہیں جانتا کہ کھیل کیا ہے اور سونا کون سی چیز ہے، صحبت اور یار باشی کس چیز کا نام ہے اور آرام کس کو کہتے ہیں اور راحت طلبی کہاں اور سیر وتفریح کیسی؟

شب خواب چہ وسکون کدام ست، خواب بعاشقاں حرام است، ہرگز در شوق کسب وکار طعام بوقت نخوردہ وخواب در محل نبردہ۔

''رات کو نیند کیسی اور آرام کہاں؟ نیند تو عاشقوں پر حرام ہے، اور سنو! تحصیل علم اور کام کے شوق میں کبھی بھی وقت پر نہ کھانا کھایا اور نہ وقت پر سویا۔''

آگے ارشاد فرماتے ہیں:

میں روزانہ چاہے چلہ کے جاڑے ہوں یا شدت کی گرمی ہو، اپنے گھر سے دہلی کے مدرسہ میں دونوں وقت حاضری دیتا تھا، حالانکہ گھر سے مدرسہ تک دو میل کا فاصلہ تھا، پھر لطف یہ ہے کہ ایسے وقت گھر سے نکل پڑتا تھا کہ صبح صادق سے کچھ دیر پہلے مدرسہ میں پہنچ کر چراغ کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا، دوپہر کے قریب وہاں سے گھر آ کر چند لقمے کھاتا اور پھر مدرسہ کی راہ لیتا۔

پڑھنے کی کیفیت: سنو! آج کل کی طرح صرف ورق گردانی نہیں ہوتی تھی، بلکہ جو کتابیں پڑھتے تھے، ان کو بلکہ ان کے شروح وحواشی جو مل جاتے، ان کو بھی لازمی طور پر خود اپنے ہاتھ سے روزانہ لکھتے، پروگرام یہ تھا کہ رات کا اکثر حصہ اور دن کا تھوڑا وقت مطالعہ (کتب بینی) میں گذارتے تھے اور دن کا اکثر حصہ اور رات کا تھوڑا وقت لکھنے میں صرف کرتے۔

فرماتے ہیں کہ میرے ماں باپ پیچھے پڑے رہتے تھے کہ ذرا محلہ کے لڑکوں کے ساتھ کھیل آؤں یا رات کو وقت سے پلنگ پر لیٹ جایا کروں، میں نص کرتا تھا کہ کھیل سے مقصد دل بہلانا ہے، میرا دل اسی سے بہلتا ہے کہ کچھ پڑھوں یا کوئی مشق کروں، خود فرماتے ہیں کہ اور لڑکوں کے ماں باپ مدرسہ جانے کے لئے تاکید کرتے اور ڈانٹتے تھے؛ مگر میرے ماں باپ نہ جانے کے لئے بہت زیادہ کہتے رہتے تھے، رات کو مطالعہ کرتے کرتے جب آدھی رات ڈھل جاتی تھی تو والد بزرگوار چلاتے کہ بابا کیا کرتے ہو، میں فوراً لیٹ جاتا اور کہتا کہ سو رہا ہوں (تاکہ جھوٹ نہ ہو) اس کے بعد پھر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگتا، فرماتے ہیں: کئی دفعہ تو

پگڑی اور سر کے بالوں میں چراغ سے آگ لگ گئی اور جب تک اس کی گرمی محسوس نہیں ہوئی؛ مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔(اہل دل کی دل آویز باتیں)

یہ تو حال تھا طلب علم کا، اب ان کے شوق عبادت اور ذوق ریاضت کی نوعیت ملاحظہ فرمائیں، جب کہ آج کل طلبہ زمانۂ طلب علمی میں اپنے کو عمل سے بالکل آزاد سمجھتے ہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ طالب علموں کے لئے وہ چیزیں روا ہیں جو دوسروں کے لئے نہیں، تو بہ توبہ کس قدر ضلالت کی بات ہے۔

چنانچہ آپ کی عبادت وریاضت کے متعلق جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں:

عبادت وریاضت: اقبال نے کہا ہے ؎

علم کا مقصود ہے، پاکئ عقل وخرد فقر کا مقصود ہے، عفت قلب ونگاہ

شیخ محدثؒ نے پاکئ عقل وخرد کے ساتھ ساتھ عفت قلب ونگاہ کا بھی پورا پورا خیال رکھا، بچپن سے ان کو عبادت وریاضت میں دلچسپی تھی، ان کے والد ماجد نے ہدایت کی تھی، ”ملائے خشک وناہموار نباشی۔“

چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جامِ شریعت رہا، دوسرے میں سندان عشق، عشق الٰہی کی لگن تو ان کی خاندانی ورثہ تھی، شیخ سیف الدینؒ نے ان میں عشق حقیقی کے وہ جذبات پھونک دئے تھے، جو آخر عمر تک ان کے قلب وجگر کو گرماتے تھے۔

ابتدائی زمانے میں ان کا معمول تھا کہ وہ رات میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے: لکھتے ہیں:

”وباوجود شوق وشغف تحصیل وتکرار علم درکثرت صلوٰۃ واوراد وشب خیزی ومناجات ہمدراں طفولیت بوجود می آید“

ترجمہ: تحصیل علم میں اس قدر انہماک اور مشغولیت کے باوجود اس زمانۂ طفلی میں نماز، اوراد، شب خیزی اور مناجات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس زمانے میں جس ذوق وشوق کے ساتھ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے، اس کے تصور سے پیرانہ سالی میں اس کے کام ودہن لطف اندوز ہوتے تھے؛ فرماتے ہیں:

”ہنوز ذوق آں اسحار واوقات درکام وقت پیداست“

اس زمانے میں شیخ محدثؒ کو علماء ومشائخ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان سے مستفیض ہونے کا بڑا شوق تھا، اپنے مذہبی جذبات اور خلوص نیت کے باعث وہ ان بزرگوں کے لطف وکرم کا مرکز بن جاتے تھے، شیخ اسحاقؒ المتوفی ۹۸۹ھ سہروردیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے، اور ملتان کو چھوڑ کر دہلی میں اقامت اختیار کر لی تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے تھے، بہت کم کسی سے بات کرتے تھے، لیکن جب شیخ محدثؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے حد التفات وکرم فرمایا۔ (حیات شیخ محدث دہلویؒ: ص ر۸۹)

ف: میرا خیال ہے کہ حضرت شیخ محدث دہلویؒ کے کمال عمل، رسوخ علم اور علو شان کے حصول کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کو بچپن ہی سے اہل اللہ کی مصاحبت میسر تھی، اس لئے کہ اگر کسی کو اپنی محنت وریاضت کے ساتھ فیض صحبت بھی نصیب ہو تو پھر اس کے علم وحال میں عجیب برکت حاصل ہوتی ہے

اوراس کے لئے عمل کرنا آسان ہی نہیں ؛ بلکہ پر کیف ہو جاتا ہے، ورنہ پھر تو آدمی حصولِ علم کے بعد بھی ملائے خشک اور ناہمواری کا شکار رہتا ہے، جس کی مذمت مولانا روم اس شعر میں فرمارہے ہیں۔

علم رسمی سر بسر قیل ست وقال   نہ ازو کیفیتے حاصل نہ حال

یعنی آدمی رسمی علم سے بس قیل وقال ہی تک پہونچتا ہے، جس سے اس کو نہ باطنی حال ملتا ہے اور نہ کیف۔

ف: سنئے! حال اگرچہ مطلوب نہیں، تاہم محمود ضرور ہے، جس سے عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ (کماافادہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) (مرتب)

سفرِ حجاز: تکمیل علم کے بعد درس وتدریس کے کام میں مشغول ہو گئے مگر یکا یک جذبۂ قلبی کی بناء پر عازم حجاز ہو گئے، چنانچہ زاد المتقین میں لکھتے ہیں:

سنہ ۹۹۶ھ میں خاص جذبہ غیب سے پیدا ہوگیا اور دل پر وحشت طاری ہوگئی۔ دیوانگی کی حالت میں سفر کرنے کا ارادہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔

(حیات شیخ: ص ر ۹۱)

ہندوستان کی بدحالی: جس وقت شیخ محدث نے ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت یہاں کی دینی فضا انتہائی مکدر تھی، علماء سوء نے دربار اور دربار سے باہر جو افسوسناک حالات پیدا کردیئے تھے ان میں کسی بزرگ کا یہاں ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ اس دور کا مختصر حال یہ ہے کہ ربیع الثانی سنہ ۹۸۲ھ مطابق سنہ ۱۵۷۵ء کو اکبر بادشاہ نے عبادت خانہ کی تعمیر کا حکم دیا، میاں عبداللہ نیازی سرہندی کے مسکن پر عمارت تیار ہوئی۔

ابتداء میں صرف مسلمان علماء واکابر کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی اور مذہب کے مختلف مسائل پر مباحث کی ابتداء ہوئی، ان مباحث سے اکبر کا مقصد تلاش حق تھا اور اس نے خلوص نیت کے ساتھ دینی معاملات پر معلومات حاصل کرنے کی غرض سے علماء کو مدعو کیا تھا لیکن علماء نے عبادت خانہ کو دنگل میں تبدیل کر دیا۔

چنانچہ اکبر بادشاہ اس ماحول سے گھبرا گیا، جن علماء کو وہ رازی اور غزالی کے مرتبے کا سمجھتا تھا وہ اپنے کردار کے باعث ننگ دین ثابت ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فیا حسرتاہ

اس کے بعد اکبر کے دینی رجحانات میں نہایت تیزی کے ساتھ تبدیلی واقع ہونے لگی، دربار میں ائمہ اسلام کی توہین کی جانے لگی "کیش احمدی" کہہ کہہ کر اسلام کے ارکان دینی کا مذاق اُڑایا جانے لگا، پھر دین الٰہی کی تدوین کی گئی اور ایک نئے فتنہ کو مذہبی رنگ میں شروع کیا گیا۔ (حیات شیخ: ص ر ۹۴)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اکبر کی بددینی وضلالت اور نئے دین کی تدوین کا سبب بھی علمائے سوء کی کج روی، کٹ حجّتی اور ان کی بے راہ روی اور دنیا طلبی تھی، جس کی وجہ سے اگر ہندوستان سے اسلام ہی رخصت ہو جاتا تو کچھ بعید نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت شیخ محدث دہلویؒ اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو، کہ اس وقت اپنی تحریر وتقریر، جہد ہمت، فیض صحبت اور دعوت و عزیمت اور پرتاثیر تعلیم وتربیت سے اسلام کو بچا لیا اور مسلمانوں کو اسلام پر ثابت رکھا۔

(جزاهم الله تعالى عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء)

اب جب کہ اس دور میں بھی جہالت وضلالت کا شیوع ہو رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی خاص بندے کو ظاہر فرما دے جو اس دور کی جہالت کو قلع قمع کر دے تا کہ اس خزاں رسیدہ گلشن اسلام میں بہار آ جائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

قیام حجاز: شیخ عبدالحق محدث ۹۹۶ھ میں حجاز پہونچے ۹۹۹ھ تک ان کا وہاں قیام رہا۔ یہ تقریباً تمام وقت شیخ عبدالوہاب متقیؒ ہی کی خدمت میں گذرا، ان کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، شیخ نے علم کی تکمیل کرائی، اور احسان وسلوک کی راہوں سے آشنا کیا۔ (ص:۱۰۲)

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ قیام حجاز کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

”تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ (حجاز کے) علماء کرام سے حاصل کئے، خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی شاذلی قدس اللہ سرہ سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار وبرکات وترقی درجات اور علوم دین کی نشر واشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف واپس ہوا۔“ (حیات شیخ: ۱۱۰)

حجاز سے روانگی: علم وعمل کی سب وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے شیخ عبدالحقؒ کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی۔ مگر شیخ محدث ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ یہاں آنے کو مطلق طبیعت نہ چاہتی تھی، مگر شیخ کے تاکیدی حکم واصرار کی بناء پر ۱۰۰۰ھ میں

ہندوستان واپس آئے، یہ زمانہ وہ تھا جب اکبر بادشاہ کے غیر متعین مذہبی افکار نے دین الٰہی کی شکل اختیار کرلی تھی، ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہوچکا تھا، شریعت وسنت سے بے اعتنائی عام ہوگئی تھی، دربار میں اسلامی شعار کی کھلّم کھلّا تضحیک کی جاتی تھی۔

بادشاہ کی اس بے راہ روی نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا، حد یہ ہے کہ مدرسے اور خانقاہیں تک ان مسموم اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں، صوفیہ نے شریعت کو طریقت سے علیحدہ کرکے اپنے غیر شرعی اعمال کا جواز تلاش کرلیا۔ اور علمائے سوء نے فقہ کو اپنی بہانہ جو فطرت کا آلہ بنایا۔

حجاز سے واپسی پر شیخ عبدالحقؒ نے دہلی میں مسندِ درس وارشاد بچھادی، شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت وسنت کی آواز بلند ہوئی۔ (حیات شیخ: ص ر ۱۲۵)

ان کا مدرسہ دہلی ہی میں نہیں، سارے شمالی ہندوستان میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا، سیکڑوں کی تعداد میں طلباء استفادہ کے لئے جمع ہوتے تھے اور متعدد اساتذہ درس وتدریس کا کام انجام دیتے تھے۔

شیخ محدث کا یہ دارالعلوم اس طوفانی دَور میں شریعت اسلامی اور سنت نبوی ﷺ کی سب سے بڑی پشت پناہ تھی، مذہبی گمراہیوں کے بادل چاروں طرف منڈلائے، مخالف طاقتیں بار بار اس دارالعلوم کے بام ودر سے آکر ٹکرائیں لیکن شیخ محدث کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش پیدا نہ ہوئی، ان کے عزم واستقلال نے وہ کام انجام دیا جو ان حالات میں ناممکن نظر آتا تھا۔

ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ ہُشیار جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

(حیات شیخ:۱۲۶)

شیخ محدث جس طرح شب وروز کام میں مشغول رہتے تھے اسی طرح یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے وابستگان عقیدت مند اور متعلقین بیکار نہ بیٹھیں، وہ وقت کی قدر کریں اور سرگرم عمل رہیں۔ایک خط میں اعلان کرتے ہیں: آدمی را دریں کارخانہ برائے کار آفریدہ اند۔

(یعنی آدمی کو اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ (دنیا) میں کام کے لئے پیدا فرمایا ہے) اور یہ مصرع اور شعر پڑھتے ہیں ع

مزد او گرفت جاں برادر کہ کار کرد

(یعنی اے بھائی! مزدوری وہی پائے گا جو کام کرے گا)

کار کُن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار باید کار

(یعنی کام کرو کام، باتیں چھوڑو، کیونکہ اس راہ میں کام ہی کی ضرورت ہے، اس کو کرنا چاہئے۔)

نیز کسی نے خوب کہا ہے ؎

تن از پیئے کار آمدہ بے کار مدار دل از پیئے یار آمدہ بے یار مدار

یعنی بدن اللہ تعالیٰ کے کام کے لئے ہے اس لئے اس کو بیکار مت چھوڑو، اور دل کو اپنے لئے بنایا ہے اس لئے اس کو بے یار مت رکھو۔

حضرت شیخ کی للّٰہیت: یوں تو یہ مقولہ مشہور ہے ''المعاصرۃ اصل المخاصمہ''

ہمعصر ہونا باہم منافرت کی اصل ہے، مگر یہ کلیہ نہیں ہے، اہل اللہ اس سے یقینا مستثنیٰ ہیں، چنانچہ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

یوں تو ہوتی ہے رقابت عادۃً عُشّاق میں عشق مولیٰ ہے مگر اس تہمتِ بد سے بری

اگر کسی غلط فہمی کی بناء پر کبھی باہم رنجش ہو جاتی ہے تو فوراً ہی یہ حضرات تلافی کی فکر فرماتے ہیں اور کہہ سن کر دل صاف کر لیتے ہیں۔

چنانچہ اس حقیر نے اس کے ثبوت میں علمائے سلف کے بہت سے واقعات ''تذکرہ مصلح الامت حصہ دوم'' کے شروع میں نقل کئے ہیں، اگر چاہیں تو مطالعہ فرمالیں۔

مثال کے طور پر یہ حقیر حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پیش کرتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بعض باتوں پر حضرت محدثؒ کو سخت اعتراض تھا اور اس کا اظہار بھی فرمایا، مگر جب حقیقت منکشف ہوئی اور حق ظاہر ہوا تو فوراً اس سے رجوع فرمایا اور حضرت مجدد صاحبؒ کے کمالات کا برملا اعتراف فرمایا اور تعلقات نہایت شگفتہ ہوگئے، چنانچہ خود اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''اخبار الاخیار'' کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''کتاب اخبار الاخیار تمام شد و بحقیقت تمام آں زماں شود کہ از ذکر جمیل قدوۃ الاخیار، زبدۃ المقربین الابرار قطب الاقطاب جہانیاں مآب، مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی، امام ربانی مجدد الف ثانی احمد سرہندی طرفے بر بندد۔''

یعنی کتاب ''اخبار الاخیار'' مکمل ہوگئی مگر درحقیقت مکمل اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ قطب الاقطاب، مظہر تجلیات، مصدر کائنات نامتناہی، امام ربانی

مجدد الف ثانی احمد سرہندیؒ کا ذکر خیر اس میں شامل نہ ہو۔

غور فرمائیے کہ کس قدر بلند القاب کے ساتھ حضرت مجدد کا ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت مجدد صاحب کی بہت سی کرامات اور الہامات و مبشرات اور آپ کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ارشادات کو درج فرمایا ہے جو یقیناً حضرت مجددؒ کی عظمت و رفعت اور حضرت محدثؒ کی حقانیت وللّٰہیت پر دال ہے، جو ہم سب منتسبین کے لئے آخرت کی سعادت اور فوز و کامرانی کے مژدۂ جانفزا اور بشارت عظمیٰ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔ آمین (مرتب)

تصوف وصوفیہ: آپ کے اندر تصوف وصوفیہ کے سلسلہ میں اعتدال تھا، چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب میں اس کی وضاحت فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تصوف صرف وہ ہے جو موافق کتاب وسنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو باقی سب گمراہی ہے، مشائخ کا تصوف ایسا ہی تھا، جو لوگ کتاب وسنت پر عامل نہیں وہ صوفی نہیں، ان کو ''حشویہ یا باطنیہ'' کہنا چاہئے، حقیقی صوفیہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۳۱)

حضرت شیخ اکبرؒ کے متعلق رائے: شیخ محی الدین ابن عربی کے بارے میں بھی آپ نے راہِ اعتدال اختیار فرمائی، چنانچہ اپنے شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی طرح وہ کہتے تھے کہ ''شیخ اکبر کی تصانیف میں زہر بھی ہے اور قند بھی، جو ان دونوں میں تمیز کر سکے وہ انکی تصانیف ضرور پڑھے۔'' (حیات شیخ: ۲۹۶)

ف: سبحان اللہ! کس قدر معتدل فیصلہ ہے جو آپ کی حق شناسی اور حقیقت آگاہی پر بین ثبوت ہے۔ (مرتب)

ارشادات

اپنے ایک مکتوب میں شیخ فرید بخاری کو جو دَورِ مغلیہ کے مشہور اکابر واعیانِ سلطنت میں سے تھے ارقام فرمارہے ہیں کہ (۱) طلب صادق پیدا کرو۔ (۲) پاداشِ عمل کا خیال رکھو۔ (۳) ظاہر و باطن میں امتزاج پیدا کرو۔ اور خود آپ نے طلب صادق کی یوں وضاحت فرمائی:

طلب برجان طالب چناں غالب	طلب، طالب کی ذات پر اس طرح مستولی
آید واستیلاء یابد کہ ہیچ مقصودے	وغالب آجاتی ہے کہ کوئی بھی مقصود وآرزو اس
وہیچ آرزوئے ازاں مانع نیاید،	کے مطلوب تک پہونچنے سے مانع نہیں
وغلبۂ شوق و تعطش باآں سرحد رسد	ہوسکتی اور شوق وتڑپ اس حد تک پہونچ جاتی
کہ اگر عُقلا ئے عالم حکم کنند کہ	ہے کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء مل کر یہ کہیں کہ
وصول بدیں مطلوب محال ست	اس مطلوب تک رسائی محال ہے اور اس
وحصول ایں مقصود متعذر، ایں	مقصود کا حاصل ہونا بہت دُشوار ہے تاہم یہ
سخن درگوش اصلا راہ نیابد۔	بات اس کے کانوں تک راہ نہیں پاسکتی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بیکار بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے، جو کرسکتے ہو کرو، یہ خیال نہ کرو کہ یہ چھوٹا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا اجر مقرر فرمایا ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ (حیات شیخ: ۲۳۴)

بزرگوں کے کلام کا فیض واثر: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اپنے رسالہ ''فوائد الصحبۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص بزرگوں کی صحبت کی دولت سے محروم ہو اس کو چاہئے کہ وہ ان حضرات کے حالات وملفوظات ان کے قصص وحکایات کا مطالعہ کرے کیونکہ ان حضرات کا کلام بھی تاثیر میں ان کی صحبت کا درجہ رکھتا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں:

بعد از حرمانِ دولتِ صحبت کاملاں ومشاہدہ جمال عارفاں استماع اخبار وتتبع آثار ایشاں در ہمت فرمائی وظلمت زدائی ہماں تاثیر دارد کہ صحبت ومجالست، بلکہ ایں نیز نوعے از صحبت است کہ جمال وقت در روے، از غبار کدورت بشری وحجاب صورت عنصری مصفّٰی است وصفائے حسن عقیدت از مشاہدہ عادیات واطلاع برزلات منزہ ومعرّا۔ (اخبار الاخیار:۶)

اور کاملین کی صحبت کی دولت اور عارفین کی زیارت کی نعمت سے محروم ہونے کی حالت میں ان حضرات کے اقوال وحکایات کا سننا اور ان کے حالات کا تتبع کرنا بھی سالک کی ہمت کو بڑھانے اور اس کے طلب سے ظلمت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتا ہے جو ان کی صحبت اور ہم نشینی رکھتی ہے بلکہ یہ بھی ایک قسم کی صحبت ہی ہے، (وہ بھی ایسی کہ) وقت اور شکل کا جمال، بشری کدورتوں کے غبار اور صورت عنصری کے حجاب سے بالکل صاف ہوتا ہے اور حسن عقیدت کی صفائی طبعی امور کے مشاہدہ نیز ان کی لغزشوں پر اطلاع پانے سے منزہ ہوتی ہے۔

یعنی جسمانی مصاحبت میں تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالک کے لئے کسی بزرگ کی بشریت اور اس کی انسانی کمزوریاں حصول فیض کے لئے اس طالب کے حق میں حجاب بن سکتی ہیں، یا بعض طبعی امور یا ان کی کوئی لغزش دیکھ کر

سالک کی عقیدت میں تغیّر ہوسکتا ہے لیکن ان کے حالات اور قصص میں تو صرف ان کے جمال وکمال ہی کا پہلو ہوگا، لہذا اس کا نافع ہونا اور احتمال ضرر سے خالی ہونا ظاہر ہے۔

دیکھئے! اس میں تصریح ہے کہ بزرگوں کے حالات اور ان کے مقالات کا سننا اور دیکھنا بھی گویا ان کی صحبت ہی میں بیٹھنا ہے اور تاثیر کی رو سے صحبت کا نعم البدل ہے۔ (فوائد الصحبۃ)

روحانی سلسلہ: اوّلاً آپ نے اپنے والد ماجد سے کسب فیض فرمایا اور روحانی تعلیم وتربیت حاصل کی، پھر سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت سید موسیٰ گیلانی قادریؒ سے ۹۸۵ھ میں وابستہ ہوئے اور انہوں نے خلافت سے نوازا، اسکے بعد ۹۹۶ھ میں حجاز مقدس تشریف لے گئے تو شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے بیعت کی اور استفاضہ کی۔ اور شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے بھی چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ، مدنیہ چاروں سلسلہ کی خلافت عنایت فرمائی، اور شیخ نے باصرار آپ کو والدہ اور بیوی بچوں کے ادائے حقوق کے لئے ہندوستان کا امر فرمایا، پس جب عازمِ سفر ہوگئے تو آپ کو رخصت کرتے وقت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا پیراہن مبارک عطا فرمایا اور ہدایت کی کہ "بیکار نباشید واز یں جا امداد انوار انشاء اللہ متوالی خواہد بود"۔ یعنی بیکار نہ رہنا یہاں سے انشاء اللہ انوار برابر پہنچتے رہیں گے، نیز اوراد و وظائف کی اجازت مرحمت فرمائی اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ذہن نشین فرمائی کہ دعوت واصلاح بھی روحانی ترقی کا ایک ذریعہ ہے، چنانچہ محدث دہلویؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: کہ "جس وقت حضرت قطب الوقت شیخ عبدالوہاب متقی قدس سرہٗ نے اس

فقیر کو اذکار دعوات و احصاء مشائخ سے مشرف فرمایا تو فقیر نے پوچھا کہ کیا دعوت بھی قربت حق تعالی کا ذریعہ ہے! فرمایا: کیوں نہیں؟ پھر شیخ عبدالوہابؒ نے دعوت و اصلاح کے کام کی نوعیت بتائی اور سمجھایا کہ لوگوں کی جفاو قفا (ظلم و ستم) کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے ہی میں روحانی ترقی کا راز ہے۔ انسان کو چاہئے کہ مشکلات میں صبر سے کام لے، ماحول ناسازگار ہو تو بد دل نہ ہو جائے، صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرے اور دعوت و اصلاح کے کام میں سرگرم رہے۔ فرماتے ہیں:

''بآزار مردم صبر شرط است و جنبیدن و وطن گذاشتن و ہجرت نمودن نیامدہ است، دل قوی باید داشت''۔

یعنی آدمیوں کی آزار رسانی پر صبر کرنا چاہئے، جگہ سے ہٹنا اور وطن چھوڑ کر ہجرت کرنا کہیں نہیں آیا ہے۔ دل کو قوی رکھنا چاہئے۔ (حیات شیخ محدثؒ: ص ۱۳۶)

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں : رسالہ ''وصیت'' میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: جب حجاز سے ہندوستان آیا تو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، اُنہ تک طریقہ خواجگان کی مشق کی، اور ذکر، مراقبہ، رابطہ، حضور اور یاد داشت کی تعلیم حاصل کی،، چنانچہ آپ نے خواجہ باقی باللہ کے دامن تربیت میں وابستہ ہو کر بہت کچھ حاصل کیا، حضرت خواجہ کو بھی آپ سے بڑی محبت اور خصوصیت تھی۔

خلافت : شیخ محدث کو مندرجہ ذیل سلاسل کی خلافت ملی تھی، قادریہ، چشتیہ، شاذلیہ، مدنیہ، نقشبندیہ لیکن ان کا قلبی اور حقیقی تعلق قادریہ سے تھا، چنانچہ اپنے نام

کے ساتھ صرف قادریہ سلسلہ سے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں۔عبدالحق ابن سیف الدین الدہلوی وطناً، البخاری اصلاً، الترکی نسباً، الحنفی مذہباً، الصوفی مشرباً، القادری طریقۃً۔(ص:۱۴۳)

تصنیفات : اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح بزبان فارسی، مدارج النبوۃ، آداب الصالحین، اخبار الاخیار، جذب القلوب الی دیارالمحبوب، لمعات التنقیح (۱) شرح مشکوٰۃ المصابیح بزبان عربی، الاکمال فی اسماء الرجال، ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ، رسالہ اقسام الحدیث وغیرہ، ان کے علاوہ بھی بہت سی تصانیف ہیں۔

شیخ محدث کا وصال : ۲۱؍ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے ۹۴ سال تک فضائے ہندوستان کو منور کیا غروب ہوگیا۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون -

اور آپ کے جسدِ خاکی کو دہلی میں حوض شمسی کے کنارے سپرد خاک کیا گیا۔رحمہم اللہ تعالی۔

آپ کی تاریخ ولادت "شیخ اولیاء" (۹۵۸ھ) اور تاریخ رحلت "فخر عالم" (۱۰۵۲ھ) ہے۔

(حیات شیخ محدث:۱۵۰)

---

(۱) لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح نایاب تھی، الحمدللہ عزیزم مولانا تسلیم الدین سلمہ پلاموبہار تحقیق وتعلیق کے ساتھ طبع کرارہے ہیں۔ ماشاء اللہ دوجلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق دے۔آمین (مرتب)

حضرت شیخ نور الحق دہلویؒ المتوفی ۱۰۷۳ھ

نام ونسب: نام نور الحق، کنیت ابو السعادات اور لقب جمال، والد کا نام شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہے۔ان کا خاندان بخارا (ترکستان) سے دہلی آیا تھا، اس لیے ترکی، بخاری، اور دہلوی کی نسبتوں سے مشہور ہوئے، شیخ نور الحق شاعر بھی تھے، اور "مشرقی" تخلص کرتے تھے، اس لیے اس نسبت سے بھی مشہور ہیں۔

ولادت وتعلیم: ان کی ولادت سنہ ۹۸۳ھ میں دہلی میں ہوئی، انہوں نے ساری تعلیم از ابتداء تا انتہا اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور حدیث کی سند بھی انہیں سے لی۔

(آثار الکرام: ج ۱/ص ۲۰۲، نزہۃ الخواطر: ج ۵/ص ۴۲۲)

درس وتدریس: آپ اپنے والد ماجدؒ کے رحلت فرمانے کے بعد مدرسہ کے صدر نشین ہو کر عرصۂ دراز تک لوگوں کو مستفید فرماتے رہے۔

جامعیت اور علمی کمالات: شیخ نور الحق اپنے والد ماجد کی طرح علم وفضل میں یکتا اور ان کے دینی وعلمی کمالات کے وارث وجانشین تھے، آزاد بلگرامی کا بیان ہے کہ "یہ یگانہ روزگار حضرت شیخ کے خلف الصدق، ان کے شاگرد اور ان کے صوری ومعنوی کمالات کے وارث تھے"۔

خود ان کے والد بزرگوار کو بھی ان کے علم وفضل کی بنا پر ان سے بڑا انس تھا، اور انہیں اپنا خلیفہ وجانشین کہتے تھے، اپنے رسالہ وصیت میں ان کے بارے میں

اس کی تلقین فرماتے ہیں کہ:

”فرزند اُیز نورالحق کو فقیر کا خلیفہ و جانشین سمجھا جائے اور ان کے ساتھ تعظیم وتقدیم سے پیش آیا جائے“۔

وہ حدیث وفقہ میں یگانہ اور بلند پایہ مورخ ہونے کے علاوہ دوسرے فنون میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے تھے، صاحب طبقات شاہجہانی نے انہیں ”جامع علوم متداول“ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

”شیخ نورالحق مخدوم الانام شیخ عبدالحق دہلوی کے فرزند رشید ہیں، ان کو صوری ومعنوی علوم سے بہرہ وافر ملا ہے، وہ اپنے پدر بزرگوار کے منظور نظر اور مقبول ہیں، ان کی نظر کی برکتوں کی وجہ سے فضل ودانش کے اعلی مرتبہ پر فائز اور خاص وعام ہر طبقہ میں مقبول ہیں۔

زہد وتقوی: علم کی طرح عمل کے جامع، ورع وتقویٰ میں ممتاز اور پاکیزہ خو تھے، سرکاری عہدے پر فائز ہونے کے باوجود اس کی خرابیوں سے محفوظ اور قابل ستائش سیرت کے مالک تھے، ان کے والد بھی ان کی سیرت کی پاکیزگی وطہارت اور صلاح وتقویٰ کے معترف تھے، اور انہیں اپنی نجات کا وسیلہ خیال کرتے تھے، فرماتے تھے کہ!

”مجھ سے کوئی ایسا عمل نہیں ہوا جو عاقبت میں میری نجات کا سبب وواسطہ بنے، سوائے اس فرزند مسعود کے وجود کے کیونکہ لڑکا باپ کے اعمال خیر میں شمار ہوتا ہے“۔

ف: اللہ تعالیٰ ایسی سعادت مند باکمال اولاد سے ہر ایک باپ کو نوازے جو دنیا

میں نور چشم اور سرور قلب کا سبب ہو، مگر افسوس کہ ایسی اولاد کبریت احمر سے کم نہیں (یعنی نادر وکمیاب) ہیں۔ (مرتب)

سلوک ومعرفت: شیخ نور الحق کا درجہ سلوک و عرفان میں بھی اونچا تھا، اپنے والد سے بیعت تھے، ان سے خلافت بھی پائی تھی، علم کی طرح تصوف ومعرفت میں بھی ان کی جانشینی کی، سرکاری عہدہ سے سبکدوش ہو کر گو ہمہ تن حدیث کے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے تھے، مگر اسی کے ساتھ ارشاد وہدایت کا کام بھی انجام دیتے تھے۔

تصوف سے اشتغال کی بنا پر وہ صوفیوں اور درویشوں کے بارے میں حسنِ ظن اور اچھا اعتقاد رکھتے تھے، صاحب طبقات شاہجہانی کا بیان ہے:

"درویشوں اور عارفوں کے بارے میں صاف عقیدہ رکھتے تھے خصوصاً عارفوں اور خدا شناسوں کے نمونہ خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندیؒ سے انہیں بڑا اخلاص تھا، اور حضرت خواجہ بھی ان کے ساتھ بڑا اعتناء وتوجہ فرماتے تھے۔

تصانیف: مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم نے "تذکرۃ المحدثین" میں پندرہ تصانیف کا تذکرہ کیا ہے مثلاً تفسیر سورۃ الفاتحہ، حاشیہ علی شرح الجامی، زبدۃ التواریخ وغیرہ۔

وفات: نوّے برس کی عمر میں ۹/شوال ۱۰۷۳ھ کو انتقال کیا "فیض العلم" سے تاریخ وفات نکلتی ہے، بعض تذکروں میں ۱۰۸۳ھ لکھا ہوا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، اپنے والد کے مقبرے میں ان کے جوار میں دہلی میں دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۲۷)

حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی المتوفی ۱۰۰۷ھ

مرتبہ: حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب سیوانی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بصیرت افروز تمہید: ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ۷۱۲ء سے لے کر اپنے اقتدار کی بے دخلی کے آخری لمحات ۱۸۵۷ء تک اسلام اور مسلمانوں کو مزاحمتوں کی مختلف شکلوں سے گزرنا پڑا، رسم ورواج، جوگ ٹوک، تنسک اور مردم بیزاری، بندگی اور عبودیت، کھلی وثنیت، رہن سہن، تہذیب وثقافت، غرض ہر قدم پر اسلام کے تصور انقیاد اور اخلاص نفس نے ان کے مقابلہ میں صف بندی کی اور مورچے جمائے، چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنے عروج کے کسی دور میں ایسی سخت جان قوم اور اساطیر پرست دیانت سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور نہ کبھی کسی اور جگہ دوئی میں فلسفیانہ وحدت کی انہیں بو ملی تھی، اس لئے سرزمین ہند کے باسیوں کے ساتھ خیال وفکر کی اور مذہب ودیانت کی سطح پر افہام وتلقین بڑا جاں گسل کام رہا، نتیجۃً مادر ہند کی گود میں پرورش پانے والے نونہالوں کو خالص وحدانیت کی ڈگر پر ڈالنا کچھ آسان کام نہ تھا، اس لئے اسلام کے کچھ قدسی نفوس نے ہر طرح کے جتن کئے اور یہاں کے بسنے والوں میں ان کی انسانیت کے احساس کو آہستہ آہستہ جگایا، یہ حقیقت ہے کہ ویدانت کے فلسفیانہ توجیہات کے پردہ میں تصور ''الٰہ'' اس طرح روپوش ہوتا نظر آیا کہ اس کی رو کشائی عملاً نہ کی جاتی تو ''وثنیت'' کا پردہ چاک نہ ہوتا، کیوں کہ قرآنی تصور ''الٰہ'' عمل سے ظاہر ہوا ہے نہ کہ کسی خارجی فلسفی اور منطقی

استدلال سے، ان جملہ مزاحمتوں میں اسلامی تاریخ ہند دو اہم موڑ سے گزری، جہاں سے اسلامی افکار و خیالات اور اعمال و وظائف کی تجدید ہوئی، دوئی میں وحدت کا رنگ دیکھنے والوں کے لئے دام ہم رنگ زمین بڑا جاذب نظر ملا اور اس کے پھندوں میں چند جبہ و دستار میں ملبوس علم و فضل کے دعویدار کچھ اس طرح پڑے کہ اوروں کو بھی یہی سبز باغ دکھانے لگے، یہ اکبری دور تھا۔

یہ ہو رہا تھا مگر چند قدسی نفوس ان اہم خطرات کو جو ''وثنیت'' کے برسر پیکار ہونے کی وجہ سے پیش آسکتے اور پیش آئے بھی، فراستِ مؤمن کی بدولت قبل از وقت دیکھ کر اور فضا کی سمیت کو محسوس کر کے بڑی توجہ کے ساتھ دفعیہ کی شکلوں میں لگ گئے، وہ دو فاروقی خانوادے تھے، اول شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی کا ممتاز خانوادہ سلک گہر تھا اور دوسرا شیخ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ کا سلسلۃ الذہب گھرانا، جہاں تاریخ کی گوناگوں دل نوازیاں ہیں وہیں یہ ستم ظریفی بھی ہے کہ اصل پر کبھی کبھی اس طرح سایہ فگن ہوئی ہے کہ شاخہائے بارآور، سرسبز و شاداب تو نظر آتی ہیں ؛ مگر اصل کی ''اصلیت'' اور اس کی اہمیت عوام کے سامنے اور کبھی خواص کی نظروں میں پورے طور پر اجاگر نہیں ہوتیں، ہندوستان کی اصلاحی تجدیدی اور علمی تاریخ کی واضح مثالوں میں حضرت مجدد احمد ابن مخدوم شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی اور شاہ ولی اللہ ابن شیخ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ کی شخصیتیں ہیں، ایسا نہیں کہ احیائے اسلام اور تجدید دین کے تاریخ نویسوں کی نظروں سے ان کے والدین مخدوم شیخ عبدالاحد سرہندیؒ اور شیخ عبدالرحیم کے حالات وکوائف اور علمی و اصلاحی کمالات مخفی رہے ہوں، اس لئے انہوں نے

پوری توجہ نہ دی ہو، یہ حقیقت ہے کہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بڑے باپ کے بیٹے تھے اور ان کے مہر و ماہ بننے میں ان کے والدین کی تعلیم و تربیت، جاں سوزی اور جان کاہی کو بڑا دخل ہے، یہ شرک و بدعت کی گھٹاؤں کو کافور کرنے میں اور ظلم و زیادتی کے خلاف سپر آزما ہونے میں جس تن دہی، اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ لگے رہے اور اپنی اور اپنی اولاد کے نشو نما میں جیسی دلچسپی لی اور ان کے کام کا جو رخ متعین کیا وہ ان مجددین اور مصلحین کے کارناموں کی پہلی کڑیاں ہیں، جن مخالف ہواؤں میں ان کی اولاد و احفاد نے چراغ سے چراغ جلانے کا باہمت کام انجام دیا، اگر ان سے تاریخی ربط قائم نہ رہے؛ تو ان کی علمی، دینی تجدیدی، سیاسی، معاشرتی اور فکری دھاروں کو سمجھنے میں پوری کامیابی ایک اسلامی مؤرخ کو حاصل نہ ہو سکے گی، مؤرخین نے ان کے ذکر جمیل کو قلم بند کرتے وقت ان کے والدین کے حالات کو ضرور لکھا ہے؛ مگر ان کے فرزندان والا تبار کے کارناموں کو پیش کرتے وقت ان کی اہمیت کا پورا حق ادا نہ ہو سکا کہ کن تابناک اور روشن چراغوں سے یہ چراغ جلائے گئے اور ان کے ابوین کریمین کا کیا کردار ان کی شخصیتوں کو اجاگر کرنے اور مقتدٰی و مہتدی بنانے میں رہا؟ کس طرح باد مخالف کے تھپیڑوں میں بھی فروزاں تر رہے، جن کے اصلاً یہ مستحق تھے، "الولد سر لابیه" (بیٹا باپ کا راز سربستہ ہوتا ہے) کی مثل کو صادق کر دکھلایا، ان کے جملہ کارہائے نمایاں میں ان کے والدین قدسی صفات کی کوششوں، تربیت کے اصولوں، آہ سحر گاہیوں نیز شب زندہ داریوں کے نقش پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں، ان کی دور بینی، پیش بینی اور کردار

سازی نے مہرِ ہدایت کو عالم تاب بنا کر دکھلا دیا کہ ظلمتوں کے مہیب گرداب میں کس طرح اسلام کی تعلیمات کو درخشاں رکھا جا سکتا ہے اور کس طرح اقتدار اور بالادستی کے ماتحت اسلام اور انسانیت کی آبرو کی پوری پوری حفاظت کی جا سکتی ہے، اسی نقطۂ نظر سے مخدوم شیخ عبدالاحدؒ کو بھی دیکھئے، جن کی شاخ برآور سے اسلامیان ہندو بیرون ہند کو طراوت ملی اور دور ونزدیک کی ظلمتیں کافور ہوئیں۔

وطن اور ولادت باسعادت: آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ مدینہ شریف سے چل کر شہر کابل میں آکر سکونت اختیار کی، وہی سلسلۂ رشد وہدایت رہا ہوگا، پھر وہاں سے مزید پورب ہندوستان کی طرف کوئی بزرگ متوجہ ہوئے اور پنجاب کے مقام سرہند کو جائے قیام کے لئے پسند فرمایا اور طرح اقامت ڈال دی، حضرت مخدوم عبدالاحدؒ کی پیدائش ۹۲۷ھ میں اسی مقام پر ہوئی، ان کے اولاد واحفاد کے جلیل القدر افراد مدت دراز تک یہیں مقیم رہے، مخدوم حضرت شیخ عبدالاحدؒ سرہندی فاروقی کے آباواجداد کرام میں بڑے بڑے علماء اور فقراء گذرے ہیں، خود یہ بہت بڑے مرشد اور عالم تھے اور سلسلۂ قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کی نسبتوں سے سرفراز رہے تھے، علوم متداولہ کا درس کمالِ مہارت سے شاگردوں کو دیا کرتے تھے، تصوف کی بعض کتابوں کی تدریس میں اختصاص حاصل تھا اور شاگردان علم وفن ان کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرتے تھے، چنانچہ آپ کے نامور فرزندوں میں سے حضرت احمد فاروقیؒ نے اپنی مہارت فن سے فائدہ اٹھایا اور ظاہری وباطنی علوم وسلوک کے لئے زمین ہموار کی اور آپ کی بلند حوصلگی اور کفر وشرک کے خلاف زور آزمائی کو قائم رکھتے

ہوئے ایسی پیش رفت کی جو بعد میں مردان کار کے لئے مثالی نمونے ثابت ہوئے اور حوصلہ مند کاروانِ حق اس راہ پر گامزن ہوئے، یہ نمونے آج بھی قابل عمل اور حق وصداقت کے جویاں کے لئے موجب تقلید ہیں۔

سرہند اس وقت ایک بڑا شہر تھا، عام تلفظ میں سہرند رائج تھا، جیسا کہ مختلف تذکروں میں دونوں املاء ملتا ہے، بعد میں عوام سرہند کہنے لگی، میر غلام علی آزاد نے یہ تشریح کی ہے:

''نام قدیمش سہرندست، چوں سلاطین غزنویہ از غزنی تا سہرند متصرف بودند، سرہند زبان زد خلائق شد'' سرو آزاد: ۱۲۸۔

اس کا پرانا نام سہرند ہے، غزنوی سلاطین غزنی سے سہرند تک قابض رہے، اس لئے سرہند عام زبان پر رائج ہوگیا، یہ شہر مشرقی پنجاب کی قدیم ریاست پٹیالہ کا ایک قصبہ ہے، اس کے کھنڈرات اور آثار کو دیکھ کر اس کی عظمتوں کا اب بھی پورا پورا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تحصیل علم وفضل: حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے شروع جوانی کے اندر ظاہری رائج علوم وفنون اپنے مقتدر اساتذہ سے حاصل کئے، پھر وقت کے ایک بہت بڑے بزرگ حضرت شیخ عبد القدوس چشتیؒ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہو کر روحانی اور باطنی سلوک کے علم ونظر سے سرفراز ہوئے، آپ کو اپنے آباء واجداد سے خلافت سہروردیہ حاصل تھی اور سلسلہ قادریہ میں بھی درک حاصل تھا، پھر بھی سلوک چشتیہ کے لئے شیخ گنگوہیؒ کے آستانے پر حاضر ہوکر خانقاہ سے منسلک ہوئے، زمانے کے نصاب درس کے لحاظ سے ظاہری علوم کی تکمیل میں

چند کتابیں باقی رہ گئی تھیں، شیخ گنگوہی کے حکم سے وہ بھی درس میں آگئیں، گنگوہ سے جدائی کے وقت حضرت مخدومؒ نے اپنے پیر روشن ضمیر سے عرض کیا تھا کہ اگر کبرسنی کی وجہ سے آپ کی زندگی نے وفانہ کی تو میں کس طرف تکمیل حال کے لئے رجوع کروں گا، شیخ نے اپنے خلیفہ اور قائم مقام فرزند قطب وقت شیخ رکن الدین گنگوہیؒ کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ مخدوم عبدالاحدؒ بقیہ چند کتابوں کا درس لے کر حضرت شیخ رکن الدین گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلوک باطنی کے مقامات کی تکمیل وتحصیل کی۔ (روضۃ القیومیہ:۲۹)

مخدوم عبدالاحدؒ نے شاہ کمال کیتھلی (المتوفی ۹۷۱ھ) سے بھی باطنی فیوض وبرکات حاصل کئے اور سلسلۂ قادریہ میں ان کے توسط سے داخل ہوئے، شاہ کمال کیتھلی [۱] اور اس سلسلۂ رشد وہدایت کے متعلق ان کے نام ور فرزند درِشہوار (شاہی موتی) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے کشف کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جب طریقۂ قادریہ کے حالات کا کشف ہوتا ہے تو شاہ کمالؒ جیسا صاحب دل کوئی نظر نہیں آیا۔'' (روضۃ القیومیہ ۶۹)

حضرت مجدد صاحبؒ اپنے والد مخدوم شیخ عبدالاحدؒ کے متعلق اپنے کسب کمال کے بارے میں جہاں فردیت کا ذکر کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

''نسبت فردیت مجھے اپنے والد بزرگوار اور انہیں ایک مرد خدا، صاحب جذب سے حاصل ہوئی، جو عظیم خوارق کے سبب مشہور ہیں۔'' (حوالہ سابق:۳۰)

---

(۱) شاہ کمال کیتھلیؒ کے متعلق مختصر نوٹ سبحۃ المرجان طبع جدید ۱۲۶ میں درج ہے۔

یہاں اس ''مردِ خدا'' سے مراد شاہ کمال کیتھلی مذکور ہیں، اپنی نسبت فردیت اور تزکیہ واحسان میں کسب کمال کی تحصیل کا ذکر کرکے حضرت مجدد صاحبؒ نے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے کہ حق گوئی اور حق شناسی وراثۃً ملی ہے اور مداہنت فی الدین انہیں اپنے والد بزرگوار کی طرح کسی حال میں گوارا نہیں۔

حضرت مخدوم عبد الاحد سرہندیؒ [1] نے رشد و ہدایت کی خاطر دور دراز کا سفر کیا تھا، چنانچہ کابل سے لے کر بنگالہ تک کی سیر وسیاحت کی اور جہاں کہیں بھی استفادہ اور افادہ کا موقع ملا، اس کو غنیمت جان کر علمی اور روحانی فوائد حاصل کئے اور فیض پہونچایا، صاحب روضۃ القیومیہ جو حضرت کے احفاد میں سے ایک شخص خواجہ کمال الدین محمد احسان نامی ہیں، وہ لکھتے ہیں: شہر رہتاس میں ایک نہایت عمر رسیدہ مردِ خدا رہا کرتے تھے، جن کا فیض عام تھا، حضرت مخدومؒ نے کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر فوائد حاصل کئے، اسی طرح جونپور میں ایک شخص سید علی قوام صاحب حال وقال بزرگ تھے، ان پر سکر اور وجد کی کیفیت طاری رہتی تھی اور صاحب سماع بھی تھے، ان کا سلسلہ چشتیہ تین واسطوں سے شیخ نصیر الدین محمود چراغؒ اودھی دہلوی (المتوفی: ۷۵۷ھ) سے ملتا تھا، ان کی خدمت بابرکت میں رہ کر کسب فیض کیا اور روحانی فائدے اٹھائے۔

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کے مسائل میں

---

(۱) حضرت مخدوم عبد الاحد فاروقی سرہندیؒ کے حالات ''زبدۃ المقامات''، ''برکات احمدیہ'' اور شیخ بدر الدین صاحب کی کتاب ''حضرات القدس'' وغیرہ میں ملتے ہیں؛ نیز ان کتابوں میں مخدوم سرہندیؒ اور شاہ کمال کیتھلی کی ملاقات، افادہ اور استفادہ وغیرہ کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔

مخدوم سرہندیؒ کو کسی قدر غلو تھا؛ لیکن کبھی بھی غیر شرعی حرکات وسکنات جو خلاف سنت ہوں گوارا نہ تھے، آپ کو خلاف شرع اعمال وحرکات سے قطعاً پرہیز تھا، چنانچہ مخدوم شیخ عبدالاحد سرہندیؒ نے بنگالہ میں شیخ برہانؒ سے ملاقات کی؛ مگر ان کے بعض اعمال خلاف شرع نظر آئے، اس لئے ان کی صحبت سے پرہیز کیا اور اشارہ کر کے آگے بڑھ گئے۔ (روضۃ القیومیہ:۱ ۳)

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت مخدوم شیخ عبدالاحدؒ کا صوفیانہ مشرب وحدت وجود کا تھا اور اس مقام کے سخت مغلوب الحال تھے، لیکن کتاب وسنت سے انحراف اور ان کے اوامر ونواہی سے تجاوز زندگی کے معمولات میں قطعاً نہیں تھا، جس شخص کے متعلق سنتے کہ وہ خلاف شرع مبین ذرا بھی عمل پیرا ہے، تو اس کے ولی ہونے کا اعتبار نہ کرتے، آپ نے بکثرت لوگوں کو رشد وہدایت کی راہ پر لگایا اور ہزارہا انسان آپ کی تعلیمات سے آپ کی خدمت میں رہ کر مستفید ہوئے، تقریباً ہر وقت آپ کی خانقاہ میں سیکڑوں آدمیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ روضۃ القیومیہ:۳۲

حضرت مخدومؒ کے متعلق ان کے نامور فرزند مجدد شیخ احمد سرہندیؒ نے مکتوبات کی پہلی جلد میں لکھا ہے:

”ہمارے والد بزرگوار کی خدمت میں بہت سے لوگ آیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم نے آپ کو مکہ معظّمہ میں دیکھا ہے، کوئی کہتا کہ بغداد میں اور اپنی آشنائی جتاتے؛ لیکن والد صاحب فرماتے کہ یارو! میں تو کبھی اپنی جگہ سے باہر نہیں نکلا۔“

اسی طرح کی باتیں کئی اور دوسرے بزرگوں کے متعلق بھی کہی اور سنی گئی ہیں، اس طرح کا اشتباہ لوگوں کی نظروں کا سہو ہوسکتا ہے، بعض صفات کے

اشتراک اور محسوسات وملبوسات کی مجانست سے کبھی کبھار دیکھنے والوں کو دھوکا ہوسکتا ہے، جس کو عقیدت نے مجسم بنا دیا اور اس کے تہہ سے چند در چند ایمانی خرابیوں نے جنم لیا اور کرامات کے پس پردہ خوارق عادات کی لمبی فہرست تیار ہونے لگی، اس کا سد باب حضرت مخدومؒ نے ''یارو'' سے خطاب کر کے لطیف انداز میں کر دیا تا کہ کشف وکرامات کا سلسلہ شرعی حدود کے اندر سے تجاوز نہ کرے، اس واقعہ سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ جناب مخدوم شیخ عبدالاحد سرہندیؒ سے لوگوں کو بڑی عقیدت تھی، جس کی بناء پر انہیں ان کی شخصیت کے متعلق ایسا گمان ہوا، پھر کشف وکرامت کی کوئی حقیقت مسلم ہوسکتی ہے، تو وہ دائرہ شریعت میں رہ کر ورنہ نہیں۔

حضرت مخدومنا عبدالاحدؒ نے سلسلۂ چشتیہ قادریہ اور سہروردیہ کی جو نسبتیں خاندانی طور پر اور دیگر صوفیائے کاملین سے حاصل کی تھیں، ان کو اپنے فرزند ارجمند، بعد کے ہونے والے ''مجدد الف ثانی'' کو القاء فرمائیں اور اپنی خانقاہ کی خلافت بھی عطا فرمائی، یہی وہ نقش اولین تھا؛ جو خواجہ شیخ احمدؒ بن شیخ عبدالاحدؒ سرہندیؒ کے قلب پر ایسا ثبت ہوا کہ جس نے اکبری دور کے پھیلائے ہوئے کفر وشرک اور فسق وفجور کی ظلمتوں کا پردہ چاک کرنے میں مجددانہ کردار ادا کیا، جہاں گیر بالآخر عقیدت مند ہوا اور عوام ہوش مند ہوئی، تجدید دین کا کام اس نہج سے پھیلنے لگا کہ رام ورحیم کا فرق اب وحدت پرست نگاہوں کے سامنے مشتبہ نہیں رہا، وہ جملہ کثافتیں ایک ایک کر کے دور ہوئیں؛ جو عقیدت وعبادت میں خواہی نہ خواہی سرایت کرنے لگی تھیں اور اسلام کی شعاعیں پھر سے درخشاں اور تاباں ہوئیں کہ کفر وشرک کی گھٹائیں بہر حال چھٹنے لگی تھیں، ہند وبیرونِ ہند اسلام کی تابناک شعاعیں پھیلیں۔

حضرت مخدوم شیخ عبد الاحدؒ کے سات فرزند تھے، جن میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ مجھلے ہیں، گویا تین بھائی آپ سے بڑے اور تین چھوٹے، سب عالم وفاضل اور ولی اللہ تھے، ان کی منزلت اور دینی قدر کا ایک عالم قائل تھا، حضرت باقی باللہؒ (۱۰۱۲ھ) جیسا ولیٔ کامل اور ہم عصر نے اس کی تصدیق وتوثیق کی ہے، ''کلمات طیبات'' میں جو حضرت کے مکتوبات کا مجموعہ ہے اور مطبع مجتبائی، دہلی میں چھپا بھی ہے، اپنے مرید اور خلیفہ شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کا ذکر کرکے اپنے ایک مخلص کو لکھتے ہیں:

''عالم ہارا از آں روشن گرداند۔۔۔۔۔۔۔وایں شخص مشارالیہ برادراں واقرباء داردو ہمہ مردم صالح واز طبقۂ علماء اند، چندے را دعا گو ملازمت کردہ از جواہر علویہ دانستہ، استعداد ہائے عجیب دارند''

ترجمہ: شیخ احمد ایک چراغ ہے، جس سے سارا عالم روشن ہوگا، پھر آگے لکھتے ہیں۔۔۔۔شخص مذکور کے کئی بھائی اور رشتہ دار ہیں، سب مردان صالح اور طبقۂ علماء میں سے ہیں، ان میں سے کچھ حضرات کی صحبت میں رہا تو ان کو جواہر علویہ پایا، عجیب استعداد کے مالک ہیں۔

اس خط میں حضرت باقی باللہؒ نے جو پیش گوئی کی ہے، اس میں ان حضرات کی اعلی صلاحیتوں کا واضح اقرار ہے، زمانہ نے ثابت کردیا کہ حضرت مخدوم عبد الاحد سرہندی قدس سرہ کے بعد والے سلسلہ مشائخ نے کس طرح گوناگوں حالات میں چراغوں کو صرف روشن ہی نہیں رکھا؛ بلکہ روشن کرکے اندھیاری گھپ سحر کو توڑا، اور کس طرح ہندوستان کے معرکہ فسق وفجور میں اپنی

ثبات قدمی اور جوان حوصلگی کا ثبوت دیا۔

وفات: حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد سرہندیؒ کا وصال ۲۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۰۰۷ھ کو بمقام سرہند وطن مالوف میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر اسی (۸۰) سال تھی۔

حضرت مخدوم کی تاریخ وصال کسی نے یہ نکالی ہے:

آں شیخ مخدوم کہ بود اعلم اندر زمن　　جانش گہر سر ازل را معدن
چوں شیخ زمانہ بود در علم و عمل　　تاریخ وصالش بگو شیخ زمن (۱۰۰۷ھ)

حضرت مخدوم کے حالات و کوائف کو حضرت مجدد صاحبؒ کے اوصاف و کمالات بیان کرنے والے مصنفین نے اپنی کتابوں میں کہیں مختصراً اور کہیں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، ملا بدرالدین سرہندیؒ نے حضرات القدس میں خواجہ ہاشم نے برکات احمدیہ میں، خواجہ احسانؒ نے روضۃ القیومیہ میں اور ان کے دادا شیخ محمد ہادیؒ نے کوکب دریہ میں مخدوم سرہندیؒ کا ذکر اہتمام سے کیا ہے۔

آپ کی تصانیف میں ان کتابوں کا ذکر اہتمام سے آتا ہے، پہلی کتاب ''کنوز الحقائق'' ہے اور دوسرا رسالہ ''اسرار التشہد'' ان میں اسرار دین سے متعلق گفتگو کی گئی ہے، ان کے علاوہ بھی متفرق رسائل ہیں، حضرت مخدومؒ کے شاگردوں میں شیخ میرک کا نام بھی آتا ہے؛ جو شہزادہ دارا شکوہ کے استاذ تھے۔

ف: غرض حضرت شیخ عبدالاحد سرہندیؒ بھی نہایت زبردست عالم اور باکمال بزرگ تھے؛ جن کی تعلیم و تربیت سے ان کے فرزند ار جمند شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ ہوئے۔ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔ (مرتب)

امام ربّانی مجدد الف ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ المتوفی ۱۰۳۴ھ

آپ کی تعریف میں مشہور شاعر علامہ اقبال نے کیا ہی خوب فرمایا ہے۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(ڈاکٹر علامہ اقبال)

نام ونسب: نام شیخ احمد، لقب مجدد الف ثانی، والد کا نام مخدوم عبدالاحد سرہندی ہے۔آپ کا سلسلۂ نسب ۳۱ واسطوں سے امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، ہندوستان کے اکثر باکمال اور شہرۂ آفاق فاروقی النسب فضلاء و مصلحین، مشائخ واصحاب سلسلہ مثلاً بابا فرید الدین شکر گنجؒ وغیرہ آپ ہی کے سلسلۂ نسب میں ہیں۔(تاریخ دعوت و عزیمت: ج ر ۴، ص ر ۱۲۷)

ولادت وتعلیم: شبِ جمعہ ۱۴ ر شوال ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۳ء کو شہر سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی، شیخ احمد نام رکھا گیا، لفظ "خاشع" سے سن ولادت نکلتا ہے

حضرت مجدد الف ثانی کے حالات وتعلیمات وخصوصیات کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے تاریخ دعوت و عزیمت کی چوتھی جلد میں مفصل کلام فرمایا ہے، جو قابل دید ہے، اس خزینۃ المعارف سے اخذ کر کے کچھ باتیں پیش خدمت ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے اور ناظرین کو فیوض وبرکات سے بہرہ ور فرمائے، آمین، نیز "الخطبۃ الشوقیہ" مؤلفہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ اور "علمائے ہند کا شاندار ماضی" مؤلفہ مولانا سید محمد میاںؒ سے بھی کچھ اقتباسات درج کئے گئے ہیں۔(مرتب)

صغرسنی ہی سے آپ میں رشد وسعادت کے آثار نمایاں تھے۔

بالائے سرش زہوش مندی می تافت ستارۂ بلندی

تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن سے ہوئی اور تھوڑی ہی مدت میں آپ نے اس کی تکمیل کرلی، پھر والد ماجد کی خدمت میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے ذہن خداداد کے جوہر کھلنے لگے، یعنی مضامین کے جلد اخذ کر لینے اور ان کو اپنے الفاظ میں سلجھے طریقہ پر پیش کرنے میں آپ کا امتیاز ظاہر ہوا، بیشتر علوم کی والد بزرگوار سے اور چند کی اپنے عہد کے بعض علمائے کبار سے تحصیل کی، چنانچہ سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت)

تحصیل طریقت: ابتداء آپ نے طریقۂ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی اور اس کا سلوک تمام کیا، پھر طریقۂ قادریہ بھی اخذ کیا، بیعت اور تعلیم طریقہ قادریہ کی اپنے والد سے پائی، خرقۂ خلافت حضرت شاہ سکندر نبیرۂ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ سے حاصل ہوا۔ المختصر سترہ برس کی عمر میں آپ جامع کمالات ظاہری و باطنی بن کر اپنے والد کے سامنے ہی کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تعلیم فرمانے لگے، ان ایّام میں سلسلۂ کبرویہ کے ایک مشہور ولی حضرت مولانا یعقوب صرفیؒ تھے، ان سے آپ نے طریقۂ کبرویہ بھی حاصل کیا۔

بایں ہماں کمالات طریقہ نقشبندیہ کی طلب آپ کے قلب اطہر میں موج زن ہوئی اور طلب بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہونچ گئی اور یہ عشق اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا، یہاں تک کہ ۱۰۰۷ھ میں جب آپ کے والد بزرگوار نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور آپ بارادۂ حج بیت اللہ اپنے وطن مبارک سے روانہ ہوکر دہلی

پہونچے تو مولانا حسن کشمیری ؒ سے ملاقات ہوئی جن سے غالباً پہلے کی شناسائی تھی۔ (الخطبۃ الشوقیہ:۴) انہوں نے دوران گفتگو حضرت خواجہ باقی باللہ ؒ کے علو مرتبہ اور قوت باطنی کا تذکرہ کیا جن کا کچھ ہی عرصہ پہلے دہلی میں ورود ہوا تھا، حضرت مجدد ؒ اپنے والد ماجد سے سلسلۂ نقشبندیہ کا ذکر اور اس کا اشتیاق سن چکے تھے، اس لئے آپ کو بھی ملاقات کا شوق ہوا۔ چنانچہ مولانا حسن کشمیری کی معیت میں وہاں حاضر ہوئے ،حضرت خواجہ گویا آپ کے انتظار میں بیٹھے تھے، بڑی شفقت ومہربانی کے ساتھ پذیرائی فرمائی اور خلاف معمول فرمایا کہ ’’آپ چندروز ہمارے مہمان رہیں، ایک ماہ ایک ہفتہ ہی سہی‘‘۔

حضرت مجدد کے لئے اس ارشاد کے بعد انکار ومعذرت کی کیا گنجائش تھی کہ ان کے اندر خود خضر طریق اور چشمۂ حیواں کی طلب موجود تھی، آپ نے یہ دعوت قبول فرمالی اور رفتہ رفتہ یہ قیام ایک ماہ دو ہفتہ کو منجر (طویل) ہوا۔ اس صحبت میں طریقۂ نقشبندیہ کے اکتساب وتحصیل کا ایسا جذبہ طاری ہوا کہ بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے بلا تامّل قبول فرمالیا اور خلوت میں لیجا کر ذکر قلبی کی تلقین کی اور آپ کی توجہ سے اسی وقت ذکر قلبی جاری ہوگیا اور ایسی حلاوت ولذت محسوس ہوئی جو یومًا فیومًا بلکہ آنًا فانًا ترقی کرتی رہی۔

اس اثنائے قیام میں حضرت مجدد کو جو باطنی کیفیات وترقیات حاصل ہوئیں اور جو مراحل سلوک طے ہوئے ان کا بیان کرنا اور الفاظ کے ذریعہ ان کا سمجھنا سمجھانا ممکن نہیں۔ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پُرسد زباغباں   بُلبُل چہ گفت وگُل چہ شُنید وصبا چہ کرد

چنانچہ پہلی مرتبہ ہی حضرت خواجہؒ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبتِ نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہوگئی اور یومًا فیومًا ترقی ہونے کی امید ہے، اس کے بعد حضرت مجددؒ سرہند تشریف لے گئے، پھر جب دوسری بار دہلی حاضری ہوئی تو خلعت خلافت عطا فرمایا اور طالبانِ خدا کو تعلیم وطریقت اور ارشاد وہدایت کی اجازت دی اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔

حضرت مجددؒ اس کے بعد تیسری اور آخری مرتبہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت خواجہ نے بہت دور باہر نکل کر استقبال کیا اور بڑی بشارتیں دیں، اپنے حلقۂ توجہ میں آپ کو سرِحلقہ بنایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ ”اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے، امید حیات بہت کم ہے اور اپنے دونوں صاجزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ اور حضرت خواجہ عبد اللہ کو جو اس وقت شیر خوار تھے، اپنے سامنے آپ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجئے، چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔

(زبدۃ المقامات: ۱۵۵، دعوت و عزیمت: ج ر ۴، ص ۱۵۰)

حضرت مجددؒ کے علو مرتبہ کی شہادت حضرت خواجہ کی زبان سے

آپ کے علو مرتبہ کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے ایک مخلص کو اس تعلق کے بعد ایک خط میں تحریر فرمایا کہ ”شیخ احمد نے جو سرہند کے باشندہ، کثیر العلم، قوی العمل بزرگ ہیں، فقیر کے ساتھ چند دن نشست و برخاست کی، فقیر کے مشاہدے میں ان کے عجیب کمالات واوصاف آئے، امید ہے کہ وہ ایسا چراغ

بنیں گے جس سے ایک عالم روشن ہو جائے گا، ان کے احوال کاملہ پر میرا یقین استوار ہے" نیز ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ احمد آفتاب ست کہ مثل ماہزاراں ستارگاں در ضمن ایشاں گم اند یعنی شیخ احمد وہ آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔

ف: حضرت مجدد صاحبؒ کے رجوع سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ کی وفات کے بعد جس شیخ سے بھی عقیدت و مناسبت ہو اپنی اصلاح و تربیت کے لئے اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے، خواہ وہ دوسرے ہی سلسلہ کا کیوں نہ ہو، نیز حضرت مجدد صاحب کے علاوہ ہمارے سلسلہ کے دیگر اکابر نے بھی اپنے خلوص وللٰہیت کی بناء پر ایسا فرمایا ہے لہذا ثابت ہوا کہ یہ خلاف طریق تو کیا عین طریق ہے، پس جو شخص اس کے خلاف کا قائل ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یا تو وہ طریق اکابر سے نا آشنا ہے یا بیجا عصبیت کا شکار ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

تجدیدی کارنامہ: سنت و بدعت، شریعت و فلسفہ اور تصوف (اسلامی) اور جوگ کے اس اختلاط کے زمانے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تجدیدی کام شروع ہوا، اس صورت حال کی تصویر کھینچتے ہوئے وہ خود اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت عالم میں بدعات کا اس کثرت سے ظہور ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ظلمات کا دریا امنڈ رہا ہے اور سنت کا نور اس مواج دریا میں اس کے مقابلہ میں اس طرح ٹمٹما رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں کہیں کہیں جگنو اپنی چمک دکھا رہا ہے۔"

"حضرت مجددؒ نے اس نازک دور میں جب کہ ہندوستان میں

مسلمان سلطنت کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی اور خانقاہوں میں سنت کی ناقدری کی جارہی تھی اور صاف صاف کہا جارہا تھا کہ ”شریعت اور طریقت دو الگ الگ کوچے ہیں جن کی راہ ورسم ایک دوسرے سے جدا اور جن کا قانون ایک دوسرے سے الگ ہے۔“

پوری بلند آہنگی سے آواز لگائی کہ طریقت تابع وخادم شریعت ہے، کمالات شریعت احوال ومشاہدات پر مقدم ہیں، ایک حکم شرعی پر عمل ہزار سالہ ریاضت سے زیادہ نافع ہے، اتباع سنت میں خواب نیمروز (قیلولہ) احیائے لیل (شب بیداری) سے افضل ہے، حلّت وحرمت میں صوفیہ کا عمل سند نہیں، کتاب وسنت اور کتب فقہ کی دلیل چاہئے، اہل ضلالت کی ریاضتیں موجب قُرب نہیں باعثِ بُعد ہیں، صور واشکال غیبی داخل لہو ولعب ہیں، تکلیف شرعی کبھی ساقط نہیں ہوتی۔

(تاریخ دعوت و عزیمت: ج ۴، ص ۲۴۵)

مکتوبات گرانمایہ: اب اس کے بعد مکتوبات کے وہ اقتباس پڑھئے جو انہیں حقائق پر مشتمل ہیں:

”شریعت تمام دنیوی واخروی سعادتوں کی ضامن ہے، کوئی مطلوب ایسا نہیں کہ اس کی تکمیل کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی احتیاج واقع ہو، طریقت وحقیقت جو صوفیاء کا مابہ الامتیاز ہے دونوں شریعت کے خادم اور اخلاص کے حصول میں معاون ہیں، اس طرح طریقت وحقیقت کے حصول کا مقصد محض شریعت کو اس کی اصل روح کے

ساتھ عمل میں لانے کا ذریعہ ہے نہ کہ کوئی اور بات جو شریعت کے دائرے سے خارج ہو"۔ (حوالہ بالا: ص/۲۴۶)

ایک دوسرے مکتوب میں نوافل پر فرائض کی تقدیم وترجیح کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جن اعمال سے تقرب خداوندی حاصل کیا جاتا ہے وہ یا تو فرائض ہیں یا نوافل۔ نوافل کی فرائض کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں اپنے وقت پر کسی فرض کی ادائیگی ایک ہزار سال کے نوافل سے بہتر ہے، اگرچہ وہ نیت خالص کے ساتھ ادا کئے جائیں۔"

❁ ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم پر عمل ہوائے نفسانی کے ازالہ میں ایک ہزار سال کی ان ریاضتوں اور مجاہدوں سے زیادہ اثر کرتا ہے جو اپنی طرف سے کئے جائیں، برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضت ومجاہدہ میں کوئی کسر نہیں اٹھارکھی لیکن وہ ان کے لئے کچھ مفید نہ ہوئے اور سوائے نفس کو اور موٹا کرنے اور اس کو غذا پہونچانے کے کچھ اور کام نہ آئے۔

❁ ایک دوسرے مکتوب میں ایک سنتِ نبوی پر عمل کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

"فضیلت تمام تر سنت سنیہ کی پیروی سے وابستہ اور امتیاز وا اناز شریعت پر عمل کرنے سے مربوط ہے، مثلاً دوپہر کا سونا جو اتباع سنت کی نیت سے واقع ہو کروڑوں شب بیداریوں سے افضل اور زکوۃ کا ایک پیسہ

ادا کرنا سونے کے پہاڑ خرچ کر دینے سے جو اپنی طرف سے ہو افضل ہے“۔

❁ ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

”صوفیائے خام ذکر و فکر کو اہم المہام سمجھ کر فرائض و سنن کی ادائیگی میں تساہلی برتتے ہیں، چلّوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ جماعت کے ساتھ ایک فرض نماز کی ادائیگی ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے، ہاں ذکر و فکر جو آداب شرعی کی مراعات کے ساتھ ہوں بہت بہتر و ضروری ہے، ناقص علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر رکھتے ہیں۔“ (تاریخ دعوت و عزیمت: ج/۴، ص/۲۴۸)

❁ ایک دوسرے مکتوب میں صفائی نفس کا ذکر کرتے ہوئے جو غیر مسلموں اور فسق و فجور میں مشغول رہنے والے مرتاضوں کو حاصل ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں:

”حقیقی تصفیہ و تزکیہ اعمال صالحہ کے کرنے پر موقوف ہے جو مالک کی مرضیات میں شامل ہوں اور یہ بات بعثت پر موقوف ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے پس بغیر بعثت کے حقیقی تصفیہ و تزکیہ میسر نہیں آسکتا وہ صفائی جو کفّار و اہل فسق کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے قلب کی صفائی نہیں، صفائی نفس سوائے ضلالت کے کسی اور چیز کو نہیں بڑھاتی اور سوائے خسارت کے کوئی اور راستہ نہیں دکھاتی، باقی بعض امور غیبی کا کشف جو کفّار و اہل فسق کو صفائی نفس کے وقت کبھی حاصل ہو جاتا ہے وہ

استدراج ہے جس کا حاصل بربادی وخسارہ کے علاوہ اس جماعت کے حق میں کچھ نہیں۔'' (حوالہ بالا:ص/۲۴۹)

❁ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صوفیاء کا عمل حلّت وحرمت میں سند نہیں، کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں، اس معاملہ میں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالحسن نوریؒ کا عمل، اس زمانے کے صوفیائے خام نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود ورقص کو اپنے دین وملت کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت وعبادت بنالیا ہے:

اِتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔ (حوالہ بالا :ص/۲۵۰)

مجدد صاحب کی یہ حمایتِ شریعت حمیت کے درجے تک پہونچ گئی تھی اور جب جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف کوئی صوفیانہ تحقیق یا حال سننے اور اس کی سند تصوف کی کسی کتاب یا بزرگوں کے احوال واقوال سے لائی جاتی تو ان کی رگ فاروقی حرکت میں آجاتی اور ان کے قلم سے حمایت شریعت اور غیرت سنت کا طوفان امنڈ پڑتا کسی خادم نے کسی بزرگ (شیخ عبدالکریم یمنی) کا کوئی ایسا ہی شاذ اور وحشت انگیز قول نقل کیا تھا، مجدد صاحب اس کی تاب نہ لاسکے اور ان کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے۔

''مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں بے اختیار

میری رگِ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام محی الدین ابن عربی، صدرالدین قونوی اور شیخ عبدالرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے (فص سے مراد شیخ محی الدین عربی کی کتاب فصوص الحکم ہے اور فتوحات مکیہ سے مراد انہیں کی تصنیف الفتوحات المکیہ ہے)، فتوحات مدنیہ نے ”فتوحات مکیہ“ سے مستغنی بنادیا ہے۔“

حضرت مجدد صاحب کے نزدیک شریعت غرا کے مطابق جو عمل کیا جائے وہ داخل ذکر ہے، چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ، میں مشغول ہونا چاہئے جو عمل بھی شریعت غرا کے موافق ہوگا وہ داخل ذکر ہے، اگرچہ بیع وشراء ہو پس تمام حرکات وسکنات میں احکام شرعیہ کی مراعات ہونی چاہئے، تاکہ وہ سب ذکر ہوجائے، اس لئے کہ ذکر نام ہی ہے غفلت دور کرنے کا، اور جب تمام افعال میں اوامر ونواہی شرعیہ کی مراعات کی جائے گی تو کرنے والے کو ان کا حکم دینے والے (خدائے واحد) سے جو حقیقی آمر وناہی ہے غفلت سے نجات ہوجائے گی اور اس کو دوام ذکر کی دولت میسر آجائے گی۔ (ج ر ۲، ص ر ۲۵۱)

سنن نبویہ کی ترویج واشاعت کی تحریض اور بدعات کے انسداد کی ترغیب دیتے ہوئے اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر ہزار سال گزر چکے ہیں اور علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہوگئی

ہیں، عہدِ نبوت کے بُعد کی وجہ سے سنت مستور اور چونکہ زمانہ کذب و دروغ کا ہے، بدعت رائج و مقبول ہو رہی ہے، کسی شہباز کی ضرورت ہے جو سنت کی نصرت و حمایت کرے اور بدعت کو پسپا اور مغلوب کرے، بدعت کی ترویج دین کی تخریب کے مرادف ہے اور مبتدع کی تعظیم قصرِ اسلام کو منہدم کرنے کے ہم معنی، حدیث میں آتا ہے

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَام

جو کسی بدعت والے کی توقیر کرے گا اس نے اسلام کو منہدم کرنے کے کام میں حصہ لیا۔

پورے اہتمام و ہمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دیا جائے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کا ازالہ کیا جائے، یہ کام ہر وقت ضروری تھا لیکن ضعف اسلام کے زمانہ میں کہ مراسم اسلام کا قیام سنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے اور بھی ضروری ہے، اس کے بعد اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

گذشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حُسن دیکھا کہ بدعت کی بعض قسموں کو انہوں نے مستحسن قرار دیا لیکن اس فقیر کو اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں، یہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة" ہر بدعت گمراہی ہے۔ (حوالہ بالا: ۲۵۸)

سید البشر ﷺ فرماتے ہیں:

مَنۡ اَحۡدَثَ فِیۡ اَمۡرِنَا هٰذَا مَا لَیۡسَ مِنۡهُ فَهُوَ رَدٌّ

جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کریگا جو اس کے اصل میں نہیں تو وہ رَد ہے (مقبول نہیں)۔

آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر محفلِ میلاد محظورات سے خالی ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا: مخدوما! اس فقیر کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب تک کہ اس کا دروازہ مطلقا نہ بند کر دیا جائے گا، اہل ہوس اس سے باز نہیں رہیں گے اگر ذرا بھی اس کو جواز کا فتویٰ دیا جائے گا تو رفتہ رفتہ بات کہیں سے کہیں پہونچ جائے گی قَلِیۡلُهٗ یُفۡضِیۡ اِلٰی کَثِیۡرِهٖ ۔(حوالہ بالا: ج/۴،ص/۲۶۰)

اس طرح حضرت مجدد صاحب کے اس مبصرانہ وجرأت مندانہ اقدام سے ایک بڑے خطرے کا انسداد اور ایک بڑے دینی انتشار کا سدِ باب ہو گیا جو غیر محقق علماء کی تائید، خانقاہوں کی سر پرستی اور خوش اعتقاد اُمراء اور رؤسا کی دلچسپی اور حمایت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں پھیلتا جا رہا تھا۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔ (تاریخ دعوت و عزیمت: ج/ا،ص/۲۶۰ ملخصاً)

دنیادار علماء کی مخالفت سے شہر اجین کا قید خانہ رشک جنت بنا

اب ''الخطبۃ الشوقیہ فی حضرۃ المجددیہ'' مؤلفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ سے کچھ مفید اقتباسات ملاحظہ فرمائیں، جاہل متصوفین اور دنیا دار علماء کو اپنی کساد بازاری کے خطرہ نے (مجدد صاحب کی) مخالفت پر آمادہ کیا اور روافض کو نور جہاں بیگم (زوجہ بادشاہ جہانگیر) کی وجہ سے جو امیدیں اپنے مذہب کی اشاعت اور دین اسلام کے فنا کرانے کی قائم ہو گئی تھیں، حضرت امام ربانی کی ذات اقدس ان کو سدِّ راہ نظر آئی، ان

سب نے مل کر حضرت امام ربانیؒ کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا، اس پروپیگنڈے کے اثر سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسا متبحر اور دیندار عالم نہ بچ سکا، بادشاہ جہانگیر کو بدظن کیا گیا اور اپنے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا، حضرت امام ربانیؒ نے اس حکم پر عمل کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ از روئے نص قرآنی خالق کے لئے مخصوص ہے، یہ سن کر جہانگیر نے غیظ و غضب کی حالت میں امام ربانی کے قتل کا حکم صادر کیا مگر کچھ سوچ سمجھ کر قتل کے بجائے غیر محدود وقت کے لئے قید کا حکم سنا دیا اور اُجین ریاست گوالیار کا قید خانہ آپ کے قدم سے رشک جنت بنا۔

آپ کی کرامت: قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے، بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیاء ﷺ بطور تأسف کے اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ''جہانگیر تم نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا'' اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوا دیا کہ چند روز ہمارے ساتھ لشکر میں رہیں گویہ چیز حضرت کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی لیکن کام جو بنا اسی سے بنا، بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکیٰ کر دیا پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی، شراب وکباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید وشاید۔ (یعنی بہت کم ایسا ہوتا ہے۔)

جہانگیر کے متعلق حضرت مجدد صاحبؒ کا ارشاد کہ تیرے بغیر جنت میں نہ جاؤں گا: وہی بادشاہ جس کے غرور اور بدمستی کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے سجدہ

کراتا تھا، سجدہ تعظیمی کے جواز کے فتوے علماء سے لئے تھے وہی بادشاہ آخر عمر میں کہتا ہے کہ میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے نجات کی اُمید ہو، البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ کے سامنے پیش کروں گا، وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے،'' حضرت امام ربانیؒ ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کے صلب سے شاہ جہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب جیسا جامع کمالات صوری و معنوی سلطان پیدا ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مخالفت ایک لحاظ سے بادشاہ کی مخالفت سے زیادہ اذیت رساں تھی مگر چونکہ حضرت شیخ کی مخالفت بدنیتی کے ساتھ نہ تھی لہٰذا حق تعالیٰ نے ان کو بہت جلد تنبہ عطا فرمایا اور مخالفت سے رجوع کی توفیق دی، بالآخر وہ بھی حضرت امام ربانی کے غایت درجہ معتقد ہوگئے جس کا ذکر انہوں نے اپنے مکاتیب میں فرمایا ہے، جہانگیر کے اقبال نے یہاں تک ترقی کی کہ سرہند میں امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا، کھانا اگرچہ بالکل سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔

المختصر، یہ مصائب اس طرح ختم ہوگئے اور آخری نتیجہ یہ رہا کہ حق کی فتح ہوئی اور حضرت امام کے اثرات طیبات روز افزوں ترقی کرتے گئے، حضرت ممدوح نے جو خطوط اپنے مخلصین کو ان مصائب میں مبتلا ہونے کی حالت میں لکھے ہیں ان کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ (الخطبۃ الشوقیہ)

اب ہم "علمائے ہند کا شاندار ماضی" سے چندان مکتوبات کے اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جن کے متعلق مولف کتاب حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

ذیل میں چند مکتوبات کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جو جیل خانہ سے ارسال کئے گئے ہیں، مکتوبات کا ہر ایک فقرہ سلوک وطریقت، شریعت اور حقیقت کا درس گراں مایہ ہے۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج ا ص ۱۹۵)

مکتوب: ۲، ج ۳ بنام فرزند گرامی خواجہ محمد معصوم صاحب قدس اللہ سرہ حمد ونعت کے بعد تحریر ہے:

"فرزندانِ گرامی! وقت آزمائش اگرچہ تلخ اور بے مزہ ہے لیکن اگر توفیق ہو تو بہت غنیمت ہے، آج کل جب کہ آپ کو فرصت میسر ہے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے کام میں مشغول رہو، فرصت کا ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی بیکار مت ضائع کرو، تین چیزیں ہیں تلاوتِ قرآن مجید، طویل قراءت کے ساتھ ادائے نماز، کلمۂ طیبہ لاالٰہ الا اللہ کا ورد، ان میں کسی ایک کا ورد ہر وقت رکھو، کلمۂ لا سے نفس کے معبودوں کی نفی کرو، اپنے مقاصد اور اپنی مرادوں کو دفع کرو، اپنی مراد مانگنا بھی اپنی معبودیت کا دعویٰ ہے۔

زمانۂ ابتلاء کے سوا دیگر اوقات میں اپنی مرادیں اور خواہشات سدِّ سکندری بنی رہی ہیں، خدا خیریت سے رکھے، ملاقات ہو یا نہ ہو، ہماری نصیحت یہی ہے کہ اپنی کوئی مراد یا ہوس باقی نہ رہے، جو کچھ ہو، رضائے الٰہی اور ارادۂ خداوندی ہو، حتی کہ میری رہائی جو آج کل تمہارا بہت بڑا

مقصود بنا ہوا ہے، وہ بھی مقصود ومُراد نہ رہے اور حضرت حق جلّ مجدہٗ کی مقرر فرمودہ تقدیر، اس کے ارادہ اور اس کی مرضی پر پوری طرح راضی ہوجاؤ، اپنی والدہ کو بھی یہ مضمون پوری طرح سمجھادو۔

اس زندگی کے باقی حالات اس قابل بھی نہیں کہ معرضِ تحریر میں آئیں کیوں کہ وہ ختم ہونے والے ہیں، چھوٹوں پر مہربانی کرو۔

پڑھنے کی رغبت دیتے رہو، جہاں تک ہوسکے اہل حقوق کو ہماری طرف سے راضی رکھو، حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابوں کا غم بہت معمولی بات ہے اگر ہم مرجاتے تب بھی جاتی رہتیں، اب زندگی میں جاتی رہیں تو کوئی فکر نہیں، اولیاء اللہ ان چیزوں کو خود چھوڑ دیا کرتے ہیں، اب شکرادا کرو کہ خدائے تعالی نے اپنے اختیار سے چیزوں کو چھوڑادیا۔

جہاں بیٹھے ہو اسی کو وطن سمجھو، چند روز زندگی جس جگہ بھی گزرے یادِ خدا میں گذرنی چاہئے، دنیا کا معاملہ آسان ہے، آخرت کی طرف متوجہ رہو، اپنی والدہ کو بھی تسلی دیتے رہو اور آخرت کی رغبت دلاتے رہو، اگر حق سبحانہ تعالی چاہیں گے آپس میں ہماری سب کی ملاقات بھی ہوجائے گی، ورنہ حکم خدا پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دارالسلام (جنت) میں سب ایک جگہ جمع ہوں اور ملاقات دنیا کی تلافی کریں۔ (ج ۱/ص/۱۹۶)

ف: سبحان اللہ! یہ تھا حضرت مجدد الف ثانی کا حال رفیع اور کیف باطن، ہمت عالی اور عزم راسخ، جس کی وجہ سے منصب تجدید سے نوازے گئے ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

نیز اہل وعیال کی تعلیم وتربیت کا خیال بھی ملاحظہ فرمائیں کہ کس قدر بلند تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا پورا خاندان ہی ''ایں خانہ ہمہ آفتاب ست'' کہے جانے کا مستحق ثابت ہوا۔ فھنیئا لھم (مرتب)

مکتوب نمبر ٦ ج ر ٣ شیخ بدیع الدین صاحب کے نام تحریر ہے:

شیخ فتح اللہ صاحب کے ذریعہ سے مکتوب گرامی موصول ہوا، مخلوق کے ظلم و تعدی کی شکایت تحریر تھی، یہ چیزیں درحقیقت جماعتِ اولیاء کا جمال ہیں اور ان زنگ کے لئے صیقل؛ لہذا تنگ دلی اور کدورت کا سبب کیوں ہوں؟ تحریر فرمایا تھا کہ ظہور فتنہ سے نہ ذوق رہا ہے نہ حال، حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ذوق وحال میں اور زیادتی ہوتی کیونکہ وفائے محبوب سے جفائے محبوب زیادہ لذّت بخش ہوا کرتی ہے۔ کیا ہوگیا کہ عوام کی طرح بات کر رہے ہو اور محبت ذاتیہ سے بہت دور ہو گئے ہو؟ بہر حال گذشتہ کے برخلاف آئندہ جلال کو جمال سے بڑھا ہوا سمجھو اور انعام کے مقابلے میں تکلیف کو بہتر تصور کرو، کیونکہ جمال اور انعام میں محبوب کے مراد کے ساتھ اپنی مراد کی بھی آمیزش ہے اور جلال اور تکلیف میں صرف محبوب کی مراد سامنے ہے اور اپنی مراد کی مخالفت ہے۔ (ج ا ص ر ١٩٧)

ف: غور فرمائیے کہ اس مکتوب میں توحید خالص کی تعلیم اور محبت ذاتیہ کی تحصیل کی طرف کتنے بلند کلمات اور جزم کے ساتھ ترغیب دے رہے ہیں جو ہر سالکِ راہ کو مستحضر رکھنے کے قابل ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

حضرت مجدد صاحب نے لشکری حراست سے فرزندوں کو جو خطوط لکھے ہیں

ان کے چند کلمات ملاحظہ فرمائیں جو یقیناً سالکین کے لئے شمع رہنما اور معالم طریق ہیں چنانچہ مکتوب ۸۷ ج ۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

''فرزندان گرامی جس قدر ہمیشہ ساتھ رہنے کے خواہش مند ہیں اسی قدر ہم بھی مشتاق ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ تمام آرزوئیں میسر نہیں ہوا کرتیں، لشکر میں اس طرح بے اختیار اور بے بس رہنے کو بہت غنیمت جانتا ہوں، اس جگہ وہ میسر ہے کہ دوسری جگہ بظاہر وہ میسر نہیں آسکتا، اس جگہ کے علوم و معارف، احوال و مقامات کچھ اور ہی ہیں، ایک رکاوٹ جو بادشاہ کی جانب سے ہے میں اس کو حضرت حق جلّ مجدہٗ کی انتہائی رضامندی کا دریچہ تصور کرتا ہوں اور اس قید ہی میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں خصوصاً ان جھگڑوں کے زمانے میں عجیب کاروبار ہے۔

فرزندانِ عزیز دل میں کُڑھ رہے ہیں اور اس جدائی سے بے چین ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ میرا شوق ان کے شوق سے بڑھا ہوا ہے اگرچہ تقاضائے قیاس یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے زیادہ محبت ہو، کیونکہ اولاد شاخیں ہیں اور شاخیں جڑوں کی زیادہ محتاج ہوا کرتی ہیں مگر مقررہ اصول یہی ہے کہ باپ کو اولاد سے زیادہ تعلق ہوتا ہے، اسلاف سے یہی چلا آرہا ہے اور یہی تجربہ ہے۔'' (علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج ۱ ص ۲۰۶)

ف: مشائخ کی عظمت ان کی شان تربیت ہی سے معلوم کی جاتی ہے پس جو شخص اس شانِ تربیت میں امتیازی شان رکھتا ہے اس کو جملہ مشائخ پر فوقیت دی جاتی ہے بلکہ اس کو قطب الارشاد کہا جاتا ہے۔ (کما افادہ مرشدی مولانا وصی اللہ صاحبؒ)

چنانچہ جب ہم آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شان آپ کے اندر بدرجۂ کمال ودیعت فرمائی گئی تھی، اسی لئے منجانب اللہ تعالی امت کی زبانوں پر مجدد الف ثانیؒ کا لقب جاری و ساری ہوگیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

مکتوبات امام ربانی بزبان فارسی تین جلدوں میں ہیں، اگر ان کا مطالعہ نہ کرسکیں تو کم از کم ''تجلیات ربانی'' جسے حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہیؒ نے انہیں مکتوبات سے مضامین مفیدہ کی تلخیص کر کے نہایت عمدہ ترجمہ فرمادیا ہے اس کو ضرور پڑھیں، ان شاء اللہ تعالی اس سے بھی کافی نفع وفیض پہونچے گا۔ بفضلہ تعالیٰ اس حقیر نے بھی مکتوبات عالیہ کے اقتباسات جمع کئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کو آسان فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق۔ (مرتب)

ارشادات

اب ہم حضرت مولانا صوفی عابد میاں صاحب عثمانی نقشبندی ڈابھیلی المتوفی ۱۳۶۴ھ کی تالیف ''انوار العارفین'' جلد دوم سے حضرت مجدد صاحبؒ کے ارشادات مفیدہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

فقہ حنفی کی فضیلت: آپ فرماتے ہیں کہ بلا تکلف میں کہتا ہوں کہ نورانیت مذہب حنفی میں دریائے عظیم کی طرح ہے، اور دوسرے مذہبوں میں حوضوں اور نہروں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

ف: حضرت مجدد الف ثانیؒ جس منصب عظیم پر فائز ہیں اس کی رعایت کرتے ہوئے ان کے اس مکشوف کو تسلیم کرنا ہی چاہئے اور کیوں نہ ہو جب کہ قرآن

وحدیث کے قابل قبول دلائل موجود ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔ (مرتب)

بعثت انبیاء کے مقامات: آپ فرماتے ہیں کہ: مجھ پر مکشوف ہوا کہ ہندوستان میں بہت سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں، اگر میں چاہوں تو بعثت انبیاء علیہم السلام کے مقامات اور ان کے مساکن بیان کرسکتا ہوں جو کہ مجھ پر ظاہر کئے گئے ہیں، اور ان کے مقابر بھی بتا سکتا ہوں کہ ان کے مقابر پر انوار حق اب تک تاباں و درخشاں دکھائی دیتے ہیں۔ (انوار العارفین: ج ر ۲ ص ر ۱۶۰)

خلوت: آپ فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ میرا ارادہ ہوا کہ کسی مقام خلوت میں جا کر گوشہ نشیں ہو جاؤں اور سب سے خلوت اختیار کرلوں، میں نے استخارہ کیا اور بارگاہ رب العزت سے اجازت طلب کی، خطاب مستطاب آیا کہ طریقۂ محبوب وپسندیدہ ومناسب ولائق یہی ہے جس پر اس وقت قائم ہو، نہ کہ گوشہ نشینی وتنہائی۔

فرزند محمد صادق: آپ فرماتے تھے کہ: مجھ کو میرے فرزند اعظم خواجہ محمد صادق قدس سرہ کی قبر کے مقابل دفن کیا جائے، اس لئے کہ وہاں ایک باغ جنت کے باغوں میں سے میں نے دیکھا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ آفتاب کی طرف بے تکلف دیکھ سکتے ہیں۔ مگر شاہ سکندر نبیرۂ شاہ کمال کے دل کی طرف غلبۂ شعاع انوار کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے، اس لئے کہ وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے۔

نیت کی برکت: آپ نے فرمایا ہے کہ: ایک رات ہم پر منکشف کیا گیا کہ اگر کوئی نمازی نماز وتر کو دیر سے ادا کرنے کے ارادہ سے وقت تہجد تک سو جائے اور یہ نیت رکھے کہ آخر شب میں وتر پڑھوں گا، تو کاتبین اعمال تمام شب اس کے نام پر نیکیاں لکھتے ہیں یہاں تک کہ وتر ادا کرے۔ لہذا جس قدر ادائے وتر میں تاخیر کی جائے بہتر ہے۔

ف: مگر جس کو اخیر شب میں بیدار ہونے کا گمان نہ ہو تو اس کے لئے عشاء کے بعد ہی وتر پڑھنا بہتر ہے۔ (مرتب)

بدعت کی ظلمت: آپ فرماتے ہیں کہ: کشفاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم کو بدعت کی تاریکیوں نے گھیر لیا ہے اور نورِ سنت اس میں کرمک (جگنو) شب افروز کی طرح بعض جگہ خال خال معلوم ہوتا ہے۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت: ایک روز بہ تقریب تکرار کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" آپ نے فرمایا کہ: اے کاش! تمام عالم بہ مقابلہ اس کلمہ طیبہ کے دریائے محیط کے ساتھ قطرہ ہی کی مناسبت رکھتا، یہ کلمہ مقدسہ جامع کمالات ولایت و نبوت ہے۔

داخلۂ سلسلہ کی فضیلت: آپ نے فرمایا ہے کہ: جو لوگ داخلۂ طریقت ہو چکے ہیں یا قیامت تک بہ واسطہ یا بے واسطہ داخل ہوں گے، وہ سب مرد اور عورتیں میرے سامنے لائے گئے اور ہر ایک کا نام و نسب اور مولد و مسکن بتایا گیا، اگر میں چاہوں تو سب بیان کرسکتا ہوں۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض کرم و عنایت اور لطف و مرحمت خاص سے مجھے بشارت دی کہ، ہم نے تمہاری دنیا کو بھی آخرت بنا دیا ہے۔

اسم اللہ کا ادب: ایک روز آنجناب قدس سرہ قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء گئے دیکھا کہ ایک پیالہ سفالی شکستہ کہ جس پر مہتر نجاست اٹھاتا تھا اور اس پر اسم اللہ منقوش تھا اور نجاستوں میں آلودہ تھا، آنجناب نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور وہاں سے نکلے اور خادم سے فرمایا کہ: لوٹا لاؤ، اور پیالہ کو خاص اپنے دست مبارک سے آپ نے پاک کیا، ہر چند خدام نے التماس کیا کہ ہم اس کو پاک

کرتے ہیں، مگر قبول نہ فرمایا۔ اور پاک کر کے ایک اونچے طاق پر سفید کپڑے میں لپیٹ کر تعظیم کے ساتھ رکھ دیا، اور جب پانی پینا چاہتے تو اسی پیالہ میں پیتے، اس اثناء میں بارگاہ رب الارباب سے خطاب مستطاب آیا کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی اسی طرح ہم نے بھی تمہارے نام کو دنیا وآخرت میں معظم بنایا ہے، آپ فرماتے تھے کہ اس عمل نے جس قدر فیوض و برکات پہنچائے وہ صد سالہ ریاضت ومجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔

ف: سبحان اللہ! باادب بانصیب کا شرف حاصل ہوا۔ (مرتب)

تواضع کی فضیلت: ایک روز صبح کے حلقہ میں آنجناب مراقب تھے اور قصور اعمال کی دید غالب ہوگئی تھی اور انکسار وتضرع کا غلبہ تھا کہ بہ مصداق حدیث "من تواضع للہ رفعہ اللہ" (جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند کرتا ہے۔) بارگاہ غفار الذنوب ستار العیوب جل شانہ وعم احسانہ سے خطاب مستطاب پہنچا: "غفرت لک ولمن توسل بک بواسطة اوبغير واسطة الى يوم القيامة" (کہ میں نے تجھ کو بخش دیا اور اس کو بھی جو تمہارا وسیلہ اختیار کرے بہ واسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک) اور اس بشارت کے اظہار کا حکم دیا گیا۔

ف: سبحان اللہ! کیسی بشارت ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے حظ وحصہ نصیب فرمائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

صبر کی فضیلت: آنجناب قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ملامت خلق کی اللہ والوں کی جماعت کا حسن اور ان زنگار کے لئے صیقل ہے نہ کہ باعث قبض وکدورت، ابتدائے حال میں جب کہ فقیر قلعہ میں محبوس ہوا تو محسوس ہوتا تھا کہ انوار

ملامت خلق شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح لگاتار پہنچے ہیں، اور کام کو پستی سے بلندی پر لے جاتے ہیں، برسوں تک تربیت جمالی سے قطع مسافت کی جاتی رہی، مگر اب تربیت جلالی سے قطع مسافت کرتے ہیں، اور مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہتے ہیں اور جمال وجلال کو مساوی جانتے ہیں کہ جفائے محبوب اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش۔

ف: سبحان اللہ! کیسا مقام عالی نصیب تھا۔فللّٰہ الحمد والمنہ (مرتب)

آداب شریعت کی رعایت: آپ فرماتے ہیں کہ: لوگ ریاضت ومجاہدات کی ہوس کرتے ہیں، حالانکہ کوئی ریاضت ومجاہدہ رعایت آداب شریعت کے برابر نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ: احوال تابع شریعت ہیں اور شریعت تابع احوال نہیں ہے، کیونکہ شریعت قطعی ہے اور وحی الٰہی سے ثابت ہو چکی ہے، اور احوال ظنی ہیں جو کشف اور الہام سے ثابت ہوتے ہیں۔

اتباع سنت کی برکت: آپ فرماتے ہیں کہ: میں ماہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ایک شب ادائے تراویح کے بعد بستر خواب پر لیٹ گیا اور خادم میرے پاؤں دبا رہا تھا، میں بھولے سے پہلوئے چَپ پر لیٹ گیا تھا، پھر مجھے یاد آیا کہ سونے میں ابتداء پہلوئے راست سے کرنا سنت اجماعی ہے وہ اس وقت متروک ہوگئی، نفس نے تاویل کیا کہ سہو اور نسیان سے جو چیز سرزد ہو جائے وہ معاف ہے، لیکن میں فوراً اٹھا اور پھر لیٹا، اور ابتدا پہلوئے راست سے کی، اس کے بعد عنایات اور فیوض اور برکات واسرار بہت کچھ مجھ پر ظاہر ہوئے اور ندا دی

گئی کہ اس رعایت سنت کی وجہ سے آخرت میں تجھ کو کسی طرح کا عذاب نہ دیا جائے گا اور تمہارے خادم کو بھی جو پاؤں دبا رہا تھا ہم نے بخش دیا۔

(انوار العارفین: ج ۲/ ص/ ۱۸۷)

وفات حسرت آیات: وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس کی معلوم ہوتی ہے۔ اتباع سنت کا شوق جس کو درجۂ فنا تک پہنچا چکا ہو، کیا عجب ہے، غیر اختیاری امور میں بھی اس کو مطابقت سنت کی توفیق نصیب ہو۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرھویں شب کو عبادت کے لئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں، آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا۔ یہ سن کر حضرت امامؒ نے فرمایا، تم تو بطور شک کہہ رہی ہو۔ کیا حال ہوگا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس کا نام دفتر ہستی سے محو ہو گیا۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد کر دیا، اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور افکار و اشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے۔ سوا نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ نفل روزوں اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔

وسط ذی الحجہ میں حضرت کو ضیق النفس کی بیماری لاحق ہوئی۔ تپ محرقہ شروع ہوا۔ جو یوماً فیوماً ترقی کرتا چلا گیا۔ انہیں ایام میں ایک روز فرمایا کہ حضرت پیران پیر کو میں نے دیکھا، بڑی مہربانی مجھ پر فرمائی۔

۱۲ر محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر مجھ کو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور بتاریخ ۲۸ رصفر ۱۰۳۴ھ سنہ تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جس رات کی صبح کو آپ دنیا سے جانے والے تھے، حسب معمول تہجد کی نماز کے لئے اٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھی اور خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمار داری میں بہت تکلیف اٹھائی۔ اب آج یہ تکلیف ختم ہے۔ اخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا۔ ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نماز جنازہ حضرت کے فرزند ثانی خواجہ محمد سعیدؒ نے پڑھائی اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادقؒ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے۔ یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے قلب کے انوار وہاں چمکتے ہیں۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ج ر ۱ ص ر ۲۱۴)

اولاد: حضرت مجدد صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے سات فرزند عطا فرمائے تھے ان میں شیخ محمد فرخ، محمد عیسیٰ اور محمد اشرف صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے، خواجہ محمد صادق پچیس سال کی عمر میں راہ ملک بقا ہوئے۔ ان کے علاوہ خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد یحییٰ رحمہم اللہ تعالیٰ رونق بخش حیات رہے، ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا۔ ؎

ایں سلسلہ از طلائے ناب است   ایں خانہ تمام آفتاب است

(تاریخ دعوت و عزیمت: ج ر ۴ ص ر ۱۸۸)

حضرت خواجہ محمد صادق سرہندیؒ المتوفی سنہ ۱۰۲۵ھ

نام ونسب: نام محمد صادق، والد کا نام مجدد الف ثانی احمد سرہندیؒ ہے۔ آپ مجدد صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ اور اپنے زمانہ کے اولیاء کرام میں سے تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت سنہ ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: کم عمری ہی کے زمانہ میں آپ کی پیشانی سے استعداد، ہدایت وارشاد کی علامت ظاہر تھی۔ چنانچہ چھوٹی عمر میں آپ کو آپ کے جد امجد (حضرت خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمہ) تعلیم دیا کرتے تھے اور حضرت مجددؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا یہ بیٹا ابھی سے مجھ سے حقیقت اشیاء اور ان کی خلقت کی کیفیت سے متعلق عجیب و غریب باتیں پوچھتا ہے کہ میں بمشکل اسے جواب دے پاتا ہوں۔ اس وقت جب کہ حضرت مجددؒ اپنے والد ماجد کے انتقال (سنہ ۱۰۰۷ھ) کے ایک سال بعد (جمادی الاخریٰ) سنہ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی دولت صحبت سے مشرف ہوئے تو یہ مخدوم زادہ بھی آٹھ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حاضر ہوا۔ اور حضرت خواجہؒ کی توجہات عالیہ کی برکت سے اس آٹھ سال کی عمر ہی میں اس مخدوم زادہ پر عجیب و غریب احوال اور واردات کا ورود ہوا۔

آپ کے حالات: آپ کے حالات اس قدر بلند تھے کہ ایک مرتبہ مشائخ وقت

میں سے ایک صاحب حضرت خواجہ (باقی باللہ) کی خدمت میں آئے اور اپنے بلند حالات ان کی خدمت میں عرض کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر آپ کی صحبت میں مجھے اس قسم کے احوال حاصل ہوں تو آپ کو تکلیف نہ دوں۔ لیکن اگر اس سے بلند احوال ہو جائیں تو آپ کی خدمت میں رہوں اور استفادہ کروں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ محمد صادق کو بلاؤ۔ ان کو لایا گیا تو حضرت خواجہؒ نے ان سے فرمایا کہ بابا اپنے احوال بیان کرو کہ یہ صاحب اپنے مہمان ہیں، تمہاری زبان سے سن لیں گے۔ مخدوم زادہ (محمد صادق)ؒ نے اپنے بلند واردات اور حالات بیان کرنے شروع کئے جو ان صاحب کے احوال کے مطابق تھے اور جو انھوں نے پچاس سال کی ریاضت میں حاصل کئے تھے ان سے بھی زیادہ بلند تھے۔ وہ صاحب اس بچے سے وہ حالات سن کر جس کو ابھی داخل سلسلہ ہوئے دو تین ماہ ہی ہوئے تھے حیران رہ گئے اور ان کی خود بینی اور پندار ان کے دماغ سے نکل گیا۔

اکثر اوقات حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) اس مخدوم زادے سے کون و مکان کے حقائق، قبروں اور مردہ لوگوں کے احوال، گزرے ہوئے اور ہونے والے واقعات تنہائی میں پوچھا کرتے تھے اور یہ بلند مقام مخدوم زادہ تھوڑی سی توجہ کر کے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کر دیتا تھا۔ اور اسی بیان کے مطابق کشف ہو جاتا تھا۔ اسی طرح بہت سے درویش اور دنیا والے بھی ان سے پوشیدہ حقائق کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔ اور جواب سنتے تھے۔ اور مخدوم زادہ کے کشف ہی کے مطابق وہ حقائق واقع ہوتے تھے۔ اس بلند مقام مخدوم زادے کے حالات کی تفصیل کے لئے بہت سے دفتر چاہیئے۔ اس مختصر کتاب میں اجمال پر کفایت کی گئی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا مکتوب

حضرت خواجہ نے اس مخدوم زادہ کو رخصت کرنے کے بعد اس طرح لکھا۔

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک محمد صادق کو (اللہ تعالیٰ) ظاہر و باطن کے کمالات سے نوازے، اس کے احوال جیسے کہ ظاہر ہیں لائق شکر ہیں۔ اسی حضور پر قائم رہے گا۔ اس کی غیبت اور استغراق سے اندیشہ نہیں۔ انشاء اللہ وہ سُکر سے صحو میں آجائے گا اور اس کی فنا شعور میں مندرج ہو جائے گی''۔

پھر دوسری بار حضرت مجددؒ کے مکتوب کے جواب میں حضرت خواجہؒ نے اس طرح لکھا (اس مکتوب میں مخدوم زادہ کے احوال بھی تھے) ''محمد صادق کے احوال بہت صحیح ہیں''۔

اس زمانے میں جب کہ حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کو خلافت دے کر اپنے اصحاب کو ان کے حوالے کیا تھا اس مخدوم زادہ کی تربیت بھی حضرت مجدد کے سپرد کی تھی اور اس گلشن کمال کے نونہال نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر کسب کمالات کیا اور مرتبۂ کمال حاصل کیا۔ اور ہمارے حضرت مجددؒ نے اس گلدستۂ کمال کے احوال اسی صغر سنی میں حضرت خواجہؒ کو اس طرح لکھاتے تھے۔

''محمد صادق نے مقام حیرت میں غوطہ کھایا ہے اور اس مقام میں وہ مجھ فقیر سے پوری مناسبت رکھتا ہے''۔

خلافت: حضرت مجددؒ نے اکیس سال کی عمر میں خلعت خلافت سے مشرف فرمایا۔ روز جمعہ جمادی الثانیہ ۱۰۲۱ھ تھا کہ حضرت مجددؒ نے اپنا خاص عباء ان کو عنایت فرمایا۔ اس روز ایک جمِ غفیر اور جمع کثیر نے اس مخدوم زادہ سے مصافحہ کیا

اور بیعت کی۔ اس وقت اس قدوۂ اہل تمکین کی پیشانی سے ایسا نور چمک رہا تھا کہ سورج بھی اس سے شرمندہ تھا اور زبدۂ ارباب عرفان سے حیا، انکسار، عاجزی اور شکستگی اس قدر ٹپک رہی تھی کہ گفت وشنید میں نہیں آسکتی۔ تسلیم و سپردگی اور رضا بقضائے الٰہی درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

فضل وکمال: ایک روز مخدوم زادہ کے ایک مخلص نے بعض لوگوں کی ایذارسانی کا ذکر آپ سے کیا اور کہا کہ آپ ان لوگوں کو تنبیہ اور تہدید کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم بھی دشمنی اور خصومت کرنے لگیں تو پھر ہم فقیروں اور ان مالداروں میں کیا فرق رہ جائے گا؟۔ اس مخلص نے بتایا کہ مخدوم زادہ نے بات کچھ اس انداز سے کہی کہ میں اپنی بات سے شرمندہ ہوگیا۔ چنانچہ جو شخص بھی اس مخدوم زادہ کی صحبت بابرکت میں حاضر ہوتا اس کا دل، دنیا کی محبت سے سرد ہو جاتا۔

ف: ہمارے اکابر مشائخ کی یہی شان تھی کہ ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء

برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے، اگر تو مرد ہے تو حسن اخلاق سے پیش آؤ اس کے ساتھ جس نے برائی کا معاملہ کیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع تھے اور اکثر علوم حضرت مجددؒ ہی سے حاصل کئے تھے۔ کچھ ادبی علوم مولانا طاہر لاہوریؒ سے اور کچھ علوم حکمت مولانا محمد معصوم قابلیؒ سے حاصل کئے تھے۔ اور اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فارغ

ہو چکے تھے بلکہ تمام علوم بہت متانت اور گہرائی سے پڑھانے لگے تھے۔

آپ کا مقام حضرت مجددؒ کی نگاہ میں: حضرت مجددؒ نے اس صاحب کمال (مخدوم زادہ) کے حالات سے متعلق جو کچھ کلمات تحریر فرمائے ہیں وہ ان کی اعلیٰ قدر ومنزلت پر دلالت کرتے ہیں۔ایک مکتوب میں اس مخدوم زادہ کو آپ نے لکھا۔

''تمہارے مکتوب سے کہ جس میں احوال کی تشریح ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ولایت خاصۂ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے مناسبت پیدا ہوگئی ہے۔پس تم اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ مدت سے اس دولت کی آرزو تھی کہ تم کو حاصل ہو جائے۔پس اس وقت امیدوار ہو کر متوجہ ہوا ہوں کہ تم کو اس دولت کی طرف جذب کردوں۔اتفاق یہ ہوا کہ میں نے اس جستجو میں تم کو ولایت موسوی (علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں پایا تو میں نے وہاں سے کھینچ کر تم کو ولایت خاصہ میں داخل کردیا۔اللہ پاک کا بیحد شکر اور احسان ہے اس بات پر''۔

حضرت مجددؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ''میرا عزیز فرزند مجھ فقیر کے تمام معارف کا مجموعہ اور مقامات جذب وسلوک کا خزانہ ہے''۔

ایک جگہ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ''میرا فرزند محرمان اسرار میں سے ہے اور (بحمداللہ) خطا اور غلطی سے محفوظ ہے''۔

آپ نے ایسا بھی لکھا ہے کہ''یہ مقام اللہ پاک نے میرے فرزند ارشد کو عنایت فرمایا ہے اور اپنی ولایت میں داخل فرمایا ہے۔یہ فقیر مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں مقیم ہے''۔

یہ بھی آپ نے لکھا ہے کہ ”فقیر کا استفادہ، ولایت موسوی سے اجمالی ہے اور میرے فرزند اکبر کا استفادہ اس ولایت سے تفصیلی ہے۔فقیر کی ولایت کا جو ولایت موسوی سے مستفاد ہے ان مومن لوگوں کے مشابہ ہے جو آل فرعون میں سے تھے۔اور میرے فرزند کی ولایت ان ساحرانِ فرعون کی ولایت کے مشابہ ہے جو ایمان لے آئے تھے“۔

آپ نے یوں بھی لکھا ہے کہ ”میرا فرزند (محمد صادق) آیات الٰہی میں سے ایک آیت تھا اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔اس نے بیس سال کی عمر میں جو کچھ حاصل کیا وہ بہت کم کسی کو حاصل ہوا۔اس کی مولویت کا مقام اور علوم عقلیہ ونقلیہ کا درس حدِ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے تلامذہ بھی بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کا درس پوری قابلیت کے ساتھ دیتے تھے اور اس کی معرفت و عرفان کی حکایتیں اور شہود وکشوف کی باتیں بیان سے باہر ہیں۔آٹھ سال کی عمر میں وہ اس قدر مغلوب الحال تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ اس کے حال کی تسکین کے معالجے کے لئے بازار کا کھانا جو (ظلمات کی وجہ سے) مشکوک ومشتبہ ہوتا ہے اس کو کھلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے محمد صادق سے جو محبت ہے وہ کسی اور سے نہیں۔اور اسی طرح جو محبت کہ اس کو مجھ سے ہے کسی اور سے نہیں۔اس بات سے اس کی بزرگی کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔اس نے ولایت موسوی کو نقطۂ آخر تک پہنچا دیا تھا اور وہ اس ولایت کے عجائب و غرائب بیان کرتا تھا۔اور وہ ہمیشہ خضوع وخشوع، تضرع وانکسار اور عجز والا تھا اور کہتا تھا کہ ہر ولی نے اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ چیز مانگا ہے اور میں نے اس سے التجا اور تضرع مانگا ہے۔

نیز آپ کا وہ مکتوب جو حضرت مجددؒ کو لکھا ہے جس میں اپنا حال لکھا ہے اور حضرت

مجدد صاحبؒ سے مدد و دستگیری کی درخواست کی ہے، وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ وہ یہ ہے۔

قبلہ گاہا! اب آرزو صرف یہ ہے کہ کوئی ساعت اور کوئی لحظہ اللہ کی رضا کے خلاف نہ گذرے، اور یہ بات اسی وقت میسر ہو سکتی ہے جب کہ حضور کی توجہ میری مدد فرمائے اور میری دستگیری فرمائے۔ ع بر کریما کارہا دشوار نیست

حضرت مجدد صاحبؒ کا مکتوب خواجہ محمد صادق کے نام

اے فرزند! سنو کہ انبیاء علیہم السلام نے دعوت کو ''عالم خلق'' تک محدود رکھا ہے (چنانچہ ارشاد نبوی ہے) بنی الاسلام علی خمس (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے) اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے مناسبت زیادہ تھی اس لئے انبیاء علیہم السلام نے تصدیق قلب کی بھی دعوت دی ہے اور ''ماوراء قلب'' کے متعلق انھوں نے (بصراحت) کلام نہیں فرمایا اور اس کو معمولی شئی قرار دے کر مقاصد سے شمار نہیں کیا۔ ''تنعمات بہشت'' ''آلام دوزخ'' ''دولت دیدار'' اور ''محرومیِ دولت دیدار'' یہ سب چیزیں ''عالم خلق'' سے وابستہ ہیں، ''عالم امر'' کو ان سے تعلق نہیں ہے۔ جو عمل فرض، واجب اور سنت ہے اس کی ادائیگی بھی جسم سے تعلق رکھتی ہے اور جسم عالم خلق سے ہے۔ اور جو عمل ''نصیب عالم امر'' ہے وہ اعمال نافلہ سے ہے۔ وہ قرب جو ان اعمال فرض و نفل کا ثمرہ ہے۔ بمطابق اعمال ہوگا۔ پس وہ قرب جو ادائے فرائض کا ثمرہ ہے نصیب عالم خلق ہوگا اور وہ جو ثمرۂ ادائے نوافل ہے نصیب عالم امر ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں کہ نفل کی فرض کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، کاش کہ دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرے کی نسبت ہی ہوتی (وہ بھی نہیں ہے) بلکہ نفل کی تو سنت کے مقابلے میں بھی دریا اور قطرے

والی نسبت ہے، اور خود سنت وفرض کے درمیان بھی نسبت دریا وقطرہ ہے۔ اس سے قرب عالم خلق اور قرب عالم امر کے درمیانی فرق کو معلوم کیا جاسکتا ہے، اور عالم خلق کی فضیلت، عالم امر پر اسی فرق سے جانی جاسکتی ہے۔ اکثر لوگ چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لئے فرائض کو خراب وخستہ کر کے نوافل کی ترویج واشاعت میں کوشاں ہوتے ہیں۔ صوفیائے خام (فقط) ذکر وفکر کو شدید ترین ضروریات سے جان کر فرائض وسنن کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں اور چلہ کشی وریاضت کو اختیار کر کے جمعہ وجماعت کو ترک کرتے ہیں، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک فرض نماز جماعت سے ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں ذکر وفکر آداب شرعیہ کو ملحوظ رکھ کر کرنا ضرور بہتر اور مہتم بالشان شئی ہے۔

علمائے ناعاقبت اندیش بھی ترویج نوافل میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب وابتر کر ڈالتے ہیں۔ وہ ادائے فرائض میں سستی کرتے ہیں، بہت کم ایسے ہوں گے جو فرائض کو وقت مستحب میں ادا کرتے ہوں۔ وہ تو اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور تکثیر جماعت کا بھی چنداں اہتمام نہیں کرتے۔ جماعت میں ایک آدمی یا دو آدمیوں پر ہی اکتفاء کر لیتے ہیں بلکہ بسا اوقات تنہا ہی پڑھ لیتے ہیں۔ جب مقتدایان اسلام یہ معاملہ کریں گے تو عوام کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اس قسم کی حرکات سے اسلام میں ضعف آرہا ہے اور اس کردار کی ظلمت سے خواہشات وبدعات کا ظہور ہو رہا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　　که دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

(تھوڑا سا تمہارے سامنے بیان کیا اس لئے کہ تم غمگین ہو گے ورنہ تو کہنے

کی بہت سی باتیں ہیں۔مرتب)

علاوہ ازیں ادائے نوافل سے ''قرب ظل'' میسر ہوتا ہے اور ادائے فرائض سے ایسا قرب اصل ملتا ہے جس میں ''شائبۂ ظلیت'' نہیں۔البتہ جو نوافل برائے تکمیل فرائض ادا کئے جاتے ہیں وہ قرب اصل کے معاون اور ملحقات فرائض سے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ادائے فرائض مناسب عالم خلق ہے جس کا رخ اصل کی طرف ہے۔اور ادائے نوافل مناسب عالم امر ہے جس کا چہرہ ظل کی طرف ہے۔

ہر چند تمام فرائض قرب اصل کا فائدہ دیتے ہیں، لیکن ان میں افضل واکمل نماز ہے۔نماز ہر مومن کے لئے ذریعۂ ترقی ہے۔اس کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ نماز کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے۔نماز سیئات کو دور کرتی ہے۔نماز فحش اور بے حیائی سے منع کرتی ہے۔نماز وہ ہے کہ پیغمبر ﷺ اپنی راحت اس میں تلاش فرماتے ہیں۔نماز کو آنحضرت ﷺ نے دین کا ستون قرار دیا ہے۔نماز، (از روئے ارشاد رسول ﷺ) کفر واسلام میں فرق کرنے والی شئی ہے۔نور سنت کو ظلمات بدعت نے (اس وقت) مستور کر رکھا ہے اور ''رونق ملت مصطفویہ'' کو کدورات امور محدثہ نے ضائع کر دیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ان بدعات کو امور مستحسنہ میں سے سمجھتی اور حسنات شمار کرتی ہے، نیز تکمیل دین ان بدعات کے ذریعے ڈھونڈھ رہی ہے، اور ان امور بدعت کو ادا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس جماعت کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے۔اس جماعت کو شاید معلوم نہیں کہ دین تو ان

بدعات کے ظہور سے پہلے ہی کامل ہو چکا، نعمت خداوندی تمام ہو چکی، اور دین اسلام کو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا، تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین) پس کمال دین ان بدعات میں تلاش کرنا فی الحقیقۃ آیت مذکورہ کے مقتضیٰ کا انکار کرنا ہے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم ۔۔۔ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

یہ بھی واضح رہے کہ علمائے مجتہدین نے فقط احکام دین کا اظہار فرمایا ہے، نہ کہ ان باتوں کا اختراع، جو دین میں نہیں ہیں۔ پس احکام اجتہادیہ امور بدعت میں نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ قیاس دین کی اصل چہارم ہے۔

(تجلیات ربانی: ص/۱۸۹)

وفات: ۹/ربیع الاول ۱۰۲۵ھ بروز دوشنبہ آپ کا انتقال ہوا۔ اور سرہند میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

ف: حضرت شیخ محمد صادقؒ کے حالات وواردات کو پڑھ کر بہت عبرت ونصیحت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو بھی ان صفات وحالات سے مشرف فرمائے۔ ان کے خزانہ عامرہ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اولاد نسبی و باطنی کو نسلاً بعد نسل ان مقامات عالیہ سے نوازیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

حضرت خواجہ محمد سعید سرہندیؒ المتوفیٰ ۱۰۷۰ھ

نام ونسب: نام خواجہ محمد سعید، لقب خازن الرحمۃ، والد کا نام شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندیؒ ہے۔ آپ مجدد صاحبؒ کے فرزند دوم ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۰۰۵ھ میں بمقام سرہند ہوئی۔

فضل وکمال: ایام طفولیت سے مقبولیت، کرامت، ولایت ونجابت کے آثار آپ کے حالات واطوار سے نمایاں تھے، اسی لئے حضرت خواجہ باقی باللہؒ فرمایا کرتے تھے کہ "خواجہ محمد سعیدؒ ومحمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ہر دو پسران خواجہ احمد پارہائے جواہر اندکہ بے بہا اندو در ایام خورد سالی بمقامات احمدیہ رسیدہ اند۔"

یعنی خواجہ محمد سعید ومحمد معصوم جو خواجہ احمدؒ کے صاحبزادگان ہیں، وہ جواہرات کے بیش قیمت ٹکڑے ہیں اور بچپن ہی میں مقامات احمدیہ کو پہونچ گئے ہیں۔

تحصیل علوم: (والد ماجد) حضرت مجدد الف ثانیؒ، برادر بزرگ خواجہ محمد صادق صاحبؒ اور حضرت شیخ طاہر صاحب لاہوریؒ (خلیفہ حضرت مجددؒ) سے عقلی ونقلی علوم حاصل کئے، تجوید وقراءت میں اعلیٰ کمال حاصل کیا، اور صرف سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فراغت پا کر خدمت تدریس شروع کردی، اور اسی طرح سلوک وطریقت میں کمال حاصل کرلیا۔

(مکتوبات خواجہ معصومؒ جلد ۳۔ وحالات مشائخ نقشبندیہ ۲۷۲ وغیرہ)

علمی کمالات: روایت ودرایت احادیث، اصول حدیث، سند اور اسماء رجال

میں مہارت اور حذاقت کے مالک تھے ،تفقہ اور فقہی بصیرت میں اعلیٰ دستگاہ حاصل تھی۔

آپ کی فقہی تحقیق وتدقیق بسااوقات حضرت مجدد صاحب کے اشکالات کے لئے اطمینان کا باعث بنتی تھی،حضرت مجدد صاحبؒ اس بے نظیر مہارت وبصیرت سے مسرور ہو کر دُعائیں دیتے ،اپنی خوش نصیبی پر ناز اور فضل ایزدی کا شکرادا کرتے۔

ف: اس سے بڑھ کرخوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ کسی کی اولاد نجابت وشرافت اور علمی وباطنی کمالات سے مشرف ہوں۔چنانچہ کسی نے خوب کہا ہے ؎

نِعَمُ الْاِلٰهِ عَلَى الْعِبَادِ كَثِيْرَةٌ اَجَلُّهُنَّ نَجَابَةُ الْاَوْلَادِ

یعنی اللہ کی نعمتیں بندوں پر بہت زیادہ ہیں مگر ان میں سب سے جلیل القدر نعمت اولاد کی نجابت وشرافت ہے۔(مرتب)

زہد وتقویٰ: ابتدائے شعور سے پابندی شریعت،تقویٰ اورطہارت میں والد بزرگوار کا نمونہ تھے،اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حریص اور ہر ایک موقع پر عزیمت پر عمل کے عادی تھے۔(۱)

---

(۱) شریعت نے بعض اوقات عوام کی سہولت کے لئے احکام میں گنجائش پیدا کر دیتی ہے، جیسا کہ مجدد صاحب کے حالات میں پڑھ چکے ہو کہ ظالم بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لئے یہ بھی جائز ہوسکتا تھا کہ سجدہ سلطانی کی کوئی تاویل کرلی جاتی ،چنانچہ شاہ جہاں نے اسی کا مشورہ دیا تھا، مگر حضرت نے اس کو منع فرمادیا،ایسے موقع پر اصل حکم پر بلا تاویل عمل کرنا عزیمت کہلاتا ہے، اوراس گنجائش کو رخصت کہتے ہیں۔(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۳۵۲)

دنیاوی تدبیر وتدبر: اخروی معاملات میں کمال عقل کے ساتھ دنیوی معاملات میں بھی تدبّر اور حسن تدبیر کے مالک تھے، حضرت مجدد صاحبؒ اکثر معاملات میں ان سے مشورہ فرماتے ،اوران کی رائے کو پسند فرماتے۔

روحانی کمالات: (حضرت مولانا سید غلام علی شاہ صاحب دہلوی مجدد مائۃ اثناعشر) کی مجلس میں ذکر آیا کہ حضرت مولانا قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی فرمایا کرتے ہیں کہ مجدد صاحب کے دونوں صاجزادے تجدید ملت اور مجددیت میں حضرت مجدد صاحب کے شریک ہیں۔

جمال ظاہری: باطنی جمال وکمال کے ساتھ ظاہری جمال بھی اس درجہ تھا کہ دیکھنے والا فریفتہ ہوجاتا تھا۔

حج بیت اللہ شریف: عالمگیراور داراشکوہ میں چشمک رہا کرتی تھی،حضرت موصوف حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے، عالمگیر حاضرِ خدمت ہوا،دُعاکی درخواست کی۔

آپ نے فرمایا:

جوترویج شریعت کا عہد کرے گا وہ کامیاب ہوگا۔عالم گیر نے عہد کیا،فرمایا ’’ان شاءاللہ کامیاب ہوگے‘‘۔(حالات مشائخ نقشبندیہ:ص/۲۷۴)

زیارت حرمین شریفین کے موقع پر کمالات روحانی کے اعلٰی مدارج طے کئے اور پھر بعافیت واپسی ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اہم مکتوب آپ کے نام

اے فرزند! یہ فقیر جتنا غور کرتا ہے اور نظر دوڑاتا ہے کوئی علاقہ ایسا نہیں پاتا

جہاں پر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا نور دعوت ، مانند آفتاب ہر جگہ پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج وماجوج (کے علاقے) میں بھی جن کے لئے سد (ذوالقرنین) حائل ہے۔

قبل بعثت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم امم سابقہ میں جب غور کرتا ہوں تو کم مقامات ایسے پاتا ہوں کہ جہاں کسی پیغمبر کی بعثت نہ ہوئی ہو، حتیٰ کہ زمین ہند جو (بظاہر) اس معاملہ سے دور معلوم ہوتی ہے یہاں پر بھی پاتا ہوں کہ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع مطلق کی دعوت انھوں نے دی ہے۔ بعض بلاد ہند میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا انوار انبیاء ظلمات شرک کے اندر مشعلوں کی طرح روشن ہیں۔ اور یہ بھی دیکھتا ہوں کہ ایک پیغمبر وہ ہے جس پر کوئی ایمان نہیں لایا اور کسی نے اس کی دعوت قبول نہیں کیا۔ ایک پیغمبر وہ ہے کہ اس پر صرف ایک آدمی ایمان لایا ہے۔ ایک اور ہے کہ دو آدمی اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور بعض پر تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لانے والے نظر نہیں آئے۔ اس مقام پر کوئی کوتاہ اندیش یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمین ہند میں انبیاء مبعوث ہوئے تھے تو ان کی بعثت کی خبر یقینی طور پر ہم تک پہنچتی ، اور وہ خبر اسباب نقل کی کثرت کی وجہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہوتی۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو یہاں انبیاء بھی مبعوث نہیں ہوئے۔ میں کہتا ہوں کہ ان پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی، بلکہ بعض کی دعوت کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھی۔ بعض کی کسی ایک قریہ (گاؤں) یا ایک شہر کے ساتھ مخصوص تھی۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ نے یہاں کسی قوم یا قریے میں کسی شخص کو اس دولت نبوت سے مشرف فرمایا ہو، اور

اس نے اس قوم کو یا اہل قریہ کو معرفت صانع کی دعوت دی ہو، غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہو، مگر اس قوم یا اہل قریہ نے اس پیغمبر کا انکار کیا ہو اور اس کی تضلیل وتجہیل کی ہو۔ جب ان لوگوں کا انکار اور کفر حد کو پہنچ گیا ہوگا تو نصرت وغیرت حق نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا ہوگا۔ اسی طرح بعد کچھ مدت کے کوئی دوسرا نبی کسی قریے یا قوم میں مبعوث ہوا ہوگا اور اس نے بھی دعوت معرفت صانع مطلق دی ہوگی، اور غیر اللہ کی پرستش سے منع کیا ہوگا، اس کے ساتھ بھی انکار وتکذیب کا معاملہ کیا ہوگا۔ (نتیجے میں) اس قوم کو بھی ہلاک کر دیا گیا ہوگا۔ اور اسی طرح جب تک اللہ نے چاہا، ہوتا رہا ہوگا۔ (اسی بنا پر) زمین ہند میں قریوں اور شہروں کے اندر بہت سے آثار ہلاکت پائے جاتے ہیں۔

خبرِ نبوت انبیاء مبعوثہ علیہم السلام کی اس وقت ہم تک پہنچی کہ جماعت کثیر ان پر ایمان لاتی اور وہ پیغمبر قوت پیدا کر لیتے۔ ایک پیغمبر آیا چند روز دعوت دی اور گزر گیا کسی نے اس کی بات کو قبول نہ کیا۔ دوسرا آیا اور کار دعوت انجام دیا، اس کا ماننے والا ایک ہوا۔ اور کسی کے فقط دو یا تین ماننے والے ہوئے۔ ایسی صورت میں خبر کیسے منتشر ہوتی۔ درانحالیکہ تمام کفار مقام انکار میں تھے اور اپنے آباء واجداد کی مخالف طریقے کو رد کر رہے تھے۔ اس حالت میں ناقل کون ہوتا اور نقل کس کے سامنے کرتا۔ (تجلیات ربانی:۱۸۹)

وفات: عالمگیرؒ نے دہلی تشریف لانے کی درخواست کی ،حضرت موصوف نے معذرت فرمائی ،مگر جب عالمگیرؒ کا اصرار زیادہ بڑھا ،آپ دہلی تشریف لائے۔

آپ دہلی میں قیام فرما تھے کہ مرض کا آغاز ہوا، امید زیست منقطع ہونے لگی،

تو آپ نے چاہا کہ سرہند پہونچ جائیں، پالکی کے ذریعہ سرہند روانہ ہوئے راستہ میں ''سنبھالکہ'' مقام پر بتاریخ ۲۷/جمادی الثانیہ ۱۰۷۰ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ۶۵ سال عمر پائی۔

ستر، اسی سال کے بعد بھی جسم مع کفن محفوظ تھا

جنازہ مبارکہ سرہند پہونچایا گیا، اور حضرت مجدد صاحب کے مقبرہ میں سپرد خاک کیا گیا، ستّر، اسّی سال کے بعد کثرت بارش کے باعث قبر مبارک بیٹھ گئی۔ جنازہ کھل گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ جسم شریف مع کفن بجنسہٖ محفوظ تھا اور خوشبو سے مہک رہا تھا۔ (حالات مشائخ نقشبندیہ: ص/۲۸۹)

آپ کے پانچ فرزند اور بہت سے خلفاء آپ کے بعد آپ کے علوم ومعارف کے وارث بنے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ص/۲۴۹ تا ۲۵۵)

حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندیؒ المتوفی ۱۰۷۹ھ

نام ونسب وولادت: آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند ثالث تھے، ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ کو پیر کے دن پیدا ہوئے ، حضرت امام ربانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ محمد معصوم کی ولادت باسعادت میرے لئے نہایت ہی مسعود ومبارک ثابت ہوئی کہ ان کی ولادت سے چند مہینے بعد میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت اقدس میں پہونچ کر ان سے بیعت ہوا ، اور بیعت سے مشرف ہو کر جو کچھ دولتِ روحانی حاصل ہوئی وہ ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے بعض کتب درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ سے پڑھیں، اور اکثر کتب درسیہ اپنے والد ماجد اور شیخ محمد طاہر لاہوریؒ سے، صاحب زبدۃ المقامات (خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ) تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت مجددؒ کو یہ فرماتے سنا کہ:

''محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کو یومًا فیومًا اقتباس کرنا ایسا ہے جیسا کہ صاحب شرح وقایہ کا اپنے دادا سے وقایہ کا حفظ کرنا۔

حضرت مجددؒ اپنے صاحبزادے کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: ''بیٹا! ان علوم (معقول ومنقول) کی تحصیل سے جلد فارغ ہو جاؤ، ہم کو تم سے بڑے کام لینے ہیں''۔

سولہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کو حاصل کر لیا تھا، تین ماہ کے قلیل

اُصے میں قرآن مجید بھی حفظ کیا، اپنے والد ماجد کی نگرانی میں ہی مراحل سلوک کو طے کیا، اور خلافت حاصل کی، اپنے والد ماجد کے وصال (سنہ ۱۰۳۴ھ) کے بعد مسندِ ارشاد پران کے جانشین کی حیثیت سے متمکن ہوئے، اور عُرب وعجم کو اپنے روحانی کمالات سے مستفیض فرمایا۔ حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج وزیارتِ حرم کا شرف حاصل کیا، ہندوستان آکر سرہند میں اپنی عمر عزیز کو درس وتدریس اور افادہ میں صرف کیا، علاوہ ارشاد و ہدایت کے درس وتدریس آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، تفسیر بیضاوی، مشکوۃ شریف، ہدایہ، عضدی اور تلویح طلباء کو پڑھاتے تھے۔

آپ کی صفات وکمالات: شیخ مراد بن عبداللہ القزانیؒ نے ذیل رشحات میں لکھا ہے کہ خواجہ محمد معصومؒ اٰیَۃٌ مِنْ اٰیاتِ اللہ تھے، انہوں نے اپنے والد ماجد کی طرح تمام عالم کو منور کیا، اور اپنی توجہات عالیہ کی برکت سے جہل وبدعت کی تاریکیوں کو چھانٹ دیا تھا، آپ کی صحبت اقدس کی تاثیر سے ہزاروں انسان روحانیت کے اونچے مقام پر قائم ہو گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ کے مریدین کی تعداد نو لاکھ تھی، اور خلفاء سات ہزار تھے، آپ کے مکتوبات کی تین جلدیں ہیں جو شائع ہو چکی ہیں، ان مکتوبات میں اسرار الٰہیہ، نکات عجیبہ اور علوم بدیعہ مندرج ہیں، اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا جذبہ ہر ہر صفحے سے ہویدا ہے،۔ بہت سے مکتوبات وہ ہیں جو معارف مجدد الف ثانی کی تشریح وتوضیح کرتے ہیں۔

آپ کی قدر ومنزلت اورنگ زیب عالمگیر کی نظر میں: سلطنت مغلیہ کے اہم ترین فرمانروا علم دوست متبع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم وملت کے ساتھ عدل وانصاف کے پیکر اورنگ زیب عالمگیرؒ آپ سے بیعت

ہوئے، عالمگیرؒ کا شمار آپ کے مخلص مریدوں میں ہوتا ہے، مکتوبات معصومیہ میں کئی مکتوب عالمگیرؒ کے نام ہیں ، جن سے باہم قلبی و روحانی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

نیز جہانگیری، شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے بڑے بڑے امراء آپ کے ارادت مندوں میں تھے، اس زمانے کے بڑے بڑے علماء آپ کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے، نواب مکرم خاں جو لاہور کے گورنر تھے آپ کے ہی مرید و معتقد تھے ، سب کچھ ترک کر کے سرہند میں آگئے تھے، ایک مرتبہ عالمگیرؒ نے نواب مکرّم خاں سے ان کی عمر دریافت کی، نواب صاحب نے بتایا کہ میری عمر چار سال ہے، عالمگیرؒ یہ سن کر مسکرائے، نواب مکرم خاں نے ان سے کہا کہ تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، میں جتنی مدت (یعنی چار سال) اپنے مرشد کی خدمت میں رہا ہوں درحقیقت وہی میری اصلی عمر ہے، باقی تو وبالِ آخرت ہے۔

علم منطق کے مشہور زمانہ صاحب تصنیف استاذ میر زاہد آپ ہی کے مرید تھے، اور بقول صاحب روضۃ القیومیہ آپ کے خلیفہ تھے۔

فارسی کے مشہور شاعر ناصر علی سرہندی بھی آپ کے مرید تھے ، انہوں نے منجملہ اور اشعار کے اپنے پیر و مرشد کی شان میں یہ شعر بھی لکھا ہے ۔

چراغِ ہفت منزل خواجہ معصومؒ منور از فروغش ہند تا روم

خواجہ معصومؒ ساتوں منزل کے چراغ ہیں، جن کے فروغ سے ہند سے روم تک منور ہے۔

انکے علاوہ اور بھی بہت سے مشہور اور باکمال حضرات ہیں جنہوں نے

خانقاہِ معصومیہ سے اخذ فیض کیا ہے۔

آپ کو اپنے والد ماجد کے اسرار و معارف پر بہت آگاہی حاصل تھی، جو معارف مکتوبات و تصنیفات حضرت مجددؒ میں درج نہیں ہوسکے وہ آپ کے پاس محفوظ تھے، ہندوستان کے مشہور ماہر شریعت وطریقت بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا سلسلہ دو واسطوں سے آپ تک پہونچتا ہے، اور صرف حضرت مرزا صاحب شہیدؒ کے ذریعہ کُرۂ ارضی پر بسنے والے لاکھوں نفوس نسبتِ مجددیہ سے فیضیاب ہوئے ہیں، دیگر تمام خلفاء اور خلفاء کے خلفاء سے جو گلشن دین کی آبیاری ہوئی، اس کا اندازہ کوئی کیا لگا سکتا ہے؟ حضرت خواجہؒ کی یہ مختصر سوانح حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ارقام فرمائی ہے، اسکے بعد آپ کے مکتوبات کی تلخیص و ترجمہ درج فرمایا ہے، جو نہایت مفید اور مؤثر ترین مضامین پر مشتمل ہے، اسی سے چند اقتباسات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

ارشادات

شریعت کی پابندی: شریعت کی پابندی و اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ایک طالبِ حق کو تحریر فرما رہے ہیں:

"مخدوما، اللہ تعالی نے انسان کو مہمل پیدا نہیں کیا اور اس کو اسی کی مرضی پر نہیں چھوڑ دیا ہے کہ جو دل میں آئے کرے، اور خواہش نفس کے مطابق زندگی گذارے بلکہ اللہ تعالی نے اوامر و نواہی کا مکلف کیا ہے اور گوناگوں احکام کا اس کو مخاطب بنایا ہے، لہذا اس کے بغیر چارۂ کار نہیں؛ اگر ایسا نہ کرے گا تو مولائے حقیقی کے غضب و قہر اور عذاب و عقوبت کا مستحق ہوگا، وہ لوگ بڑے خوش نصیب

ہیں جو تعمیل حکم مولیٰ میں کمر ہمت باندھے ہوئے ہیں اور پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

دنیا زراعت کی جگہ ہے اور زراعت کے وقت عیش و آرام میں مشغول ہونا اور فانی لذتوں میں مبتلا ہونا اپنے آپ کو سرمدی آرام سے جدا رکھنا ہے، عقل دوراندیش لذّات باقیہ مرضیہ کو چھوڑ کر لذّات فانیہ مبغوضیہ پر ہرگز فریفتہ نہیں ہوسکتی''۔

طریقۂ صوفیہ: اسی مکتوب میں طریقہ صوفیہ کے سلوک کی طرف ترغیب دیتے ہوئے ارقام فرمارہے ہیں کہ سلوکِ طریقۂ صوفیاء بھی ضروری ہے تاکہ معرفتِ حق حاصل ہوجائے اور خواہشات نفسانی کی آویزش سے نجات ملے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو بندہ اپنے مولیٰ کی معرفت سے خالی ہے وہ کیسے اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور کس طرح دوسری چیزوں سے مانوس ہے، حالانکہ اس کا حال یہ ہونا چاہئے تھا۔

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل راکہ مدام　　　دل تُرا می طلبد دیدہ تُرا می خواہد

(ترجمہ: اپنی آنکھ اور دل کو کسی دوسری چیز کے ساتھ کیسے مشغول کروں جب کہ دل آپ ہی کو ڈھونڈھتا ہے اور آنکھ بھی آپ کے ہی دیدار کی طلبگار رہتی ہے۔(مکتوبات معصومیہ: ص ر ۲۰ تا ۲۳)

تصوف کا تعارف: ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ تصوف اضطراب و بے چینی کا نام ہے، جب سکون آگیا تصوف نہ رہا، طالب بے اضطراب اور بے سوزش نہیں ہوتا۔ کوئی عارف بغیر درد و حُزن کے نہیں ہے، جب فخر کائنات علیہ افضل الصلوات، دوام فکر اور تواصل (مسلسل) حزن کے ساتھ موصوف تھے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔(مکتوبات معصومیہ: ص ر ۲۵)

ہماری عزت کا مدار: یاد رکھو! ہماری عزت ایمان و معرفت کے ساتھ وابستہ ہے، مال و جاہ کے ساتھ نہیں، تکمیل ایمان میں کوشش کرو اور مراتب معرفت حاصل کرنے میں جدو جہد کرو، جتنا بھی اس مقصد اعلیٰ میں مشقت جھیلو گے اتنا ہی زیبا و مستحسن ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے تمام غموں کو ایک غم یعنی غمِ آخرت بنا وے گا اللہ تعالیٰ اس کے تمام غموں کو دور کر دے گا۔

(مکتوبات معصومیہ: ص ر ۳۷)

تعمیر باطن کی اہمیت: فرماتے ہیں کہ جس کے دو دن مساوی گذریں وہ گھاٹے میں ہے، اپنے اوقات کو وظائف وطاعات میں مصروف رکھو، اس فرصت قلیلہ کو تعمیر باطن اور تنویر قلب میں لگا دو۔ تعمیر ظاہر تخریب باطن کا سبب ہے اور تخریب ظاہر تعمیر باطن کا، اور ہم بوالہوس تعمیر ظاہری کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، بھلا باطن کی ایسی صورت میں کیا خاک خبر گیری ہو سکے گی۔ (مکتوبات: ص ۳۸)

ف: سبحان اللہ! اس سے تعمیر باطن اور تنویر قلب کی کس قدر عظمت و اہمیت معلوم ہوئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے مشرف فرمائے۔ آمین (مرتب)

اتباع سنت: اتباع سنت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں:

اتباع سنت میں کوشش کرو۔ بدعت اور اہل بدعت سے دور رہو، صحبتِ صلحاء وفقرائے پابند شرع کی طرف راغب رہو، جس جگہ خلاف شرع دیکھو وہاں سے گریزاں اور یکسو ہو جاؤ۔

عاشق صادق وہ ہے جو متابعت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر راسخ ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ سے اسی حقیقت کا اظہار ہو رہا

ہے۔(مکتوبات معصومیہ:ص/۵۵)

ایک طالب کو نصیحت کرتے ہوئے ارقام فرمارہے ہیں کہ:۔

سید الطائفہ حضرت جُنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ کامیابی کے تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے راستے کے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نشان قدم کی پیروی کرے۔

سید الطائفہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ ”مقربین صادقین کا راستہ درحقیقت کتاب وسنت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ علماء جو شریعت وطریقت پر عامل ہیں اور وارث النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہلانے کے مستحق ہیں وہ اقوال، اخلاق اور افعال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متّبع ہوتے ہیں۔

ف: معلوم ہوا کہ متبع سنت ہونے کے لئے صرف اقوال وافعال کی اتباع کافی نہیں ہے بلکہ احوال باطنی میں بھی متبع ہونا ضروری ہے۔(مرتب)

مکرر لکھتا ہوں کہ آداب نبوی کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی کے چھوڑنے والے کو ہرگز ہرگز عارف خیال نہ کرنا۔اس کے ظاہری تبتّل وانقطاع خوارق عادات وزہد وتوکل اور زبانی معارِف توحیدی پر فریفتہ وشیفتہ نہ ہوجانا۔

ف: سبحان اللہ! یہ تھے علمائے ربانی جنہوں نے حقیقتِ راہ کو صاف صاف بیان فرمادیا اور طریق کو بالکل واضح فرمادیا،اب ان تصریحات کے بعد بھی کوئی گمراہ ہو تو اس کا قصور ہے نہ کہ ان علماء ومشائخ کا۔(مرتب)

مدارکار: مدارکار، اتباع شریعت پر ہے اور معاملہ نجات، پیرویٔ نقش قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مربوط ہے،محق ومبطل میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز،اتباع

پیغمبر ہی ہے، زہد وتوکل اور تبتل بغیر اتباع رسول کے، نامعتبر ہیں، اذکار وافکار اور اشواق واذواق، بے توسل سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مفید ہیں، خوارق عادات کا دارومدار، بھوک اور ریاضت پر ہے، اس کو معرفت سے کیا تعلق۔

ف: سبحان اللہ! کیسی معرفت کی بات فرمائی کہ جب کوئی بھوکا پیاسا رہ کر ریاضت ومحنت کرتا ہے تو خوارق عادت کا صدور ہوتا ہے، اس کا بزرگی اور معرفت وکرامت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ (مرتب)

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے فرمایا: جس نے آداب سے سستی برتی وہ سنن سے محروم ہوگیا، جس نے سنن سے غفلت اختیار کی وہ فرائض سے محروم ہوا اور جس نے فرائض سے تہاون (سستی) کیا وہ معرفت سے محروم ہوگیا۔

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے، انہوں نے فرمایا: ہاں گھاس کا تنکا بھی پانی پر چلتا ہے، یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے، پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے، فرمایا: ٹھیک ہے، چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں، پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے، فرمایا: اس میں کیا رکھا ہے؟ شیطان تو ایک دم میں مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے، ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

مردِ حق کی علامت: ''مردِ حق دراصل وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست وبرخاست رکھے، بیوی بچے رکھتا ہو اور پھر ایک لحظہ خدائے اُوجل سے غافل نہ رہے۔''

شیخ علی ابن ابی بکر قدس سرہٗ نے معارج البدایہ میں فرمایا ہے کہ ہر انسان

کا حسن وکمال تمام امور میں ظاہرً او باطناً، اصولاً وفروعاً ،عقلاً وفعلاً ،عادۃً وعبادۃً کامل اتباع رسول میں مضمر ہے۔(ص:۳۶)

اسی مکتوب میں آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''انسان کو چاہئے کہ ورع وتقویٰ کو اپنا شعار بنائے اور منہیات میں قدم نہ رکھے، کیوں کہ اس راہ سلوک میں نواہی سے باز رہنا (درحقیقت)اوامر کے امتثال سے زیادہ ترقی بخش اور سودمند ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ، جو چیز تجھے شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دے۔

اگر اپنے اہل وعیال کے لئے تجارت یا اس کے مانند کوئی حلال کسب کرے تو وہ مضر نہیں بلکہ مستحسن ہے، کیونکہ سلف نے اس کو اختیار کیا ہے، احادیث میں کسب کی فضیلت پر بہت کچھ بیان کیا گیا ہے، اگر کوئی توکل اختیار کرے تو یہ بھی بہتر ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پھر کسی سے طمع نہ رکھے۔(ص ر ۶۴)

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

''کھانا کھانے میں اعتدال کا خیال رکھے، حضرت خواجہ نقشبندؒ کا ارشاد ہے کہ لقمۂ تر کھاؤ لیکن (دینی) کام خوب کرو۔''

اولیاء اللہ کی پہچان: اسی مکتوب میں آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''حضرت محمد بن سالمؒ سے لوگوں نے دریافت کیا'' اولیاء کی پہچان کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا اولیاء کی علامات یہ ہیں۔ لطف لسان، حسن اخلاق، بشاشت چہرہ، سخاوت نفس، قلت اعتراض، عذر خواہ کے عذر کو قبول کرنا، تمام مخلوق

پر شفقت کرنا خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار۔

سید الطائفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ:

دنیا کی تمام حاجتوں میں کامیابی کا راز ان حاجتوں کے ترک کردینے میں پوشیدہ ہے جب دل ایک جانب (اللہ کی طرف) ہوجائے گا اللہ تعالیٰ سب کام پورے کردے گا۔

حدیث میں ہے ''جو شخص اپنے تمام غموں کو ایک غم (غمِ آخرت) بنادے گا اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے تمام کام بنادے گا۔ نیز ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تیرے اوپر مہربان کردے گا کہ وہ تیرے کاموں کو (خود بخود) انجام دیں گے۔

اہل و عیال کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہئے اور بقدر ضرورت ان سے اختلاط ہو تا کہ ان کا حق ادا ہوجائے ''موانست تام'' ان سے نہ ہو، اس صورت میں اللہ تعالیٰ سے اعراض کا اندیشہ ہے، احوال باطن نااہل سے نہ بیان کئے جائیں، مالداروں سے حتی المقدور میل جول نہ رکھا جائے۔ عیوب مردم پر نظر نہ کرے، اور اپنے عیوب ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ (ص:۲۶)

قلت معیشت سے تنگ دل نہ ہو، عیش کا زمانہ تو آگے آرہا ہے، ''اللھم لا عیش الاعیش الآخرہ'' (مسلم) یہاں کی تنگی وہاں کی فراخی کا سبب ہوجائے گی۔

فقراء اور اخوان دینی کی خدمت میں کوتاہی نہ کی جاوے صوفیاء کی خدمت آداب کے ساتھ کرے، تا کہ ان کی برکات سے بہرہ ور ہوجائے ''الطریقۃ کلھا آداب'' کوئی بے ادب خدا رسیدہ نہیں ہوا۔ (ص:۲۸)

حضرت خواجہ محمد معصومؒ ان نصائح کے ارقام کرنے کے بعد اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

دادیم ترا از گنج مقصود نشان گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

یعنی تم کو خزانۂ مقصود کا نشاں بتلا دیا، لہذا اگر ہم نہ پہنچ سکے تو شاید تم ہی وہاں تک پہونچ جاؤ۔

ف: اس مکتوب میں عجیب وغریب نصائح مذکور ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ سبھی کا مطالعہ کیا جائے، تاکہ عمل کا جذبہ ابھرے اور کامیابی نصیب ہو۔ واللہ الموفق (مرتب)

اپنے جیسے عاجز سے چاپلوسی کا براحشر: ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں:

''مخدوم من! بندۂ عاجز جب اپنے جیسے عاجز بندے سے چاپلوسی، التجاء اور لجاجت کرے تو اس کا یہی حشر ہونا چاہئے کہ ذلت وخواری میں مبتلا ہو؛ کیوں نہیں! درگاہ غنی مطلق میں تضرع وزاری کرتا، درحقیقت وہی ذات عالی اس لائق ہے کہ اس کے سامنے التجاء کی جاوے، اسی کے کرم سے مشکلات حل ہوتی ہیں، (اس کے علاوہ کوئی اس کے قابل نہیں) رزق کی وسعت اور تنگی اسی کی طرف سے ہے؛ نہ کہ اس کے غیر کی طرف سے،''وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔''(سورۂ یونس)

ترجمہ: اگر پہونچادے اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی پریشانی، نہیں اس کو کوئی دور کرنے والا سوائے اسی کے، اور اگر وہ تجھ کو بھلائی پہونچانے کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی لوٹانے والا نہیں ہے، اور یہ بھلائی اپنے بندوں میں سے جس کو

چاہے عطا فرماتا ہے۔(ص:۱۰۱)

ایک دوسرے طالب کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''طالبان حق کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل سے شاد وخرم رہیں؛ بلکہ لذت گیر ہوں، جو کچھ محبوب حقیقی کی جانب سے آئے وہ محبوب ہے، ایلام ہو یا انعام، نعمت ہو یا نقمت۔''

ظاہری تنگی کے وقت قاعدے کے لحاظ سے تو کشائش وفتوحات معنوی میں اضافہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ خرابیٔ ظاہر، طراوت باطن(باطنی تازگی) کا سبب ہے، بھلا تنگیٔ ظاہر حضور باطنی میں خلل انداز کیسے ہوسکتی ہے؟ جو احوال عجیبہ تنگی سے پہلے کشادگی میں ظاہر ہوتے تھے، وہ تنگی میں کیوں ظاہر نہ ہوں گے، کیا تنگی کوئی بلا ہے؟

نصائح: ایک طالب کو یوں نصیحت فرمارہے ہیں:

دل کو پاکیزہ رکھنا چاہئے، حق تعالیٰ کی جائے نظر(یعنی دل) کو مخلوق کے منظر سے زیب وزینت میں کمتر نہیں کرنا چاہئے، دل کی پاکیزگی ذکر سے وابستہ ہے، لہٰذا ذکر وفکر میں مداومت کریں اور سبق باطن کو عزیز رکھیں۔(ص:۱۰۶)

ایک طالب کو تنگیٔ رزق کے سلسلہ میں یوں ہدایت فرمارہے ہیں:

''مخدوما! رزق کا تنگ کرنا اور کشادہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، کسی کو اس میں دخل نہیں ہے، اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر(اور اللہ تعالیٰ ہی جس کے لئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔)

بندۂ مقبول وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے فعل، ارادے اور تقدیر سے راضی ہو، ماتھے پر بل نہ ڈالے، کشادہ پیشانی اور خوش وخرم رہے، یہ فقر وفاقہ اور تنگیٔ معیشت (کبھی) اپنے ایسے خاص بندوں کو عنایت کرتا ہے، جو مقصود آفرینش دنیا ہوتے ہیں، انسان کی سعادت ہے کہ وہ کسی امر میں ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ شریک ہو جائے، اگر بندہ اس نعمت کی قدر جانے اور راہ صبر ورضا اختیار کرے تو امید ہے کہ کل روز قیامت کو بھی ان بزرگوں کے انوار وبرکات میں شریک ہوگا، اور ان کے دستر خوان کا بچا ہوا اٹھائے گا۔

غمگین، پریشان اور اپنی زندگی سے بیزار نہ ہوں، وہ زندگی جو غفلت میں گذرے؛ البتہ قابل بیزاری ہے، دنیا میں عیش وتنعم کے لئے نہیں لایا گیا ہے، محل عیش تو آگے ہے، اللھم ان العیش عیش الآخرہ، (مسلم شریف) دنیا میں طاعت وعبادت کے لئے لائے گئے ہیں اور یہاں معرفت حق مطلوب ہے، اگر ان امور مطلوبہ میں خلل ونقصان آئے تو جائے افسوس ہے، دنیا ومافیہا اس قابل نہیں کہ اس کے فقدان پر زندگی سے تنگ آجائیں، اس لئے کہ دنیا کی تنگی آخرت کی کشادگی کا سبب ہے۔ والسلام اولاً وآخراً۔ (ص:۲۷۹)

ف: سبحان اللہ! یہ نصائح کیسی ایمان افروز اور تسلی بخش ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ہماری زندگی کو بنائے اور سنوارے تاکہ خیر دنیا وآخرت نصیب ہو۔ آمین (مرتب)

حسن اخلاق کے فضائل: اس مکتوب میں حسن خلق باخلائق کے فضائل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''نیک سلوکی، خندہ روئی، حسن خلق اور مخلوق کے معاملات میں نرمی

وسہولت کو رضامندئ حق تعالیٰ کا ذریعہ، سبب نجات اور واسطۂ ترقی مدارج سمجھو، حدیث شریف میں آیا ہے: الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیاله، ترجمہ: مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے، لہذا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے، جو اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے بہت سے ارشادات نقل فرمائے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ بندے کی مدد پر رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد پر رہتا ہے۔ (مسلم)

(۲) اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ لوگ ایسے ہیں، جن کو اس نے پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کریں۔ (طبرانی ملخصاً)

(۳) جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں کوشش کرے، اس کا یہ عمل دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہوگا۔ (طبرانی)

(۴) اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کی ادائیگی کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل مسلمان بھائی کو خوش کرنا ہے۔ (طبرانی)

(۵) ایمان میں زیادہ کامل وہ مؤمن ہے، جو اخلاق میں سب سے اچھا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

(۶) حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے کہ تو کشادہ پیشانی کے ساتھ لوگوں کو سلام کرے۔ (ابن ابی الدنیا: ۱۶۲)

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد بطور

تنبیہ یوں رقم طراز ہیں:

''اپنے حال کا ان احادیث کے مضامین سے موازنہ کرو، ان احادیث کی موافقت ہو رہی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو اور اگر موافقت نہیں ہے تو عجز وزاری کے ساتھ اپنا حال ان احادیث کے موافق ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا اور درخواست کرو اور اگر بالفعل ان پر عمل کی توفیق کوئی نہ پائے تو کم از کم اعتراف قصور(۱) تو ہونا ہی چاہئے، اس لئے کہ یہ اعتراف بھی ایک نعمت ہے، پناہ بخدا تعالیٰ اگر کوئی توفیق عمل نہ رکھتا ہو اور خود کو کوتاہ عمل بھی نہ جانے تو یقیناً ایسا شخص کم نصیب ہے۔

ہر کس کہ بیافت دولتے یافت عظیم　　آں کس کہ نیافت دردنا یافت عظیم

ترجمہ: جس نے اسے پالیا، تو وہ دولت عظمی سے شادکام ہوا اور جس نے نہیں پایا تو وہ بھی نہ پانے کے درد وغم سے مشرف ہوا۔ یہ بھی دولت عظیم ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب تنبیہ فرمائی، جسے ہر سالک راہ بلکہ ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنا لازم وضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔ (مرتب)

نہایت بلیغ انداز میں جوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمارہے ہیں:

''جوانان مستعدین سے افسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ہائے عالی کو اس دنیائے دوں میں مصروف کئے ہوئے ہیں اور اسی قحبۂ غدار کے فریفتہ ہو گئے

---

(۱) حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا ایک رسالہ ''اعتراف ذنوب'' ہے، اس کا مطالعہ نہایت مفید ومؤثر ہے، اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے اس کے ساتھ اعتراف قصور سے متعلق اس حقیر نے مضامین لکھے ہیں اس کو بھی علماء نے پسند فرمایا ہے، لہذا اس کا بھی مطالعہ فرمائیں تو مسرور ہوں گے بلکہ متاثر ہوں گے۔ واللہ الموفق (مرتب)

ہیں، وہ جواہر نفیسہ کو چھوڑ کر چند خزف ریزوں (کنکریوں) میں پھنسے ہوئے ہیں، جمال مطلق تاباں ہے اور راہ آمد ورفت کشادہ، لیکن ہم ایسے پست فطرت ہیں کہ اس جمال سے محجوب ومہجور ہیں ۔

در جہاں شاہدے وما فارغ　　در قدح جرعۂ وما ہوشیار

یعنی: تعجب ہے کہ دنیا میں معشوق حقیقی موجود وآشکارا ہے اور ہم اس سے غافل ہیں اور قدح شراب محبت سے لبریز ہے اور ہم ہوشیار بیٹھے ہیں، یعنی اسے پی کر مست و بے خود نہیں ہو جاتے۔ (مرتب)

ایک طالب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمارہے ہیں:

ہر وارد جو قلب پر گزرے اس کے چھپانے میں کوشش کریں، وقائع اور منامات پر اعتماد نہ کریں، اگر کوئی خواب میں بادشاہ یا قطب وقت ہو جائے تو اس سے کیا ہوتا ہے، بادشاہ وقطب وہ ہے جو خارج میں منصب بادشاہت اور منصب قطبیت پر فائز ہو، اگر بالفرض خارج میں بھی کوئی بادشاہ ہو گیا اور کائنات اس کی مسخر ہو گئی تو کون سی بزرگی اس کو حاصل ہو گئی اور کون سا عذاب گور اور عذاب قیامت اس سے رفع ہو جائے گا؟

گر دیو مسخر تو گردد　　زیں ہر دو چہ حاصل تو گردد

ترجمہ: اگر دیو تیرا مسخر ہو گیا تو ان دونوں سے تجھے کیا چیز حاصل ہو جائے گی۔ یعنی نہ زندگی حاصل ہو گی اور نہ عذاب سے نجات ملے گی۔

بلند ہمت لوگ اس قسم کے امور کی جانب التفات نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں کوشاں رہتے ہیں، وہ فناء ونیستی اور ستر واردات میں کوشش

کیا کرتے ہیں۔(ص: ۱۷۴)

ف: چوں کہ یہ حضرات اہل اللہ، نعمت باطن سے، بہرہ ور ہوتے ہیں، اس لئے ان کو بادشاہت کی بھی پروانہیں ہوتی اور نہ ان کے دل میں مچھر کے پر کے برابر اس کی وقعت ہوتی ہے، اس لئے اپنے متعلقین کو بھی اس کی ہدایت فرماتے رہتے ہیں اور آخرت کی قدر و منزلت ان کے دلوں میں بٹھلانے کو اپنا وظیفہ و فریضہ سمجھتے ہیں۔(مرتب)

سلطان وقت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے نام طویل مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

ممکن کمال نادانی سے اپنی ذات کو فراموش کئے ہوئے اور اپنی شرارت اور نقص ذاتی سے آنکھ بند کئے ہوئے اپنے کمالات عاریتی کو خیر و کامل خیال کر رہا ہے، اور اپنے کو مبدأ حسنات سمجھے ہوئے ہے، اس نے ایک بنیاد دراز اسی بے بنیاد تخیل پر رکھی ہے، اسی وجہ سے مولائے حقیقی سے دعوائے ہمسری کرتا ہے، یہیں سے رعونیت و انانیت پیدا ہوتی ہے، عجیب معاملہ ہے کہ اصل جو کہ کمال کے ساتھ آراستہ ہے، در پردہ ہے اور نظر سے پوشیدہ ہے، اور ظل جو کہ منبع نقص و شرارت ہے، اپنے کو خواہ مخواہ عنوان اصل کے ساتھ ظاہر کر کے ناظرین پر جلوہ گر ہو رہا ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز　　　بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

ترجمہ: پری تو اپنے رخ کو چھپائے ہوئے ہے اور دیو کرشمہ و ناز میں ہویدا ہے، عقل حیرت سے سوختہ ہوگئی کہ کیا بوالعجبی ہے۔

ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں:

’’اس عالم فانی کی بہترین پونجی اگر کچھ ہے تو وہ درد واندوہ ہے اور اس دسترخوان کی سب سے عمدہ نعمت سوز وگداز ہے، اس جگہ کی بے آرامی آرام ہے اور یہاں کے سوز میں ساز ہے، یہاں پر وصل طلب کرنا دریا کو کوزے میں ڈھونڈھنا اور آفتاب کو طشت آب میں تلاش کرنا ہے، یہ عالم فانی ایک مزرعہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، یہاں پر وہاں کے لئے جس قدر افزونیٔ زراعت کی جائے گی ثمرات بے اندازہ کی امید ہے، یہ دار عمل ہے، دار اجر تو آگے آرہا ہے، وقت عمل میں اجرت طلب کرنا بے کار بات ہے، البتہ اگر کسی خاص بندے کو دنیا ہی میں حکم آخرت عطا فرمادیں کہ اس دنیا ہی میں اس کے اخروی اجر برسائے جائیں اور آخرت کے اجر میں کمی واقع نہ ہو تو یہ ممکن ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرمایا ہے: وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (سورۃ النحل: ۱۲۲) (یعنی ہم نے ان کو دنیا میں حسنہ دیا ہے اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں ہوں گے۔) (ص:۲۹۶)

حضرت مرشدی مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ’’تصوف ونسبت صوفیہ‘‘ میں مکتوبات معصومیہ سے بہت سی بصیرت افروز عبارتیں نقل فرمائی ہیں، جی چاہتا ہے کہ ان کی منتخبہ عبارات میں سے دو عبارت مع ان کے ترجمہ کے درج کروں؛ تاکہ اس کتاب کے قارئین کرام بھی ان سے مستفیض ہوں۔

مقصودِ سیر وسلوک: ایک اور مقام پر سلوک کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ا:۔ مقصود از سیر وسلوک شیخی ومرید گرفتن نیست ،مقصود ازاں ادائے وظائف بندگی است بے منازعت نفس۔	سیر وسلوک سے مقصود پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے؛ بلکہ وظائف بندگی کا اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے۔
ونیز مقصود نیستی وگمنامی است وزوال رعونت وانانیت امارہ کہ معرفت بداں مربوط است۔	یعنی مقصود نیستی اور گمنامی کی تحصیل اور نفس کی سرکشی اور خودرائی کو دور کرنا ہے، اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔(مکتوبات معصومیہ)

ف: بتلایئے! ایسی پیری مریدی میں کیا قباحت ہے، جس کا مقصود وظیفۂ بندگی کی ادائیگی اور نفس کی امارگی اور انانیت کا زوال ہو، اس لئے کہ انہیں رذائل سے پاکی کا نام تو تزکیہ نفس ہے، جس کا امر قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔

مگر افسوس کہ دریں زمانہ اکثر ذہنوں سے پیری ومریدی کے اس مقصود کا استحضار مفقود ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے اس سلسلۂ اصلاح وتربیت سے بھی بدظنی عام ہو رہی ہے اور خیر یہ تو پندرہویں صدی ہی ہے، جو شاید فساد امت کا ہی دور ہے، اس میں جو نہ ہو جائے کم ہے؛ مگر اس سے بہت پہلے مشہور بزرگ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ المتوفی ۷۵۷ھ اپنے زمانہ کی پیری مریدی کے متعلق فرماتے ہیں: آج تو یہ بچوں کا کھیل تماشہ سمجھا جانے لگا ہے۔

بہر حال ہم کارکنان دینی کے لئے لازم ہے کہ ہر شعبۂ دین کو خواہ ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن سے، بغیر نفس کی شرکت کے خلوص وللّٰہیت اور طریقۂ سنت کے

مطابق انجام دینے کی جہد وہمت کریں، تاکہ اس تمسک بالسنۃ پر عنداللہ سوشہیدوں کے اجر وثواب کے مستحق ہوں، جس کا اس حدیث میں بیان ہے "**من تمسک بسنتي عند فساد امتي، فله اجر مائة شهيد**" یعنی جس نے فساد امت کے وقت سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، اس کو سوشہیدوں کا اجر ملے گا۔ (مرتب)

تنویر باطن کے لئے اتباع سنت ضروری ہے:

۲:۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ ایک اور مقام پر نور باطن کی تحصیل کے لئے اتباع سنت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اس مسئلہ پر نہایت زوردار کلام فرمارہے ہیں، چنانچہ کسی طالب کو لکھتے ہیں:

اوقات را بذکر وفکر معمور دارند، ودر تنویر باطن کوشند کہ محل نظر مولی است وتنویر باطن منوط بدوام ذکر ومراقبہ است، و مربوط باداۓ وظائف بندگی واداۓ فرائض وسنن وواجبات و اجتناب از بدعات ومحرمات ومکروہات برقدر کہ در اتباع شریعت وسنت واجتناب ازبدعت کوشیدہ آید، نور باطن بیفزاید وراہے بجناب قدس

اپنے اوقات کو ذکروفکر سے معمور اور آبادرکھواور باطن کو روشن کرنے میں کوشش کرو، اس لئے کہ وہی نظر مولی کا محل ہے اور یہ سمجھ لو کہ تنویر باطن کا تعلق ان امور کے ساتھ ہے، دوام ذکر، مراقبہ، وظائف بندگی کی ادائیگی یعنی اداۓ فرض وسنن وواجبات نیز بدعات ودیگر محرمات ومکروہات سے اجتناب، چنانچہ جو شخص جس قدر بھی اتباع سنت اور عمل بالشریعہ اور اجتناب بدعت میں زیادہ کوشش کرے گا، اتنا ہی زیادہ اسے نور باطن حاصل ہوگا اور حق تعالیٰ کی راہ اس پر

بکشاید، اتباع سنت البتہ منجی است ونتیجہ بخش ورفع درجات احتمال تخلف ندار وماورائے آں خطر درخطر است وراہ شیطان فَالْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالِ دین قویم راکہ بوحی قطعی ثابت شدہ است بترہات اوہام وخیال نمی داشت برداشت، وماعلی الرسول الا البلاغ المبین۔

(مکتوبات معصومیہ)

کھلے گی، بلاشبہ اتباع سنت نجات دینے والی چیز ہے بہرصورت نفع بخش اور درجات کو بلند کرنے والی، اس میں خلاف کا تو احتمال تو ہے ہی نہیں، لیکن اس کے ماسوا جو چیزیں ہیں، ان میں خطرہ ہی خطرہ ہے؛ بلکہ وہ شیطانی راستہ ہے، لہٰذا ان سے بہت اجتناب کرو اور احتیاط کلی رکھو، اس لئے کہ حق کے بعد بجز گمراہی کے اور رہ ہی کیا جاتا ہے، دین متین کو جو کہ وحی قطعی سے ثابت ہے، محض لغو باتوں اور اوہام وخیالات سے تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ بر رسولاں بلاغ باشد وبس۔ (نسبت صوفیہ، ص: ۶۴)

ف: ان ارشادات مذکورہ کو بغور پڑھیں، اس سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جائے گی کہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو طریق حق کی پوری معرفت اور سلوک وتسلیک کے سلسلہ میں کافی مہارت حاصل تھی، چونکہ حضرت خواجہؒ اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار اور ان کا دل اللہ تعالیٰ کی نسبت سے معمور تھا، اس لئے آپ کی عبارات میں بھی کافی صولت اور غضب کی تاثیر محسوس ہوتی ہے، لہٰذا مجال نہیں کہ کوئی بحضور دل ان کا مطالعہ کرے اور متأثر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طلب اور اس کی راہ میں چلنے کے لئے کمربستہ نہ ہو جائے، اسی بناء پر حضرت مصلح الامت

مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے جو نفع وفیض باطنی ہوا وہ مسلم ہے، تاہم مجھے ''مکتوباتِ معصومیہ'' اور ''مکتوباتِ رشیدیہ'' کے مطالعہ سے باطنی نفع بہت زیادہ ہوا۔

چنانچہ ان مکتوبات کے مضامین مفیدہ اپنی مجلسوں میں برابر سنایا کرتے تھے اور بطور سند اپنے بیانات وتصانیف میں پیش فرماتے تھے جس سے سامعین محظوظ ومتاثر رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں کے رب ہیں، اس لئے جیسے ظاہری وجسمانی تربیت کا انتظام فرماتے ہیں، ویسے ہی باطنی تربیت (جو ظاہری تربیت سے بھی اہم اور اولی ہے) کے لئے بھی اسباب مہیا فرماتے ہیں اور ہر دور میں ایسے علمائے ربانیین کو پیدا فرماتے ہیں، جو قرآن مجید اور حدیث شریف کی توضیح وتشریح ایسے الفاظ وعبارات میں پیش کریں، جو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو، اور خود بھی عملی تفسیر بن کر راہ حق کی طرف حکمت وموعظت کے ساتھ دعوت دیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس طریق مستقیم کی معرفت ہو، پھر اس پر چلنا آسان ہو، یقیناً ایسے ہی حضرات رجال اللہ اور خلفاء اللہ فی الارض کہے جانے کے لائق ہیں، مگر اصل مربی بس اللہ رب العالمین ہی ہے، خوب سمجھ لینا چاہئے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ع   از ما وشمارا بہانہ ساختہ اند۔   (مرتب)

وفات: بہتر (۷۲) سال کی عمر میں ۹ ربیع الاوّل ۱۰۷۹ھ کو بعہدِ سلطنت عالمگیرؒ السلام علیکم فرماتے ہوئے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت گزیں ہوئے، آپ کا مزار پرانوار سرہند میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ

ناصر علی سرہندیؒ نے آپ کی تاریخ وفات میں حسب ذیل قطعہ لکھا ہے ۔

چراغ خاندانِ نقشبنداں فروغِ دین احمد خواجہ معصوم
بسوئے گلشن عقبیٰ قدم زد ازیں ویرانہ آبادِ کہن بوم
زدل پُرسیدم ازسالِ فُواتش ندا آمد ز عالم رفت معصوم
سنہ ۱۰۷۹ھ

(روضۃ القیومیہ، مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین، رود کوثر) نزھۃ الخواطر: ج، ۵)

اولاد: آپ کے چھ صاحبزادے تھے ، جو سب کے سب با کمال اور آپ سے فیض یاب تھے ، چھ صاحبزادیاں تھیں، آپ کے ایک خلیفہ شیخ حبیب اللہ بخاریؒ (جو مشائخ خراسان وماوراء النہر میں سے تھے) کے متعلق شیخ مراد بن عبداللہ کے حوالے سے نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ ان شیخ بخاریؒ کے چار ہزار خلفاء تھے، آپ کے صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ محمد صبغۃ اللہؒ (۲) شیخ محمد نقشبندؒ (حجۃ اللہ) (۳) شیخ محمد عبید اللہؒ (مروج الشریعۃ ،جامع مکاتیب) (۴) شیخ محمد اشرفؒ (۵) شیخ سیف الدین (۶) شیخ محمد صدیقؒ ۔ (مکتوبات خواجہ معصومؒ: ص ر ۱۵)".

حضرت شاہ محمد یحییٰ سرہندیؒ المتوفی ۱۰۹۶ھ

نسب وولادت: آپ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ العزیز کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔ ولادت باسعادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی۔ ولادت سے قبل حضرت مجدد صاحب کو الہام ہوا تھا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ اسْمُہٗ یَحْیٰ۔ یہی آپ کی وجہ تسمیہ ہے۔

شاہ کا خطاب: حضرت مجدد صاحب خانقاہ معلی میں رونق افروز ہیں۔ حضرت شاہ سکندر صاحب قادری قدس اللہ سرہ العزیز تشریف لائے جب کہ حضرت مجدد صاحب کے فرزندانِ گرامی کی ہمت عالی اور بہترین استعداد و قابلیت مسلم ہو چکی تھی۔ چونکہ ہر صاحب کمال چاہتا تھا کہ اپنے کمالات کا حصہ ان کو دے کر سلسلۂ خیر کو اپنے سے وابستہ کرے۔

اس لئے حضرت شاہ سکندر نے فرمایا میاں شیخ احمد! اپنا کوئی بیٹا ہمیں بھی دے دو، جو ہماری طرح دانا اور دیوانہ ہو۔

حضرت مجدد صاحب فوراً اس صغیر سن بچہ کو پیش کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ سکندر صاحب نے نوعمر یحییٰ کو آغوش میں لیا۔ اپنی نسبت خاصہ عطا فرمائی، اور فرمایا۔ یہ بچہ ہمارا ہے۔ آج سے اسے ”شاہ“ کہا کرنا۔

شیخ محمد یحییٰ کو شاہ محمد یحییٰ بنا کر حضرت شاہ سکندر صاحب تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت مجدد صاحب بہت مسرور تھے۔ فرماتے تھے۔ ”سبحان اللہ! محمد یحییٰ صغیر سنی سے مقبول اولیاء اللہ ہو گئے“۔

تعلیم وتربیت: شاہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی بلندیٔ استعداد کا اندازہ لڑکپن سے ہوتا تھا۔ حضرت مجدد صاحب نے بعض مقامات وکمالات کی بشارت بھی دی تھی۔ مگر آپ کو افسوس تھا کہ میں عمر کا آخری دور طے کر رہا ہوں۔ بظاہر محمد یحییٰ کی تعلیم وتربیت نہیں کرسکوں گا۔

چنانچہ حضرت شاہ یحییٰ نے ابھی قرآن ہی حفظ کیا تھا۔ آپ کی عمر ابھی صرف ۹ سال تھی کہ حضرت مجدد صاحب نے اس دار فانی کو وداع فرمادیا۔

حضرت مجدد صاحب کی وفات کے بعد برادران گرامی نے تعلیم وتربیت کی نگرانی فرمائی۔ بیشتر علوم نقلیہ وعقلیہ کا درس خود دیا۔ بیس سال کی عمر میں آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔ سلوک باطن ومقامات طریقہ احمدیہ کی تحصیل کی طرف توجہ کی۔ جس کے دو بڑے بھائی اپنے وقت کے قطب ہوں، سلوک باطن اس کے گھر کی چیز ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں مراحل ومقامات سلوک طے فرما کر خود بھی شیخ وقت ہوگئے اور ارشاد وتلقین کے فرائض انجام دینے لگے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم کو آپ سے زیادہ تعلق تھا۔ اورنگ زیبؒ آپ سے بہت زیادہ مانوس اور آپ کا بہت زیادہ معتقد تھا۔ بہت سے دیہات اور املاک حضرت شاہ صاحب کی نذر کئے۔ چنانچہ سرہند میں مثل مشہور ہوگئی۔ اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْمِلْکُ لِیَحْیٰ۔ یعنی ملک دراصل اللہ کا ہے مگر حضرت یحیٰی کا مملوکہ ہے۔

وفات: آپ نے دو مرتبہ حج بیت اللہ ادا کیا۔ ۱۰۹۶ھ میں ۷۲ سال کی عمر پاکر اس دار ناپائیدار سے کوچ فرمایا۔ حضرت مجدد صاحب کے قبہ کی برابر جانب مغرب سرہند میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ (علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۱/ ص ۲۷۵)

حضرت خواجہ محمد عبیداللہ ابن خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ المتوفیٰ ۱۰۸۳ھ

نام ونسب: نام محمد عبیداللہ، لقب مروج الشریعت، والد کا نام خواجہ محمد معصوم عُروۃ الوثقیٰ، دادا کا نام حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت یکم شعبان ۱۰۳۷ھ سرہند میں ہوئی۔

فضل وکمال: ایام طفولیت سے آثار ولایت و ہدایت ناصیۂ مبارک سے ظاہر تھے۔ والدین کو ساری اولاد میں آپ سے بہت زیادہ انسیت تھی۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ آپ کو "میاں حضرت" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک ماہ میں پورا قرآن شریف حفظ کرلیا۔

ایک سوال کا بصیرت افروز جواب: سات سال کا سن تھا کہ مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی تشریف لائے۔ آپ نے امتحاناً فرمایا۔ گویائی زبان کی صفت ہے۔ دل ایک پارچۂ گوشت ہے۔ وہ کس طرح ذکر کرسکتا ہے؟۔

ہفت سالہ طفل نے جواب دیا۔ زبان بھی پارچۂ گوشت ہے۔ جس قادر مطلق نے زبان کو گویائی عطا فرمائی، وہی قلب کو قوت ذکر عطا فرماتا ہے۔

مولانا نے فرمایا۔ نبیرۂ مجددیہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

ف: ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔ (مرتب)

علم، عمل اور تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ سلوک باطن والد ماجد سے حاصل کیا۔ درجۂ قطبیت پر فائز ہوئے۔ عُروۃ الوثقیٰ فرمایا کرتے تھے۔ تم مراتب عروج

ونزول میں میرے رفیق رہتے ہو۔انگشت شہادت اور درمیانی انگشت کی طرف اشارہ کرکے فرماتے،تم میرے پیچھے اس طرح رہتے ہو جیسے انگشت شہادت بیچ کی انگلی کے پیچھے اور ساتھ ساتھ۔

آپ کی صحبت کثیر البرکت تھی۔آپ کے حلقہ میں خلقت کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ بیٹھنے کو جگہ نہ ملتی۔اصلاح وتلقین پابندیٔ شریعت کے باعث آپ کا خطاب ''مروج الشریعت''ہوا۔

وفات: ۱۹ربیع الاول ۸۳ ۱۰ھ یوم جمعہ دہلی سے سرہند واپس ہوتے ہوئے بمقام سنہالکر آپ نے دریافت فرمایا،کیا نماز کا وقت باقی ہے؟ وقت باقی تھا مگر علالت کے باعث وضو کی قدرت نہ تھی۔آپ نے تیمم فرمایا۔پھر پیشانی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔السلام علیکم اس کے بعد نماز کی نیت باندھی۔اور جب پیشانی فرش پر رکھی روح القدس نے اعلیٰ علیین کی جانب پرواز کیا۔قدس اللہ سرہ العزیز۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی ج ر ۱ ص ر ۳۰۰)

حضرت محی السنت شیخ سیف الدین سرہندیؒ المتوفی ۱۰۹۶ھ

نام ونسب: نام سیف الدین، لقب محی السنہ اور مرشد سلطان عالمگیرؒ، والد کا نام حضرت خواجہ محمد معصوم ملقب بہ عروۃ الوثقیٰؒ، دادا کا نام حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ ہے۔

ولادت: ولادت باسعادت ۱۰۴۹ھ بمقام سرہند ہوئی۔

عم محترم خواجہ محمد سعید قدس سرہ العزیز ''خازن الرحمۃ'' نے آپ کی ولادت کے وقت ہاتف کی بشارت سنی، سلام علیہ یوم ولدو یوم یموت ویوم یبعث حیًا۔ یعنی ان پر سلامتی ہے جس دن پیدا ہوئے اور جس دن موت آئے گی اور جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے۔

فضل وکمال: حافظہ نہایت قوی تھا، دماغ سنجیدہ، طبیعت سلیس، صلاحیت اور استعداد نہایت اعلی، فطرت نہایت سلیم، انتہاء یہ ہے کہ گیارہ سال کی عمر میں والد ماجد نے ''فناء قلب'' کی آپ کو بشارت دے دی، علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا، اتباع سنت اور شریعت مطہرہ کی ترویج واشاعت میں اس قدر انہماک واشتغال تھا کہ دنیا نے آپ کو محی السنۃ کا خطاب دیا۔

عہد شباب کا پر کیف دور، محبوب بے چون و بے کیف کے عشق ومحبت کی سرمستیوں سے معمور رہا۔

اتباع شریعت ان حضرات کی گھٹی میں پڑی تھی، امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کے مجاہدات ترکہ میں حاصل کئے تھے۔

سلطان عالمگیر، نظامت ملتان کے زمانے میں عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصومؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکا تھا، ۱۰۷۰ھ میں جب کہ وہ پورے ہندوستان کا بادشاہ ہو چکا تھا، اس نے خازن رحمت حضرت خواجہ محمد سعید صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کو دہلی تشریف لانے کی زحمت دی۔

مگر حضرت خازن رحمت کا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا، آپ بیمار ہو کر دہلی سے واپس ہوئے، اور راستہ ہی میں رحمت خداوندی سے ابدی پیوستگی حاصل کر لی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

اس کے بعد سلطان موصوف حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصومؒ کی خدمت میں تشریف آوری کی درخواستیں اصرار کے ساتھ پیش کرتے رہے۔

مگر حضرت عروۃ الوثقی نے والد ماجد کی وصیت کے بموجب ٹوٹی جھونپڑی کو قصر سلطانی اور پرانی چٹائی کو تخت طاؤس قرار دے رکھا تھا اس لئے قبول نہ فرمایا۔

جب سلطان کو اس درخواست میں ناکامی ہوئی تو کسی خلیفہ کے متعلق التجا کی، جو دہلی رہ کر بادشاہ کی روحانی تربیت کرے۔

روحانیات کے نباض حاذق "حضرت عروۃ الوثقیٰ" نے اسی نوجوان صالح اور شیخ کامل (شیخ سیف اللہ سرہندیؒ) کو سلطان کی تربیت کے لئے مامور فرمایا۔

شیخ سیف اللہ کی حق گوئی: قلعہ معلیٰ کے پھاٹک کے دونوں طرف دو ہاتھیوں کے مجسمے تھے، جن پر فیلبان بھی سوار تھے، آپ جیسے ہی قلعہ کے

سامنے پہونچے، پہلی ہدایت یہ صادر فرمائی کہ ان ہاتھیوں کو توڑوا دیا جائے، چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی، اس کے بعد داخلہ ہوا، ایک روز بادشاہ نے آپ کو حیات بخش باغ کی سیر کی تکلیف دی، جواہر اور موتیوں کی آنکھوں والی سونے کی مچھلیاں اس حوض میں تیر رہی تھیں، حکم صادر ہوا کہ مچھلیوں کو توڑ دو، سونے کو اس کے مصرف میں صرف کرو، ورنہ میں باغ کی سیر نہ کروں گا۔

عالمگیر جیسے زاہد متقشف کو ایسے ہی شیخ کی ضرورت تھی، چنانچہ وہ حضرت عروۃ الوثقی کی طرح ان کے فرستادہ خلیفہ کا بھی گرویدہ ہو گیا اور حضرت عروۃ الوثقی کی خدمت میں اس حسن انتخاب پر شکریہ کا خط لکھا۔

ف: عالمگیر جیسے بیدار مغز اور خوددار بادشاہ کا چوبیس پچیس سالہ نوجوان کے سامنے زانوئے ادب طے کرنا، بادشاہ کے کمال اخلاص اور نوجوان کے کمال استعداد کا بین ثبوت ہے۔ کثر اللہ امثالھم الملوک والشیوخ۔ (مرتب)

بادشاہ کے مکتوب شکریہ کے جواب میں حضرت عروۃ الوثقی کے مکتوب گرامی کا خلاصہ درج ذیل ہے:

الحمد للہ والمنۃ کہ فقیر زادہ منظور نظر ہوا اور اس کی صحبت سے مقصود حاصل ہو گیا، جناب نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر (جو کہ فقیر زادہ کا شیوہ ہے) شکریہ ادا فرمایا، میں نے حضرت حق جل مجدہ کا شکریہ ادا کیا اور آپ کے لئے ترقی مراتب کی دعا کی، کیسی بڑی نعمت ہے کہ شاہانہ طمطراق اور سلطانی حشمت و دبدبہ کے باوجود کلمۂ حق قبولیت حاصل کرے اور ایک فقیر زادہ کی بات اثر انداز ہو۔

حضرت مولانا سیف الدین صاحبؒ کی روحانی تربیت نے سلطان عالمگیر کو سالک طریقت بنا دیا، حضرت موصوف سلطان کی روحانی کیفیات سے والد ماجد کو اطلاع دیتے رہتے، مولانا موصوف کے جواب میں حضرت عروۃ الوثقی کے مکتوب ۲۲۰ رجلد ثالث سے سلطان کی روحانی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

لطائف روحانی (روحانی قوی ملکات) میں ذکر الٰہی کے اثر وسرایت سلطان ذکر اور رابطہ کا حصول، خطرات ووساوس کی کمی، کلمۂ حق کی مقبولیت، بعض منکر اور ناجائز امور کی منسوخیت اور طلب وجستجو کے لوازم کا ظہور وغیرہ وغیرہ، یعنی بادشاہ دین پناہ کے جو حالات آنعزیز نے تحریر کئے ہیں، ان پر خدائے بالا وبرتر کا شکریہ ادا کیا، درحقیقت طبقہ سلاطین میں اس قسم کے حالات عنقاء ونا پید ہیں، الخ۔

اسی طرح مکتوب دوسو بتیس اور مکتوب دوسو بیالیس جلد ثالث میں بادشاہ کے حالات پر مسرت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

جس کا مرید بادشاہ ہو، اس کی قبولیت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے، چنانچہ امراء، وزراء اور محلات شاہی کے تمام خواص سلسلہ عالیہ میں داخل ہو گئے۔

آپ کی مجلس کا حال: سپرد شدہ خدمت کی تکمیل کے بعد حضرت سیف الدین والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد والد صاحب کی وفات ہوگئی، تو آپ کا حلقہ تلقین وارشاد مستقل طور پر قائم ہو گیا۔

آپ پر وجد وشوق کا ایک خاص کیف ہر وقت طاری رہتا، مجلس عالی میں جب آپ بیٹھتے تو اس طرح کہ گویا کوئی عاشق انتظار معشوق میں بیٹھا ہے،

جب کسی کی زبان سے محبوب حقیقی کا نام نامی ''اللہ'' صادر ہوتا تو آپ پر وجد طاری ہوتا، بسا اوقات بے اختیار ہوکر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے۔

ایک شب کو حجرہ کی چھت پر آپ نماز تہجد کی تیاری کر رہے تھے، کہیں سے بانسری کی آواز کانوں میں پڑ گئی، آپ پر وجد طاری ہو گیا، حتی کہ اس سرمستی اور مدہوشی میں چھت سے نیچے گر گئے، دست مبارک پر بہت چوٹ آئی۔

جب ہوش آیا تو فرمانے لگے:

''بترک سماع مارا بے دردمی گویند، بے درد ایشاں اند کہ باستماع سماع صبرمی کنند'' ترجمہ: ہمیں ترک سماع کے باعث بے درد کہتے ہیں، بے درد وہ ہیں جو سماع سن کر صبر کرتے ہیں۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی عالی حال تھا بلکہ مقام تھا۔ (مرتب)

حضرت موصوف کے ایک مرید ایک مرتبہ کہیں محفل سماع میں پہونچ گئے، ایک ہی شعر کان میں پڑا تھا کہ کلیجہ تھام کر بیٹھ گئے، دل پھٹ گیا اور واصل بحق ہو گئے۔

حضرت سیف قدس اللہ سرہ العزیز نے سنا تو فرمایا:

''سماع مہلک دردمنداں ست، لہذا علمائے دین سماع را حرام تصور کردہ اند''

منشاء یہ ہے کہ جو حضرات واقعی اہل دل اور دردمند ہیں، ان کے لئے سماع مہلک ہے، لہذا خودکشی کے مرادف ہوا جو کہ حرام ہے، اور جو لوگ اہل دل نہیں، ان کے لئے لہو ولعب اور تماشہ ہے، لہو ولعب اور بالخصوص مذہب کے پیرایہ میں نہ صرف حرام بلکہ مذہب کے حق میں سخت ترین توہین ہے۔ (معاذ اللہ)

آپ کے اسی درددل کا اثر تھا کہ جو آپ کی مجلس میں ایک مرتبہ حاضر ہوتا اگر نابکار ہوتا تائب ہوجاتا، نیکوکار ہوتا تو واصل مولیٰ ہوجاتا۔

یہ آپ کے دردِدل کا حال ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اتباع سنت اور پابندی شریعت میں آپ کا تقشّف اور زہد وتقوی پہلے بیان ہوچکا ہے۔

آپ کے دستر خوان کا حال: غلام سرور چشتی فرماتے ہیں:

''از صحبت اہل دنیا بغایت احتراز داشتے وبا متمولاں نخوردے''

لیکن اس احتیاط اور تقوی کے باوجود خدا کی دین کا یہ حال تھا کہ حضرت شیخ کے دستر خوان پر روزانہ اوسطاً چار سو مہمان اور درویش حاضر رہتے اور پھر ہر ایک کی فرمائش کے بموجب مہمان خانۂ حضرت شیخ سے کھانا تیار ہوتا تھا۔

ف: کیسا جود وسخا تھا جو ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ وباللہ التوفیق (مرتب)

اور اس تمام تنعم وخوش خوراکی کے باوجود ''سالکان بمقامات بلند وکرامات ارجمند میر سیدند''[۱] ایک مرتبہ کسی صاحب نے غذا میں کمی کرنی شروع کی، حضرت شیخ کو معلوم ہوا تو فرمایا، اس طریقۂ عالیہ کی بنیاد کم خوری پر نہیں، ہمارے بزرگوں نے پابندی شریعت، اتباع سنت اور دوام وقوف قلبی (یعنی ہر وقت قلبی طور پر یاد خدا اور اس کی عظمت وجلال کے تصور) پر اس طریقہ کی بنیاد قائم فرمائی ہے۔

گرسنگی اور چلہ کشی وغیرہ مجاہدات کا ثمرہ، خرق عادات اور کشف وتصرفات ہیں، ہمیں یہ چیزیں مطلوب نہیں، دوام ذکر، دوام توجہ الی اللہ، اتباع سنت اور کثرت انوار وبرکات خداوندی ہمیں مطلوب[۲] ہے۔ بڑے بھائی

(۱) خزینۃ الاصفیاء، ج:۱ص:۶۴۷۔ (۲) خزینۃ الاصفیاء، ج:۱ص:۶۴۷

مولانا حجۃ اللہ صاحب نقشبندحج کوتشریف لے جانے لگے،آپ نے حضرت شیخ سیف الدین صاحب سے فرمایا:

زندگی کا کوئی اعتبارنہیں،میرے بچوں پرنظرعنایت رکھنا،حضرت سیف الدینؒ نے فرمایا:غالباآپ ہی کویہ خدمت انجام دینی پڑے گی،چنانچہ ایساہی ہوا،یعنی ابھی حضرت حجۃ اللہ سفرسے واپس نہ ہوئے تھے کہ حضرت سیف کی وفات ہوگئی۔

وفات: آپ کامعمول تھا کہ ظہراورعصرکے درمیان مستورات کواحادیث سنایا کرتے تھے،ایک روزوقت سے پہلے یہ سلسلہ بندکردیامستورات نے عرض کیا:ابھی وقت باقی ہے،فرمایا:اب محمداعظم سے سننا(بڑے صاحبزادے)ایسا ہی ہواکہ حضرت سیف علیل ہوگئے،اور۲۶/جمادی الاول ۱۰۹۶ھ میں بعمر ۴۷/سال اس دارفانی سے رخت سفرباندھ لیا۔(اناللہ واناالیہ راجعون)

(علمائے ہندکاشاندارماضی،ص:۳۰۲تا۳۰۸)

الشیخ الکبیر حضرت مولانا شاہ مُحب اللہ الہ آبادیؒ المتوفی ۱۰۵۸ھ

نام ونسب: نام محب اللہ، لقب شیخ کبیر، والد کا نام مبارز ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲ر صفر ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ء قصبہ صدر پور خیرآباد ضلع سیتا پور میں ہوئی۔ سلسلۂ نسب فرید الاولیاء حضرت شیخ بابا فرید الدین شکر گنج اجودھنیؒ سے ہوتا ہوا حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔ آپ سلسلہ صابریہ کے کبیر الشان بزرگ ہیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور دیگر علمائے دیار سے حاصل کی، اس کے بعد تحصیل علوم کے شوق میں لاہور تشریف لے گئے، وہاں ملا عبدالسلام جیسے علمائے اعلام سے تکمیل فرمائی اور سند فراغت حاصل کر کے اپنے وطن صدر پور آ گئے اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

منصب وزارت سے بیزاری: مگر چونکہ بزمانۂ طالب علمی لاہور میں جناب سعد اللہ خان وزیر اور حضرت شاہ میر لاہوریؒ میں جو شیخ کے ہم درس تھے باہم معاہدہ ہوا تھا کہ جو شخص کسی منصب عالی تک پہونچے گا، تو اپنے ساتھیوں کو بھی وہاں تک پہونچائے گا، تو حضرت شاہ میر لاہوریؒ تو درجۂ ولایت کو پہنچے اور سعد اللہ دہلی کے بادشاہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے، تو سعد اللہ خان نے دونوں صاحبان کو لکھا کہ آپ حضرات میرے پاس تشریف لائیں اور اپنے حصہ سے بہرہ ور ہوں۔

ف: غور فرمائیں کہ سعد اللہ خاں کی کتنی دیانت وشرافت کی یہ بات تھی کہ

وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے زمانۂ طالب علمی کے معاہدہ کو یاد رکھااوراس کا پورا پورا پاس ولحاظ کیا،مگر آج کل کا حال تواس کے بالکل برعکس ہے،اس لئے کہ دیکھا جاتا ہے کہ معمولی سے معمولی عہدہ ملنے پر بھی چھوٹوں اور ساتھیوں کوتو کیااپنے بڑوں تک کونظر انداز کر دیا جاتا ہے اوران کے حقوق کی ادائیگی سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے،فیاو یلایاحسرتاہ!(مرتب)

چنانچہ حضرت شیخ محب اللہؒ دہلی تشریف لے گئےتو آپ بھی وزارت ثانیہ کی خلعت سےنوازے گئے۔مگر آپ جیسے بلند حوصلہ،عالی ہمت،طالب صادق،طائر لاہوتی کواس دولت فانیہ کے حصول پرکب اورکیسے قناعت ہوسکتی تھی،اس لئے آپ قطب الاقطاب بختیاراوشی قدس سرہ کے مزار پرتشریف لے گئے اوراستخارہ فرمایا تواشارہ ہوا کہ اے محب اللہ!تم امورظاہر کی اصلاح کے لئے پیدانہیں کئے گئے ہو؛بلکہ کارہائے باطن کی درستگی کے لئے اس عالم میں لائے گئے ہو،لہٰذااس وقت حضرت علی صابرؒ کاسلسلہ گرم ہے،گنگوہ جاؤاورشیخ ابوسعید گنگوہیؒ کواشارہ ہوا کہ میں نےمحب اللہ کو آپ کے سپرد کیا ہے تاکہ آپ ان کو مقامات سلوک طے کرائیں۔یہ منکشف ہوناتھا کہ منصب وزارت پرلات مار کرگنگوہ پہنچے۔

اجازت وخلافت: ادھرشیخ کو بذریعۂ کشف اس کی اطلاع ہو چکی تھی،اس لئے ان کے منتظر بیٹھے تھے؛بلکہ ان کی ضیافت کاانتظام فرمارکھا تھا،شیخ محب اللہ ابھی کچھ رات باقی تھی کہ شیخ کی خدمت میں پہنچےاورشیخ کے دروازے کوکھٹکھٹایا،شیخ باہر نکلے اوران کی ملاقات کی،بعد وضو فجر کی سنت وفرض کے درمیان بیعت سے مشرف فرمایا،چونکہ آپ کی باطنی استعداد اورصلاحیت ولایت موسوی سے مناسبت

رکھتی تھی، اس لئے اس کے مناسب نفی و اثبات اور اسم ذات کے ذکر و شغل کی تلقین فرما کر چالیس دن کے لئے حجرہ میں بیٹھنے کا امر فرمایا، ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ شیخ ابو سعیدؒ نے آپ کی روحانی ترقیات کو دیکھ کر حجرے کے دروازے سے ندا دی کہ محب اللہ! آجاؤ، تم کو ہم نے اللہ تک پہونچا دیا اور پورب کی ولایت تم کو سپرد کردی۔

یہ سن کر دوسرے سالکین راہ اور مقیمین خانقاہ ملول خاطر ہوئے اور عرض کیا: حضرت ہم لوگ مدت سے ریاضت و مجاہدہ کررہے ہیں؛ مگر اب تک وصال کے آب شیریں سے شاد کام نہ ہوسکے اور حضرت والا کی جانب سے کبھی بھی ایسے کلمات عالیہ سے مشرف نہیں ہوئے، اور یہ نو وارد شخص ابھی مجاہدہ و ریاضت کی لذت سے آشنا بھی نہیں، اس کو پل بھر میں ایسی نعمت سے نواز دیا، تو شیخ ابو سعید گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ محب اللہ ایسا شخص ہے جو کہ ایک ہاتھ میں چراغ اور دوسرے ہاتھ میں آگ لے کر آیا، اس لئے جیسے ہی ہم نے پھونک ماری وہ روشن ہوگیا، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء، نیز ارشاد فرمایا کہ ہم سے اس شخص کے بارے میں کیسے تاخیر ہوسکتی تھی جس کے کام میں اللہ تعالیٰ ہی نے جلدی فرمائی۔ (مأخوذ از انوار العارفین، ص: ۵۰۲، مولفہ حافظ محمد حسن مرادآبادی)

الہ آباد آمد: شیخ ابو سعید نے اپنے فیض لامتناہی اور قوت روحانی سے مرید صادق کو کمالات ظاہری و باطنی سے مشرف فرمایا اور خرقۂ خلافت سے نوازا، کچھ دنوں گنگوہ قیام کے بعد اپنے وطن صدر پور تشریف لے گئے، مگر وہاں کا قیام اپنے حال کے مناسب نہ سمجھا، اس لئے کچھ دنوں کے بعد توکلاً علی اللہ رودولی حضرت شیخ

عبدالحق قدس سرہ کے آستانہ پر پہنچے، حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ کی روحانیت سے خصوصی عنایت وبشارت سے شاد ہوکر شہر الہ آباد کی طرف متوجہ ہوئے، جب مانکپور پہنچے تو شیخ حسام الدین مانکپوریؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس کے بعد الہ آباد تشریف لائے اور دریائے جمنا کے کنارے جہاں مزار اقدس ہے؛ قیام فرمایا، اولاً فقر وفاقہ سے دوچار ہوئے؛ مگر کمال استقامت کو اختیار فرمایا، آخر اللہ جل شانہ نے ابواب رزق کو مفتوح فرمایا اور قبول عام سے نوازا۔

مریدین ومعتقدین کی کثرت کو دیکھ کر حضرت قاضی گھاسی شاہؒ نے اپنا وسیع مکان واقع محلہ بہادر گنج شیخ کو نذر کردیا، پھر شیخ وہاں ہی مقیم ہوگئے، جو آج ''دائرۂ شیخ محب اللہ، بہادر گنج'' کے نام سے موسوم ومعروف ہے۔

آپ کی تعلیم وتربیت سے اہل الہ آباد ہی نہیں؛ بلکہ خلق کثیر کو فیض پہونچا اور اب بھی آپ کی روحانیت اور سلسلۂ علیہ کے شیوخ سے فیض پہنچ رہا ہے۔

تصانیف: شیخ کی متعدد تصانیف ہیں، مثلاً شرح فصوص عربی وفارسی، رسالہ ہفت احکام، غایت الغایات، طریق الخواص، عبادات الخواص، رسالۃ تسویہ، ترجمۃ الکتاب، عقائد الخواص وغیرہ۔

حضرت شیخ نے اپنی تصانیف کے بارے میں فرمایا کہ ''ایں قدر تصانیف کہ در گفتگوئے صوفیاں نوشتہ ام مطالعہ کدام کتاب نہ نمودہ ام، روز اول کہ شیخ ما کلمۃ الحق لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ باشد بمن تلقین نمود، از فیض آں کلمہ ایں ہمہ گفتگو بیان نمودہ ام'' (رسالۃ ہفت احکام: ۸۴)

یعنی کلام صوفیاء کے بارے میں جو اس قدر میں نے کتابیں لکھی ہیں، وہ کسی

کتاب کے مطالعہ کا اثر وثمرہ نہیں ہے، بلکہ روز اول جو حضرت شیخ ابوسعیدؒ نے کلمۂ حق لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ کی تلقین فرمائی تھی، اسی کے شغل کا درحقیقت نتیجہ ہے۔

ارشادات

اب ہم شیخ کے رسالہ ’’ہفت احکام‘‘ کے باب ہفتم سے انتخاب کر کے کچھ مفید ارشادات درج کرتے ہیں، جن کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہؒ نہایت ذوق سے اپنی مجلس میں سنایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

شیخ فرمارہے ہیں کہ جان لو کہ امراض کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم بدن کے امراض کی ہے، جس کو سب لوگ جانتے ہیں، اس کے علاج کا تعلق علم طب سے ہے، یہ بھی سب کو معلوم ہے۔

دوسری قسم عقل کے امراض کی ہے، جس کے نتیجہ میں فاسد عقیدے رونما ہوتے ہیں، اس کا علاج (ذکروفکر کے ساتھ) خلوت وتنہائی کا التزام واہتمام ہے اور عقائد کے باب میں اپنے غوروفکر کو بالکل ترک کر دینا ہے۔

ف: شیخ نے غوروفکر کے ترک کرنے کو اس لئے فرمایا کہ عقائد کا تعلق زیادہ تر سمع ونقل سے ہے؛ نہ کہ عقل ودانش سے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلامی عقائد عقل کے خلاف ہیں؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض حقائق کی کنہ تک پہنچنا عقل کی حد سے خارج ہے، ان کے سمجھنے کے لئے نوروحی کی شمولیت بھی ضروری ہوا کرتی ہے، جیسا کہ خارجی اشیاء کے دیکھنے کے لئے صرف آنکھ کی روشنی کافی نہیں

ہوا کرتی، بلکہ اس کے ساتھ خارجی روشنی کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ (مرتب)

تیسری قسم نفس کے امراض کی ہے، پھر اس کی بھی تین قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جو اقوال سے متعلق ہے، دوسری قسم افعال سے تعلق رکھتی ہے، اور تیسری قسم احوال سے، یوں ان میں سے ہر ایک کا علاج علیٰحدہ علیٰحدہ ہے، مگر شیخ کامل کی صحبت امراض عقل و نفس دونوں کے لئے علاج ہے۔

ف: سبحان اللہ! شیخ نے نہایت ہی نادر بات یہ ارشاد فرمائی کہ مشائخ کامل کی صحبت سے صرف امراض نفس ہی کی اصلاح نہیں ہوتی، بلکہ امراض عقل سے بھی شفاء نصیب ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ حضرات چونکہ صاحب عقل و فراست ہوتے ہیں، اس لئے جو ان کی صحبت میں خلوص سے معاشرت اختیار کرتا ہے، ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے فیض صحبت سے اس کی عقل میں ایسی جلاء نصیب ہوتی ہے کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے لگتا ہے۔ (مرتب)

امراض قولی: اب ہم امراض قولی کی کسی قدر تفصیل پیش کرتے ہیں، اس لئے کہ اس میں عام ابتلاء ہے، مگر طرہ یہ کہ اس کے علاج سے عام طور پر غفلت ہے۔

چنانچہ امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ ہر وہ بات جسے حق سمجھے، وہ کہہ ہی دے، خواہ موقع ہو یا نہ ہو، مثلاً غیبت یا زن وشو کی باتیں، جو خلوت کی ہیں، مجمع میں بیان کرنا حرام ہے، (حالانکہ وہ باتیں بالکل صحیح ہوتی ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر صحیح بات کہہ دینا ضروری نہیں؛ بلکہ منع ہے) اسی طرح مجلس عام میں کسی کو حق بات کی نصیحت کرنا بلاشبہ کلمۂ حق ہے، مگر کوئی دانشمند آدمی ایسا کر کے ہرگز اپنے بھائی کو فضیحت نہ کرے گا۔

نصیحت، محبت و الفت کے لئے ہونی چاہئے: اس لئے کہ وعظ و نصیحت کی مشروعیت اس لئے ہے کہ باہم الفت و محبت پیدا ہو اور اس مقصد کا حصول مجلس عام میں خطاب سے ہر گز نہیں ہوسکتا، بلکہ عموماً اس طرح کرنے سے عداوت و نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شرم کو مٹانے کے لئے خود ناصح کی تکذیب شروع کر دیتا ہے، بلکہ یہ عمل بعض دفعہ زبردست فتنہ و فساد کا باعث ہو جاتا ہے، لہٰذا صاحب بصیرت اپنے بھائی کو خلوت میں مہذب طریقہ اور شائستہ عنوان سے نصیحت کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ناصح کا بہ جان و دل شکر گزار ہوتا ہے اور اس کے لئے دعائے خیر کرتا ہے، اور خلوت و جلوت میں اس کا محب و عاشق ہو جاتا ہے۔

ف: کتنی عمدہ حقیقت آشکارا فرمائی کہ نصیحت و موعظت باہم الفت و محبت پیدا کرنے کے لئے ہے نہ کہ عداوت و نفرت پیدا کرنے کے لئے، واعظین، ناصحین اور داعین کو خوب سمجھنا چاہئے اور اس کو لائحۂ عمل بنانا چاہئے۔ (مرتب)

نیز امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ وہ دوسروں کا عیب ظاہر کرتا پھرے، اس لئے کہ یہ کام کمینے، جاہل، بے حیا اور بے غیرت شخص کا ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ خود دوسرے بہت سے عیوب میں مبتلا ہو، پس اگر وہ اپنے ہی عیوب دیکھنے میں مشغول ہو جاتا تو دوسرے کے عیوب کو دیکھنے کی فرصت ہی نہ پاتا، کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ”جو شخص اپنی خوبیوں کو دیکھے گا وہ دوسروں کے عیوب کو دیکھنے میں مبتلا کر دیا جائے گا اور جو شخص اپنے عیوب کے دیکھنے میں مشغول رہے گا، تو وہ لوگوں کے عیوب کو دیکھنے سے محفوظ رہے گا۔

ف: چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ۔

اوروں پہ معترض تھے،لیکن جب آنکھ کھولی   اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب پایا

نیز حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ نے بھی خوب فرمایا ہے۔

کھل گئی جب سے چشم بصیرت   اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

(مرتب)

نیز دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کی یہ نحوست ہوگی کہ ایسا شخص اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کے عیوب جمع کرتا رہے گا، جب کہ اس کے بھائی اور اس کے ساتھی اس کے اس مکروفریب سے غافل ہوں گے اور دوست سمجھ کر اپنے ہر راز سے اسے آگاہ کرتے رہیں گے، پھر جب کبھی اس کو اپنے ساتھی کی کوئی بات ناگوار خاطر ہوگی،تو اس کے عیوب کا ذخیرہ اٹھا کر سامنے رکھ دے گا اور اس کے ایک ایک عیب کو آشکارا کرے گا، جو فساد عظیم اور زبردست عداوت کا باعث ہوگا۔

اور یہ بیماری عموماً ساتھیوں اور دوستوں میں ہوا کرتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

اِحْذَرْ عَدُوَّکَ مَرَّۃً وَاحِدَۃً وَصَدِیْقَکَ اَلْفَ مَرَّۃٍ، فَرُبَّمَا هَجَرَ الصَّدِیْقُ فَکَانَ اَعْلَمُ بِالْمَضَرَّۃِ

اپنے دشمن سے ایک مرتبہ احتیاط رکھو؛مگر دوست سے ہزار مرتبہ، اس لئے کہ دوست سے کبھی جدائی بھی ہوجاتی ہے،تو وہ تمہاری ضرررساں چیزوں سے زیادہ واقف ہوگا۔

(اس لئے زیادہ ضرر پہونچائے گا)

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اس کا ضرر ونقصان خود کہنے والے پر لوٹتا ہے،اس لئے اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھنا چاہئے۔

ف: ظاہر ہے کہ یہ کس قدر مفید نصیحت ہے، جو ہر شخص کے لئے قابل عمل ہے۔ (مرتب)

امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ ہمہ وقت لوگوں کے حالات واعمال کو دریافت کرتا رہے، مثلاً یہ کہ زید کیوں آیا، خالد کیوں گیا، اور میرے اہل وعیال میری عدم موجودگی میں کیا کرتے ہیں اور کن امور میں مشغول رہتے ہیں؟ کیوں کہ یہ لایعنی سوالات ہیں، جن سے سکوت و گریز ہی کرنا چاہئے، کیوں کہ اس سے سوائے بے کیفی کے کچھ حاصل نہیں ہے۔

نیز امراض قولی میں سے ایک مرض یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ نیکی کرکے اس کے سامنے یا پس پشت اپنے انعام واحسان کو جتلائے، اس لئے کہ تمہاری یہ بات اس کو ناگوار ہوگی، بلکہ موجب کلفت واذیت ہوگی اور تمہارے احسان کا اثر زائل کردے گی، کیوں کہ اہل دانش کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ احسان، امتنان (احسان جتلانا) کے ساتھ جمع نہیں رہ سکتا۔

نیز احسان جتلانے کا ضرر یہ ہوگا کہ اس کا اجر وثواب باطل ہو جائے گا، جیسا کہ اللہ علام الغیوب کا ارشاد پاک ہے: لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰی (یعنی اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت پہونچا کر ضائع نہ کرو۔)

اور اس بلائے عظیم کا علاج یہ ہے کہ تمہارے ذریعہ جو نعمت تمہارے دوست کو پہونچی، اس کے متعلق سمجھو کہ یہ دوست ہی کا حق تھا جو تمہارے ہاتھ میں بطور امانت وودیعت موجود تھی، مگر اس سے پہلے تم کو معلوم نہ تھا کہ اسے کس کے حوالے کرو، اب اللہ تعالیٰ کا صد شکر ادا کرو کہ بار امانت سے سبکدوش ہوگئے اور حق حقدار کو پہنچا دیا۔

اسی طرح امراض قولی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ کسی کے ذاتی وخانگی

معاملہ میں بلا وجہ دخل دے، مثلاً کسی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر کچھ زیادہ انعام واکرام کیا ہے تو تم کہنے لگو کہ دوسرے لڑکوں کے حق میں ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ یہ کلام لایعنی اور لغو ہے اور ایسا کلام جاہل اور غبی شخص ہی کرسکتا ہے، کیوں کہ اس سے دوسرے لڑکوں کو باپ سے بدظنی اور عداوت ہو جائے گی۔

ف: بالکل صحیح ہے بہت تجربہ کی بات ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اہل اللہ معاشرت و باہم بود و باش میں جو باتیں پیش آتی ہیں ان سے بھی واقف ہوتے ہیں اور علم نفسانیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں ورنہ امت کی اصلاح وتربیت کی خدمت کیسے انجام دے سکتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" کے ضمن میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو اسماء کے علم سے نوازا ہے تاکہ خلافت ارضی کا فریضہ وراثۃً ونیابۃً ادا کرسکیں۔ واللہ الموفق (مرتب)

اس کا علاج یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی "مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْئِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ" کو مستحضر کرے، یعنی آدمی کے حسن اسلام سے یہ بات ہے کہ لایعنی اور بے فائدہ بات کو ترک کردے۔

نیز امراض قولی میں سے ایک مرض یہ بھی ہے کہ تم یوں کہنے لگو کہ حق بات کہہ کر رہوں گا، خواہ کسی کو اچھی لگے یا بری، حالانکہ حق بات کہنے کے بھی مواقع ہیں، لہٰذا اگر بے موقع بات کہی اور سننے والے نے اس کو رد کر دیا، تو اس کے کہنے سے کیا فائدہ ہوا۔

ف: اس لئے صحیح اور حق بات کہنے میں احتیاط کرنا چاہئے تاکہ فتنہ کا موجب نہ ہو، یا

کسی کے ہتک ئت یا مضرت کا سبب نہ بنے۔(مرتب)

لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ حق بات کہنے کے لئے پہلے اس کے مواقع کا علم حاصل کرو اور اس کے مطابق عمل کرو اس لئے کہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

دو چیز طیرۂ عقل است دم فروبستن بوقت گفتن وگفتن بوقت خاموشی

یعنی: دو چیز کم عقلی کی دلیل ہے، ایک تو بولنے کے موقع پر خاموش رہنا اور دوسرے خاموش رہنے کے موقع پر بولنا۔

ف: شیخ نے ان جزئیات کو بیان کر کے اصلاح وتربیت کا ایک اہم باب کھول دیا ہے، اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو بہت سی دینی و دنیوی آفتوں سے ہم محفوظ ہو جائیں، کیوں کہ اسی زبان کی لغزشوں سے دنیا میں عموماً فساد ہوتے ہیں اور آخرت میں جو عذاب وعقاب ہے تو اس کا تو پوچھنا ہی نہیں، خود قرآن وحدیث میں زبان کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان خرافات سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔(مرتب)

امراضِ فعلی: امراض فعلی میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے تعدیل ارکان اور خوب اطمینان سے نمازیں ادا کرے، تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں، مگر جب اسی نماز کو تنہائی اور خلوت میں پڑھے تو اس کی بالکل رعایت نہ کرے (ظاہر ہے کہ یہ ریاء ہے، جس کی مذمت قرآن وحدیث میں بیشمار وارد ہوئی ہے۔)

اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کو مستحضر رکھے "اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی" (یعنی کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں) "وَاللّٰہُ

اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ" (یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے تم ڈرو۔)

نیز امراض فعلی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ ریاء وسمعہ کی طرف منسوب کئے جانے کے خوف سے اعمال خیر کو ترک کردے، اس کا علاج یہ ہے کہ مخلوق کی مدح وذم کی طرف نگاہ نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: واللہ خلقکم وماتعملون کو پیش نظر رکھے، یعنی: اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی، پھر مخلوق سے کیا ڈرنا، اور کیا لینا دینا۔

اسی کو حضرت فضیلؒ نے فرمایا: "تَرْکُ الْعَمَلِ لِاَجَلِ النَّاسِ رِیَاءٌ وَالْعَمَلُ لِاَجَلِ النَّاسِ شِرْکٌ" یعنی عمل خیر کو لوگوں کے خوف سے ترک کرنا ریاء ہے اور لوگوں سے نفع کی امید پر عمل کرنا شرک ہے"۔ (کتاب الاذکار للنووی)

نیز امراض فعلی میں سے ایک مرض یہ ہے کہ عمل خیر کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ کرے، اس کا علاج یہ ہے کہ اولاً عمل خیر کو اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے کرے، ورنہ ترک کردے، اس لئے کہ ایسا عمل جو رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو وہ عبث ہے، نیز اس کے علاج کے لئے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو مستحضر رکھے وھو معکم این ما کنتم، ترجمہ: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، اس لئے کہ جب اس کا استحضار ہوگا تو ضرور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہی عمل ہوگا۔ (ہفت احکام: ٦٩)

امراض حالی: منجملہ امراض حالی کے یہ ہے کہ صلحاء و اتقیاء کی صحبت میں محض اس لئے بیٹھے تا کہ ان میں کا ایک فرد شمار کیا جائے، حالانکہ ابھی اس کی عصمت کا دامن شہوات کی قید سے خلاصی نہیں پائے ہوتا، بلکہ وہ کسی عورت یا امرد کے عشق میں مبتلا رہتا ہے، مگر عام لوگ اس سے باخبر نہیں ہوتے، لہٰذا کبھی اس پر وجد

وحال اسی عشقِ مجازی کی وجہ سے طاری ہوتا ہے اور چیختا چلاتا ہے، اور "اللہ اللہ" اور "ہوہو" کہتا ہے، مگر یہ سب محض زبانی ہوتا ہے، دل سے نہیں، اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وقد خاب من دسھا" کو متحضر رکھے، یعنی خائب وخاسر ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا۔

منجملہ امراضِ حالی کے یہ ہے کہ اس کا حال اس کے لباس کے مطابق نہ ہو۔

ف: ہاں! اگر شعارِ صالحین اس لئے اختیار کرے کہ ان حضرات سے تشبہ کا شرف حاصل ہو، جس کی فضلیت حدیث میں یوں وارد ہوئی ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو کسی قوم سے تشبہ اختیار کرے گا تو انہی میں سے سمجھا جائے گا، یا یہ نیت ہو کہ صلاحِ ظاہر کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ ہمارے باطن پر بھی صلاح کا اثر ہو، یا یہ نیت ہو کہ اللہ کے محبین ومحبوبین کی شکل وصورت میں یکسانیت ومشابہت سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان حضرات کے زمرہ میں شامل فرمائیں گے اور آخرت میں ان کی رفاقت سے سعادت مند فرمائیں گے، خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر کی صلاح کے لئے یوں دعا فرمائی ہے: اللھم اجعل سریرتی خیرا من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ یعنی اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے اچھا کردے اور میرے ظاہر کو صالح بنادے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ محض صلاحِ ظاہر پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ باطن کی صلاح ودرستگی کے لئے جد وجہد کرتے رہنا چاہئے، تاکہ صحیح معنوں میں صوفی صافی ہو جائے، اس لئے کہ تصوف کی حقیقت ہی یہ بیان فرمائی گئی ہے تعمیر الظاھر والباطن یعنی ظاہر کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ کیا جائے اور باطن کو اخلاقِ حمیدہ سے۔ (مرتب)

چنانچہ حرم محترم کے ایک صاحب حال بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک گانے والی عورت پر عاشق ہو گئے، جس کی وجہ سے ان کا وجد و حال اسی عورت کے عشق و محبت کے تحت ہونے لگا، تو ان کو خیال ہوا کہ لوگ میرے متعلق حسب سابق نیک گمان رکھتے ہیں، جو بالکل خلاف واقعہ ہے، اس لئے حرم کے صوفیاء کے پاس گئے اور اپنا خرقہ اتار کر ان کے سامنے رکھ دیا اور صاف صاف واقعۂ عشق بیان کر کے کہہ دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ اپنے حال میں کاذب رہوں، چنانچہ اسی گانے والی عورت کا چنگ اپنی گردن میں ڈال کر اسی کے ساتھ رہنے لگے، تو لوگوں نے اس عورت کو آگاہ کیا کہ وہ تمہارا عاشق اہل اللہ میں سے ہے (اور عاشق اللہ ہے) مگر اللہ نے (کسی مصلحت و حکمت سے) تیرے عشق و محبت میں مبتلا فرمادیا ہے، پس اللہ رب العزت نے اس عورت پر حیا و ندامت کا حال طاری فرمادیا اور وہ تائب ہوگئی اور شیخ کی خدمت میں رہنے لگی، ادھر شیخ کے دل سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے عشق و محبت کو زائل فرمادیا تو پھر صوفیائے حرم کی خدمت میں آئے اور خرقہ پہن لیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ الہ آبادیؒ بطور نتیجہ و فائدہ یوں ارقام فرمار ہے ہیں: پس آں صادق الحال تجویز نہ نمود کہ در حال خود کاذب باشد، یعنی: شیخ صادق الحال نے گوارہ نہ فرمایا کہ اپنے حال میں کاذب رہے۔ (ہفت احکام)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ صاحب حال بھی دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک صادق، دوسرے کاذب، اس لئے ہر سالک؛ بلکہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ قول و فعل میں صدق کے ساتھ ساتھ حال میں بھی صدق پیدا کرنے کی سعی کرے۔ (مرتب)

اور اس کا علاج یہ ہے کہ صدق کی افادیت کی اہمیت کو پیش نظر رکھے، جو

کتاب وسنت میں مذکور ہے اور صادقین کی صحبت اختیار کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ'' یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو، مطلب یہ ہے کہ جو کامل درجہ کے صادق ہیں ان کے ساتھ رہو اور سچا اور کامل صادق وہی ہے جو حال میں بھی صادق ہو، اس میں کسی ریاء وسمعہ اور دیگر نفس وغیرہ کا دخل نہ ہو۔

نیز صدق کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترغیب دی ہے اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد پاک ہے: ''الصدق ینجی'' سچائی نجات دینے والی ہے۔

نیز حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

در ارادات باش صادق اے فرید! | تابیابی گنج عرفان را کلید

یعنی اے فرید! ارادت میں صدق اختیار کرو، تاکہ تمہیں عرفان (معرفت) کے خزانے کی کلید دستیاب ہو جائے۔ (مرتب)

اخیر میں امراض حالی وغیرہ بیان کرنے کے بعد شیخ فرما رہے ہیں کہ ان کا اور ان کے علاج کا علم ہر شخص کے لئے ضروری ہے، اس لئے کہ ''خدا پرست نبود ونخواہد بود ہر کسے کہ عالم نباشد بحکم حق ''فان اللہ ما اتخذ ولیا جاھلا''۔ ؎

سر انجام جاہل جہنم بود | کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

یعنی خدا پرست نہ ہوا ہے اور نہ کبھی ہوسکتا ہے، جب تک ان معاملات میں حکم حق کی معرفت نہ ہو، کیوں کہ خدا پرستی کے لئے ضروری ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام کرے اور یہ بغیر علم کے ممکن نہیں، پس بجائے خدا

پرستی کے ہوا پرستی کا شکار رہے گا، تو پھر اس کا نتیجہ جہنم رسیدی کے علاوہ اور کیا ہوگا؟۔(ہفت احکام:ص ر ۱۷)

ف: اس میں شیخ نے یہ واضح فرمادیا کہ جاہل وہی نہیں ہے، جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو بلکہ جاہل وہ بھی ہے، جو کہ اپنے امراض نفس سے واقف نہ ہو اور نہ اس کے علاج کو جانتا ہو، اگر چہ جملہ علم وفن میں ماہر ہو، اس لئے کہ مقصود علم کا یہی ہے کہ اپنے نفس کی معرفت نصیب ہو، جو اللہ رب العزت کی معرفت کا زینہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت ومحبت کے حصول کا ذریعہ ہے، اسی کی طرف سعدی علیہ الرحمہ متوجہ فرمارہے ہیں ؎

سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

یعنی اے سعدی! دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے دھوڈالو، جو علم کہ حق کی طرف رہنمائی نہ کرے وہ (علم نہیں، بلکہ) جہالت ہے۔

ف: بہرحال حضرت شیخ نے امراض باطن کی اصلاح کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ بہت ہی معرکہ کی بات فرمائی کہ خدا پرست نہ ہوا اور نہ ہوگا، بغیر احکام الٰہیہ کے جانے ہوئے، یہ یقینا آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، کیوں کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ بغیر اخلاص وتقوی وغیرہ کے آدمی اللہ کا قرب حاصل نہیں کرسکتا، اسی لئے علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ جیسے نماز روزہ اور ظاہری احکام کا علم ضروری ہے ویسے ہی باطنی اعمال واخلاق کا علم بھی واجب ہے، مثلاً اخلاص وعجب، حسد ریاء وغیرہ کا علم فرض عین ہے، چونکہ شیخ زبردست عالم کتاب وسنت تھے، اس لئے اس طرح جزم ویقین کے ساتھ یہ بات فرمائی کہ بغیر علم کے

آدمی خدا پرست ہو ہی نہیں سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (مرتب)

حضرت شیخ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ایک تصنیف ''اسئلہ واجوبہ'' کے نام سے بھی ہے، جس میں داراشکوہ کے سوالات اور شیخ کے جوابات مذکور ہیں، ان میں سے ایک سوال یہ ہے کہ ''درعشق و درد تفرقہ چیست''یعنی: عشق اور درد میں فرق کیا ہے؟ شیخ نے جواب ارقام فرمایا ''عشق عبارت از میل عاشق است جانب مشاہدۂ محبوب، و درد عبارت از سوز وفراق است در حین (وقت) طالب باوصال، پس موجب ترقی درد است، اگر کسے را درد نبود اوراترقی ممکن نیست''یعنی عشق کے معنی مشاہدۂ محبوب (زیارت) کے جانب عاشق کا مائل ہونا ہے اور درد سے مراد باوجود وصال محبوب کے صاحب درد کا سوز وگداز کے ساتھ رہنا ہے، پس موجب ترقیٔ درد ہے، اس لئے جسے درد نہیں اس کی ترقی بھی ممکن نہیں۔

ف: سبحان اللہ! یہ ہے درد کا مقام، اسی لئے تو خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ اپنے شیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ذکر بطورامتنان یوں فرمارہے ہیں ؎

دل کو آزارِ محبت کے مزے آنے لگے — صدقے اس ساقی کے جس نے درد پیدا کردیا

شاید اسی درد کی طلب وتمنا علامہ سید سلیمان ندویؒ اس شعر میں فرمارہے ہیں ؎

دردِ دل سینہ میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے — جو نہ ٹھہرے مجھے وہ درد خدایا دیدے

اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب قدس سرہ اسی درد کے حصول کا ذکر ان اشعار میں فرمارہے ہیں ؎

شکر ہے درد دل مستقل ہوگیا — اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

پہلے احمد مجھے درد الفت ملا — بڑھتے بڑھتے وہی درد دل ہوگیا

اسی معنی میں حضرت بابا نجم احسن صاحب وکیلؒ کا یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

درد بخشا اور درد لا دوا   اے دل بے تاب اب کیا چاہئے

(مرتب)

منجملہ سوالات داراشکوہ کے ایک سوال یہ بھی ہے کہ ”نماز بے خطر کے حاصل شود“یعنی نماز بغیر وساوس کے کب نصیب ہوگی؟ تو اس کے جواب میں شیخ یوں رقم طراز ہیں،”ایں نماز وقتے دست دہد کہ شغل باطن بر مصلی مستولی شدہ نقش غیر از لوح دلش محو ساز د وغیر عشق چیزے دیگر منظور و محظور وے نبود“یعنی ایسی نماز اس وقت میسر ہوگی، جب کہ نمازی پر شغل باطن ایسا مستولی (غالب) ہو جائے کہ نقش غیر اس کے لوح دل سے محو ہو جائے اور سوائے عشق کے کوئی چیز اس کے خیال ونظر میں نہ رہ جائے۔

اس کے بعد صاحب انوار العارفین تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ محب اللہؒ ایسے عارف تھے، جو صاحب اسرار، خواطر اغیار سے فارغ، دقائق طریقت اور آداب شریعت کے محافظ تھے، جیسا کہ مندرجۂ بالا سوالات سے عیاں ہے۔

پس جو شخص شیخ پر طعن کرتا ہے اور ان کو الحاد و زندقہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ یقیناً علم سے بے بہرہ ہے، جس کی وجہ سے شیخ کی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں۔

شیخ کے کمال کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید (بلکہ مراد) ہیں اور ان کے فیض خاص سے فیض یافتہ ہیں۔

(انوار العارفین)

اقتباسات از طرق الخواص

بدست عزیزم سیف اللہ سلمہ ایک رسالہ ناتمام بزبان فارسی بنام ”طرق الخواص“ موصول ہوا جو بہت ہی مفید اور بصیرت افروز معلوم ہوا، اس لئے اس کے بعض اقتباسات مع ترجمہ پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمارہے ہیں۔

بدانکہ اخلاص بمعنی خالص گردانیدن باشد وایں بسی مشکل است، یعنی از ہیچ احدے اخلاص صاف وصرف مر ہیچ احدے را نباشد، یعنی اینکہ کس خود را خالص گرداند برائے شخصی بعید الوجود است غیر الحصول از ینجا گفتہ اند ؎

بحر من دل کس نیست دانۂ اخلاص   منم غلام ہر آں کس کہ ایں قدر دارد

آرے حق تعالیٰ رابندہا ے مخلص باشد ومخلص بفتح لام حالے وشانے دیگر دارد۔ ” وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَااَن رَّاٰی بُرْهَانَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ “ بفتح لام وہر نبی مخلص ومعصوم الباطن باشد۔

بدانکہ لفظ احد اطلاق کردہ می شود بر ہر شئی از ملک وفلک وکواکب وطبیعت وعنصر ومعدن وحیوان ونبات وانسان باوجود آنکہ احد واحدیت نعت الٰہی است درقول حق تعالیٰ: ”قل ھو اللہ احد“ گردانید، حق تعالیٰ آں رانعت کونی درقول ”ولایشرک بعبادۃ ربہ احدا“ وہر صنفی از اصناف مذکور وآں جمیع ماسوی اللہ است وما حصر کردیم آں رامعبود بود، واز واحدی واقع نشد عبادت ہر صنف از اصناف مذکور، پس بعضی خلائق عابد ملائک بود وبعضے عابد کواکب وبعضے عابد افلاک

وبعضے عابد عناصر وبعضے عابد احجار وبعضے عابد اشجار وبعضے عابد حیوان وبعضے عابد جن وبعضے عابد انس۔ پس مخلص در عبادت ذاتیہ آنست کہ قصد نکند مگر موجد وخالق خود را کہ اللہ باشد۔ پس خالص گرداند عبادت را برائ اللہ تعالیٰ نہ برائ دیگرے از اصناف مذکورو نہ بیند اللہ را بخاطر عبادت مذکور۔ (طرق الخواص قلمی)

حاصل ترجمہ: اخلاص کہتے ہیں خالص کرنے کو، اور یہ بہت مشکل ہے، یعنی کوئی شخص اپنے کو کسی کے لئے خالص کر لے یہ بعید الوجود ہے، یعنی اس کا وجود مشکل ہے، اس موقع پر کہا گیا ہے کہ اگر میں کسی کے دل کے کھلیان میں اخلاص کا ایک دانہ پا جاؤں تو میں اس کا غلام بن جاؤں گا۔

ہاں جو حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ ایک دوسری شان رکھتے ہیں "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ" اس نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام نے بھی اس کا ارادہ کیا، اگر ان کے رب کی دلیل نہ ہوتی، بیشک وہ میرے منتخب بندوں میں سے ہیں، اور ہر نبی مخلص و معصوم ہوتا ہے۔

ف: علامہ شاطبیؒ نے بھی اخلاص کو نادر الوجود فرمایا ہے۔

ولذالک من سلم له فی عمره خطرة واحدة خالصة لوجه الله تعالیٰ نجا۔ ولذالک لعز الاخلاص وعسر تنقية القلب عن هذه الشوائب بل الخالص هو الذی لا باعث فيه الا طلب القرب من الله تعالیٰ۔ (الموافقات ص ۲۱۴ ج ۲)

جس کی پوری عمر میں ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خالص ہو جائے وہ نجات پا جائے گا۔ اور یہ اخلاص کے نایاب ہونے اور قلب کو دنیوی شوائب سے پاک کرنے کی

دشوار ہونے کی وجہ سے ہے، بلکہ خالص وہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طلب قرب کے علاوہ کوئی باعث نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اخلاص مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

جان لو لفظ احد ہر چیز پر بولا جاتا ہے، فرشتے، آسمان، ستارے، طبیعت، عناصر، معادن، حیوانات، نباتات اور انسان، باوجود اس کے کہ لفظ احد اللہ کی صفت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "قل هو الله احد" یعنی احد کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بتلایا ہے۔ اسی طرح "لايشرك بعبادة ربه احدا" اپنے رب کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ ہر وہ قسم جس کو ہم نے اللہ کے علاوہ ذکر کیا اس کے لئے عبادت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ بعض لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور بعض ستاروں کی اور بعض آسمانوں کی اور بعض پتھروں کی اور بعض درختوں کی اور بعض جانوروں اور جناتوں کی اور بعض انسانوں کی عبادت کرتے ہیں۔

اور عبادت میں مخلص وہ شخص ہے جو عبادت میں خالق الوجود کی عبادت کرے یعنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرے نہ کہ دوسرے اصناف مذکورہ کے لئے۔ اور عبادت تو صرف اللہ ہی کے لئے روا رکھے۔

قناعت کا طریقہ: بدانکہ قناعت در عُرف اکتفاء بماحضر است از رزق یعنی اکتفاء بماحضر کہ کافی باشد مرضروریات شرعیہ راوگرنہ واجب است کہ کس کسب کند بجہت دفع ضروریات اگر قدرت دارد بر کسب وسوال نیز تجویز نمودہ شد در شرع در مواضع معین و بیان کردہ شدآں مواضع از حدیث نبوی در وصل او عطیہ وحق اینست کہ قناعت عدم طلب زیادتی رزق است از طریق نامناسب وگرنہ لازم آید کہ صالح و متقی

مثل عثمان وغیر آں کہ نظر برزیادتی برزق دارد واز طریق تجارت مثلاً غیر قانع باشد ونیز لازم آید کہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ ناطق بود بہ ''هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِیْ'' ومظفر شد بداں ملک ومملکت غیر قانع باشد وعارف کامل ومومن صادق قابل نشود بداں پس قناعت عدم طلب ومسئلت مخلوق باشد از رزق۔

حاصل ترجمہ: اُف میں جو رزق (مال) اس کے پاس ہے اس پر اکتفاء کرنے کو قناعت کہتے ہیں خاص کر جو ضرورت شرعی کے لئے کافی ہو۔ اگر کسب کی قدرت ہو تو ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسب ضروری ہے۔ سوال کی بھی بعض مواضع میں اجازت ہے اور وہ مواضع حدیث نبوی میں بیان کئے گئے ہیں۔

ف: جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت فراسی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: کیا میں سوال کرسکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لَا وَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاسْئَلِ الصَّالِحِيْنَ'' (سنن ابوداؤد: رقم ۱۶۴۶) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سوال نہ کیا کرو اور اگر سوال کرنا ضروری ہو تو صالحین سے سوال کیا کرو۔

ملا علی قاریؒ شارح مشکوٰۃ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اگر صالح شخص کے پاس مال ہوگا تو دیدے گا اور اگر اس کے دینے کے لئے مال نہ ہوگا تو سائل کو ذلیل نہ کرے گا۔ (مرتب)

حق یہ ہے کہ جو طلب رزق مناسب شرعی طریقے سے ہو اس کو بھی قناعت کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مثل صالحین ومتقین حضرات جنھوں نے رزق کی زیادتی کی طلب تجارت وغیرہ کے طریقے سے

کیا ہے، وہ حضرات قناعت کرنے والے نہ ہوں گے، ان کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دعا فرمائی کہ "رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ" اے رب مجھ کو ایسا ملک دیجئے جو میرے بعد کسی کو عطا نہ فرمائیں۔ چنانچہ وہ اس سے مشرف بھی ہوئے، اس کے باوجود غیر قانع نہیں بلکہ قانع کامل کہا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ نبی کامل تھے، اسی طرح وہ حضرات عارف کامل مومن صادق کہے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے طلب رزق کا سوال کرتے ہیں اور مخلوق سے سوال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

ف: دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی برکت سے ہم سب کو صدق واخلاص اور قناعت کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ (مرتب)

انتباہ: جہاں تک ممکن ہوا ہم نے شیخ کے مضامین کی تسہیل کی سعی کی۔ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی نصیب فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین

مسئلہ وحدۃ الوجود: چونکہ مسئلہ وحدۃ الوجود میں علمائے ربانیین اور مشائخ محققین میں اچھا خاصا اختلاف ہے، اس لئے شیخ الہ آبادی جو وحدۃ الوجود کے قائل تھے، ان کے بارے میں دو جماعت ہوگئی، علماء کی ایک جماعت آپ کے علم ومعرفت اور قرب وولایت کی قائل ہے اور دوسری اس کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

"بزم صوفیاء" سے بصیرت افروز مضمون

جناب مکرم سید صباح الدین عبدالرحمن صاحبؒ نے اپنی تصنیف لطیف مسمی بہ "بزم صوفیہ" میں شیخ کے سلسلہ میں بصیرت افروز مضمون ارقام فرمایا ہے، جس کو بعینہ نقل کرتا ہوں:

شیخ محب اللہ الہ آبادی ؒ المتوفی ۱۰۵۸ھ،۱۶۴۸ء بھی وحدۃ الوجود کے قائل تھے،انہوں نے شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم کی شرحیں فارسی اور عربی دونوں میں لکھیں،اس میں وہ لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عربی شریعت محمدی کے پابند رہے،کیوں کہ شیخ ابن عربی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان لوگوں میں شامل کرے،جن کے قدموں کو امواج شریعت مطہر محمدی نے زنجیروں میں مقید کر رکھا ہے اور وہ کسی حال میں شریعت سے باہر نہیں ہوتے ہیں،اس قول کو نقل کر کے شیخ محب اللہ الہ آبادی ؒ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ قدس سرہ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ وہ شریعت کے خلاف ورزی نہیں کرتے تھے اور نہ کوئی بات اس کے خلاف کہی ہے،فصوص الحکم میں بھی انہوں نے کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں لکھی ہے، اگر کوئی محجوب اس سے واقف نہیں ہے اور وہ اس کے سمجھنے سے محروم رہتا ہے تو ؎

محجوب راز شیخ چراغے نصیب نیست

پھر شیخ محب اللہ الہ آبادی یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں،جنہوں نے سمعاوطاعۃ شریعت کو قبول کیا ہے اور دوسروں کو بھی رسول اللہ ﷺ کے رتبہ،جلال اور کمال کو بتا کر شریعت کی طہارت و پاکیزگی سے آگاہ کیا ہے اور ان کو خبث نفس اور خواہشات نفسانی سے نجات دلائی ہے۔(افادات شاہ محب اللہ الہ آبادی،الہ آباد ایڈیشن،ص:۷۰،۷۱)

خود شیخ محب اللہ الہ آبادی شریعت کے بڑے پابند رہے، ان کا شمار صرف صوفیہ کے گروہ ہی میں نہیں،بلکہ جید علماء میں بھی کیا جاتا ہے،چنانچہ ’’تذکرۂ علمائے ہند‘‘ کے مصنف نے لکھا ہے:

’’دانشمند متبحر از مشاہیر علمائے صوفیہ درعلوم ظاہر و باطن سرخیل امثال

واقران خود بود‘‘ (ص: ۱۷۷) یعنی حضرت شیخ نہایت دانشمند اور متبحر عالم تھے، علوم ظاہر و باطن کے مشہور علمائے صوفیہ میں سے تھے اور اپنے ہم عصر اور ہم عمر اہل کمال کے سردار تھے۔

مآثر الامراء کے مصنف نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ’’عالم است تعلیم ظاہر و باطن‘‘

لیکن علماء ظاہر مسئلہ وحدۃ الوجود کو شک کی نظر سے دیکھنے کے عادی تھے، اس لئے شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے رسالہ ’’تسویہ‘‘ کی بعض عبارتوں پر معترض ہوئے، ان کے وصال کے بعد اورنگزیب عالمگیرؒ کی توجہ ایسی عبارتوں کی طرف دلائی گئی، جو اسلامی عقائد کے خلاف تھیں، شیخ محب اللہؒ کے دو مرید پایہ تخت دہلی میں موجود تھے، ان میں ایک شیخ محمدیؒ تھے، اورنگزیب نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ شیخ محب اللہ الہ آبادی کی مریدی کا دعوی کرتے ہیں، تو ان کے رسالہ کے مقدمات کو شرعی احکام کے مطابق بتائیں، ورنہ ان کی مریدی سے استغفار کریں اور کتاب کو آگ میں ڈال دیں، شیخ محمدیؒ نے جواب دیا کہ مجھ کو حضرت شیخ کی مریدی سے استغفار کی ضرورت نہیں، لیکن جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے، مجھے وہاں تک رسائی حاصل نہیں، جس وقت میں اس رتبہ پر پہونچ جاؤں گا، تو آپ کے کہنے کے بموجب اس کی شرح لکھ بھیجوں گا، اگر آپ نے اس رسالہ کو جلانے کا فیصلہ کر لیا تو اس فقیر کے گھر سے کہیں زیادہ شاہی مطبخ میں آگ موجود ہے، اورنگزیب اس جواب کو سن کر خاموش ہو گیا۔ (مآثر الامراء: ج ۳، ص: ۶۰۶، ۶۰۷)

دوسرا شخص داراشکوہ شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کا بڑا معتقد رہا، اور انہوں نے

اس کو یہ نصیحت کی تھی: ”رفاہیت خلق خدا کے بارے میں حکام کو تفریق نہیں کرنی چاہئے، کیوں کہ مؤمن کافر سبھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں“ یہ ایک نصیحت ہے جس کا تعلق مذہبی عقیدہ یا توحید وجودی سے نہیں ،لیکن داراشکوہ نے توحید وجودی کو ایک دوسرے رنگ میں پیش کرنا شروع کیا،اس نے اپنے رسالہ ”حسنات العارفین“ میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ توحید معرفت کے منازل ومدارج میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے، جب کہ ایک سالک شریعت کفر وایمان، خیر وشر، عبد ومعبود سے بالکل بے نیاز ہوجاتا ہے اور بے خودی میں اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں یا ایسے حرکات سرزد ہوتے ہیں ، جو بظاہر شریعت وایمان کے منافی ہوتے ہیں ،لیکن وہ قابل مواخذہ نہیں ،حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے یہاں بھی اسی قسم کے بیانات کا ذکر پہلے آچکا ہے،لیکن دارا انہی کی طرح شریعت کا پابند ہوکر اپنی زندگی گزار دیتا تو شاید وہ بھی اولیاء اللہ میں شمار کرلیا جاتا،لیکن اس نے وحدۃ الوجود ہی کے نشہ میں سرشار ہوکر اپنے کو بشسٹ اور رام چندر کا چیلہ قرار دے کر اسلام اور ہندو مذہب کا ایک مجمع البحرین تیار کرنے کی کوشش کی، ظاہر ہے کہ وہ علماء جو کتاب وسنت کی تقلید کے قائل ہیں، ایسی باتوں کو کسی حال میں پسند نہیں کرسکتے۔ (بزم صوفیہ: ۷۱۴)

رسالہ ”معارف“ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۸۹ء میں ایک مضمون وحدۃ الوجود ووحدۃ الشہود کے سلسلہ میں جناب مولانا غلام محمد صاحب کراچی نے ارقام فرمایا ہے، اخیر میں ”حاصل گفتگو“ کے عنوان کے تحت جو مضمون تحریر فرمایا ہے، وہ مجھے پسند آیا، اس لئے اس کو نقل کرتا ہوں:

حاصل گفتگو یہ ہے کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود الگ الگ نظریات ہیں، ان میں تطبیق کی کوشش گو "مصلحت خیر" ہی کی بناء پر ہو تو تکلف سے خالی نہیں، دوسرے یہ کہ ان نظریات کے فرق و امتیاز کے قائل ہوتے ہوئے دونوں بانیان نظریات کا ادب لازم رکھا جانا چاہئے، جو مشکل نہیں، کیوں کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی امام ابو حنیفہؒ پر سخت تنقید کے باوجود ہم دونوں ائمۂ دین کی عظمت و ادب کو بخوبی ملحوظ رکھے ہوئے ہیں، تو ان خاصان معرفت الہیہ کا باہمی اختلاف ان کے یکساں ادب سے کیوں مانع ہو؟ ؏ نفسک وتعال۔ (نفسیات کو چھوڑ اور چلا آ) (معارف دار المصنفین اعظمگڈھ)

ف: ماشاء اللہ مولانا غلام محمد صاحب نے شیخ کے بارے میں بہت ہی خوب فیصلہ فرمایا جو اس حقیر کو بہت پسند آیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء (مرتب)

چونکہ حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ ہمارے سلسلۂ صابریہ چشتیہ کے اہم رکن ہیں، نیز ان کے شہر الہ آباد میں ہم مقیم ہیں؛ اس لئے حضرت شیخ کا ہم پر دوہرا حق تھا، لہٰذا ہم نے مضمون کو طول دیا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم۔ (مرتب)

وفات: بس حضرت الشیخ نے الہ آباد میں قیام فرما کر مکمل بیس سال تک فیض رسانی فرمائی، آخر ۹/رجب المرجب ۱۰۵۴ھ یا ۱۰۵۸ھ بروز پنجشنبہ غروب آفتاب کے وقت یہ آفتاب ہدایت بھی غروب ہو گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون، اور محلہ کیٹ گنج الہ آباد، یوپی میں جہاں اولاً قیام فرمایا؛ مدفون ہوئے، جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

خلفاء: آپ کے خلفاء تین تھے، ان میں سے ایک قاضی گھاسی صاحبؒ ہیں، جن کی مزار محلہ حسن منزل شہر الہ آباد کے قبرستان میں واقع ہے۔

دوسرے حضرت سید محمد کبیر قنوجی ہیں (جن کا مزار قنوج میں ہے۔)

جب حضرت شیخ واصل ہوئے تو اپنے پیچھے ایک کمسن صاجزادے شاہ تاج الدین کو چھوڑا تھا، حضرتؒ نے انہیں کو وصیت فرمایا کہ شیخ تاج الدین سے ایک صاحب زادہ پیدا ہوگا، اس کا نام سیف اللہ رکھنا اور اس کو ظاہر و باطن کی تعلیم دینا اور پیران طریقت کا خرقہ ان کو پہنانا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، لہذا شیخ محب اللہ الہ آبادی کے خاندان سے جو سلسلہ بیعت جاری ہے، تو حضرت سید کبیر قنوجی ہی سے ہے۔ (بارک اللہ فیھما)

تیسرے خلیفہ سید محمدی فیاضؒ ہیں، (جن کا تذکرہ انشاء اللہ اس کے بعد حصہ ششم میں آئے گا،) اور انہیں سے سلسلۂ چشتیہ امدادیہ جاری وساری ہے۔

(ادامھا اللہ و اقامھا)

حضرت الشیخ کے خاندان میں بھی سلسلۂ سجادہ نشینی مسلسل جاری ہے، چنانچہ شاہ سیف اللہ عرف سعد میاں نے عزیزم حافظ مولوی محمد مقرب اللہ سلمہ قاسمی کو سجادہ نشین بنادیا ہے، جنھوں نے ہمارے مدرسہ دارالمعارف کریلی اور بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد سے درس نظامی کے مطابق عالمیت تک تعلیم حاصل کر کے امسال ۱۴۲۳ھ میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو علم وعمل میں کامل فرما کر اپنے آباء واجداد کے علم وعمل اور ان کی نسبت خاص کا صحیح وارث وجانشین بنائے اور اس کی اشاعت کی انہیں توفیق دے۔ (آمین) وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مرتب)

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی برہان پوری المتوفی ۱۰۰۵ھ

نام ونسب: نام شیخ عبدالوہاب متقی، والد کا نام شیخ ولی اللہ ہے جو مانڈوگڑھ کے اکابرین میں شمار کئے جاتے تھے۔

ولادت وتعلیم: آپ شہر مانڈوگڑھ مالوہ کے علاقہ میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی اور علمائے وقت سے دینی اور مذہبی تعلیم حاصل کی۔

برہان پور میں آمد وسکونت: حوادث زمانہ کے باعث آپ کے والد بزرگوار کو وطن چھوڑنا پڑا، اور مع اہل وعیال کے برہان پور تشریف لائے اور مستقل طور پر یہیں سکونت اختیار کرلی، لوگوں نے ان کی یہاں بہت عزت افزائی کی اور آخر دم تک معزز ومکرم رہے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد برہان پور میں انتقال کرگئے، اوران کے چندماہ کے بعد آپ کی والدہ بھی رحلت کرگئیں۔ اس طرح کم سنی ہی میں آپ والدین کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ (تاریخ اولیاء برہان پور: ۲۸۴)

سیر وسیاحت: اس سانحہ کا دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ وطن کو خیرآباد کہہ کر خانہ بدوشی اختیار کرلی، گجرات، دکن، لنکا، سراندیپ وغیرہ میں عرصہ تک سرگرم سیاحت رہے، عموماً کسی مقام پر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے تھے لیکن جب کوئی اہم شیخ طریقت مل جاتا تو اس کے آستانہ پر کچھ دنوں زیادہ قیام کرلیتے۔

اسی طرح سیاحت کرتے کرتے مکہ معظمہ پہونچ گئے، اس وقت آپ کی عمر بقول مصنف مرآۃ احمدی ۲۹ رسال کی تھی، حضرت شیخ علی متقی برہان پوری (آپ کا

تذکرہ اقوال سلف حصہ چہارم میں آچکا ہے) اس وقت مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے، اور آپ کے والد کے ملاقاتی تھے، چنانچہ والد کی وصیت کے مطابق آپ نے حضرت علی متقیؒ سے ملاقات کی۔

آپ نے بہت ہی محبت و شفقت کا سلوک فرمایا اور اپنے ساتھ رہنے کے لئے کہا لیکن بے نیازی و استغنا کے باعث اس وقت آپ نے اس فرمان کو قبول نہیں کیا۔ مگر بعد میں حضرت شیخ علی کا فضل و کمال دیکھ کر ان کی خدمت میں رہنے لگے اور بیعت حاصل کی، تھوڑے ہی عرصہ میں کمالات ظاہری و باطنی سے فیضیاب ہوئے اور خرقۂ خلافت اور جانشینی سے سرفراز ہوئے، آپ کا سلسلہ قادریہ وشاذلیہ تھا۔

حج بیت اللہ: آپ نے ۴۴ حج ادا کئے اور اتنی ہی مدت مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ حضرت شیخ علی متقی کی وفات کے ایک سال کے بعد ایک رشتہ دار سے ملاقات کے لئے گجرات تشریف لائے لیکن اسی سال واپس چلے گئے، چنانچہ اس سال بھی حج فوت نہ ہوا۔

غرباء وفقراء کی امداد: آپ کی عادت تھی کہ شادی سے پہلے کتابت کی اجرت یا جو کچھ نذرانہ ملتا تھا وہ سب فقراء اور مساکین پر تقسیم کر دیا کرتے تھے البتہ لباس اور ضروری اشیاء خوردنی کے لئے تھوڑی رقم رکھ لیا کرتے تھے، لیکن شادی کے بعد اہل وعیال کے حق کو مقدم سمجھتے تھے، تب بھی غریبوں اور فقیروں کی غم خواری میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ مکہ معظمہ میں ہندوستان کے فقراء کے پشت پناہ آپ ہی تھے، کھانا، کپڑا اور نقد سے امداد کرتے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی زیارت کو

جانے والوں کے لئے تو اسباب سفر بھی مہیّا کر دیتے تھے۔

علم وفضل: آپ علوم فقہ وحدیث میں کامل اور علم ادب اور صرف ونحو میں ماہر تھے، علوم شرعیہ میں ان کے برابر جاننے والے بہت کم تھے، حرم شریف میں برسوں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، درس سے فارغ ہونے کے بعد کتابوں کی تصحیح اور مقابلہ میں مشغول رہتے۔ اگر کوئی نادر کتاب مفید ہوتی لیکن اس میں اغلاط کا امکان ہوتا تو اس کے دیگر نسخے مہیّا کر کے اس کی تصحیح کرتے تھے۔

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور: ص ر ۲۸۷)

عادات واخلاق: آپ متقی وپرہیز گار اور صاحب معرفت اسرار تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور سنت نبوی پر سخت کاربند تھے، مریدوں کی تربیت ورہبری اور طالب علموں کے افادہ ورہنمائی میں پوری کوشش کرتے تھے، اُباء وفقراء پر مہربانی وشفقت اور خلق اللہ کو نصیحت وہدایت کرتے تھے، سیکڑوں آپ کی رہنمائی سے منزلِ مقصود تک پہونچے۔

ارشادات

فرماتے تھے کہ اگر باطل کلام بھی سنے تو فوراً انکار نہ کرنا چاہئے بلکہ سننا چاہئے کہ آخر متکلم کیا کہنا چاہتا ہے۔ پس اگر اس کو حق کے موافق پائیں تو قبول کریں ورنہ رد کر دینا چاہئے۔ اور اگر یہ نہ کر سکیں تو درگذر کریں اور اس کی وجہ سے عقیدے میں خلل نہ ڈالنا چاہئے۔

ف: ماشاء اللہ! بہت ہی صحیح اور درست نصیحت ہے، اس سے بہت سے فتنے کافور ہو سکتے ہیں۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ اگر کسی کو دیکھیں کہ کلمۂ اسلام کا اقرار کرتا ہے اور نماز روزے کا پابند ہے اس سے اگر خلافِ حق بات صادر ہوتی ہے تو اس کو معذور رکھیں، تکفیر وتشنیع نہ کریں اور الحاد کی طرف منسوب نہ کریں بلکہ حتی الوسع تاویل کریں، اور اگر کلمۂ اسلام کا اقرار نہیں کرتا ہے اور نماز روزے کی ادائیگی نہیں کرتا اور ایسی (بہکی بہکی) باتیں کہتا ہے تو وہ یقیناً ملحد ہے اسے منکرِ اسلام سمجھنا چاہئے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی نافع وواضح باتیں ہیں جو ہمیں پیش نظر رکھنے کے لائق ہیں۔ (مرتب)

علم کی فضیلت: فرماتے تھے کہ علم مثل غذا کے ہے جس کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے، اور اس کا نفع عام ہے، اور ذکر مثل دوا کے ہے کہ کبھی کبھی اس سے علاج کیا جاتا ہے۔ طالب کے لئے ضروری ہے کہ (کارہائے دنیا سے) فرصت نکال کر فراغِ دل اور حضورِ قلبی کے لئے خلوت اختیار کرے۔ خاص کر رمضان کے اخیر عشرہ اور ذوالحجہ کے اول عشرہ میں ضرور خلوت اختیار کرنی چاہئے، رہا علم اور اس کی تعلیم وتدریس تو یہ دائمی ہے، یعنی اس میں تو برابر ہی مشغول رہنا چاہئے۔

ف: اس سے شیخ کے نزدیک درس وتدریس کی کیسی اہمیت وضرورت معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ فراغ دل وحضورِ قلبی کے لئے خلوت کے اختیار کرنے کی بھی کیسی کچھ ضرورت بیان فرمائی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ مشائخ تو یہ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت ذکر میں مشغول رہنا چاہئے، تو اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: جو شخص اچھے کام میں مشغول ہے گویا وہ ذکر الٰہی ہی کر رہا ہے، نماز ادا کرنا، تلاوتِ قرآن پاک، علوم شرعیہ کا پڑھنا پڑھانا، اور جتنے بھی کارِ خیر ہیں ان سب کا بجالانا ذکر اللہ میں شامل

ہے، نیز سلف کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ تمام اچھے کام جیسے تہذیب اخلاق، اشاعتِ علم اور خدمتِ خلق وغیرہ میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے، نیز آپ نے فرمایا: (بھائی) علم کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے چھوڑ دیا جائے، بلکہ یہ تو نعمت ہے جس کے حصول کے لئے سچّی نیت سے کوشش کرنی چاہئے۔

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور: ص ر ۲۹۵)

بزرگوں کی صحبت کے برکات: ایک مرتبہ اس فقیر (یعنی شیخ عبدالحقؒ) نے دریافت کیا کہ اس قدر ریاضات، حال و مکاشفہ اور تصرفات جو آپ کے اندر پہلے سے بدرجہ کمال موجود تھے اس کے باوجود مشائخ کی صحبت میں رہ کر آپ نے اور کیا چیز حاصل کی؟ جواب میں فرمایا کہ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ مشائخ کی صحبت ہی کا فیض ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ میرا منصب اور میری اسلامی شریعت کی بقاء و قیام کا انحصار ہی ان بزرگوں کی برکات پر ہے، ابتدائی زمانہ میں ایسے حالات پیش آئے کہ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ میرا کیا حشر ہوگا؟ اور کس جنگل میں حیران و پریشان پھروں گا لیکن بزرگوں کے طفیل اور ان کی صحبت کی وجہ سے میرے لئے طریقہ دین و ایمان راست اور اتباعِ شریعت مستقیم ہوا جو درحقیقت اصل کار اور نہایت مقام ہے۔ (اخبار الاخیار: ص ر ۵۵۷)

نیز فرماتے تھے کہ طریق طالب یہ ہیکہ یستفید من کل مفید و یفید لکل مستفید یعنی طالب ہر مفید سے استفادہ کرتا ہے اور ہر مستفید کو فائدہ پہونچاتا ہے۔

ف: سبحان اللہ! طالب کی کیسی شان و علامت بیان فرمائی جو آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے وہ یہ کہ طالب کو اسے کسی کامل سے استفادہ میں عار محسوس نہ کرنا چاہئے

اور نہ کسی طالب کو بخل کی بناء پر محروم کرنا چاہئے۔ (مرتب)

فرماتے تھے کہ جب آدمی کسی نیک عمل پر مطلع ہو تو اس پر کم از کم ایک بار ضرور عمل کر لینا چاہئے تا کہ اس کے عاملین میں اس کا شمار ہو جائے، نیز فرماتے تھے کہ جب سے ہماری بینائی جاتی رہی ہے اس وقت سے ایسی حضوری مع اللہ میسّر ہے کہ پوری زندگی نصیب نہ ہوئی تھی۔ (تقصار جیود الاحرار)

ف: غور فرمایئے کہ اللہ تعالی کی اپنی خاص بندوں پر کیسی عنایت ہوتی ہے کہ ان کی کوئی جسمانی یا ظاہری نعمت لیتے ہیں تو اس سے کہیں بڑھ کر باطنی و روحانی دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ سچ فرمایا: ؎

نیم جان بستاند و صد جاں دہد

جس کے لطف ولذت میں یہ حضرات مست وسرشار رہتے ہیں اور اس کے ایلام (رنج والم) میں انعام کا مزہ پاتے ہیں۔ (مرتب)

تذکرہ عمرہ جعرانہ: ایک مرتبہ عمرہ جعرانہ کے بارے میں بات چلی (جعرانہ مکہ معظمہ سے ایک منزل پر واقع ہے آں حضرت ﷺ نے غزوۂ حنین کی غنیمت کے تقسیم کے وقت وہاں قیام فرمایا تھا اور وہاں سے عمرہ فرمایا تھا) تو فرمایا کہ (اے عبدالحق) جب تم جعرانہ میں حضور اقدس ﷺ کے اقامت گاہ سے جو پہاڑ کے اندر ہے گذرو تو غافل نہ رہنا اور آپ نے اس مقام کی خوب ہی خوب نشاندہی فرمادی۔ اور فرمایا کہ اگر قسمت میں ہے تو وہاں رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہو گے اور اپنے حال کے سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ جب جب وہاں میں خواب میں ہوتا اور آنکھیں بند ہوتیں جمالِ آنحضرت ﷺ میری آنکھوں میں

سماجاتا۔شاید ایک دو پہر یا اس سے کم وقت میں سو سے زیادہ مرتبہ اس شرف سے مشرف ہوا، چنانچہ حضرت شیخ عبدالوہاب متقیؒ اس عمرہ کے لئے بہت جاتے تھے اور بحالت صیام اور پیادہ تشریف لے جاتے تھے۔(اخبارالاخیار:۵۵۸)

ف: سبحان اللہ! کیا خوب نعمت و دولت ہے۔اسی کو کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

ایں آں سعادیست کہ حسرت برد بریں
جو پائے تخت قیصر و ہم ملک سنجر

ترجمہ: یہ وہ سعادت ہے کہ اس پر ملک اور تخت قیصر کے طالب بھی حسرت کرتے ہیں کہ کاش کہ وہ سعادت ہمیں دستیاب ہو جاتی، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے طفیل میں ہم ناکاروں کو بھی ایسے مبارک عمرہ اور جمال جہاں آرا ﷺ کے دیدار و زیارت سے مشرف فرمائے اور بار بار اس دولت سے نوازے۔آمین۔برحمتک یا ارحم الراحمین وبحرمة سیدنا رحمة للعالمین)

وفات: آپ کی وفات مدینہ منورہ میں غالباً ۱۰۰۵ھ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔نوراللہ مرقدہ

خلفاء: آپ کے بے شمار خلفاء تھے ان میں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی ۱۰۵۱ھ) آپ کے مشہور خلیفہ ہیں۔(جن کے حالات اسی جلد میں آگے درج ہیں)۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور:ص ر ۲۹۴)

حضرت العلامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۱۴ھ

(صاحب مرقات المفاتیح)

نام ونسب: نام علی، کنیت نورالدین اور ابوالحسن، والد کا نام سلطان محمد تھا۔ آپ ملا علی قاری سے مشہور ہیں۔

تعلیم وتربیت: ملا علی قاریؒ افغانستان کے مشہور مقام ''ہرات'' میں پیدا ہوئے، وہیں قرآن پاک حفظ کیا اور جامعہ ہرات کے مولانا قاری معین الدینؒ سے قراءت کا علم سیکھا، دیگر مروجہ علوم بھی ہرات ہی کے علمائے کرام سے حاصل کئے۔

اسماعیل بن حیدر صفوی جوکہ شیعہ صفوی سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا اس نے جب ہرات پر قبضہ کیا اور وہاں بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا اور خوب لوٹ مار کی اور رافضیوں کے شعائر کو پھیلایا تو مجبور ہوکر بہت سے مسلمان وہاں سے ہجرت کر گئے، ملا علی قاریؒ بھی ان کے ساتھ نکلے اور مکہ مکرمہ پہونچے اور پھر مکہ مکرمہ ہی کو انہوں نے اپنا وطن بنالیا۔

مکہ مکرمہ میں علمی وروحانی ترقی کے انہیں وسائل مہیا ہوئے اور انہوں نے ان سے خوب ہی خوب فائدہ اٹھایا۔

ملا علی قاری کہلانے کی وجہ: انہوں نے اپنے حفظ کو مزید پختہ کیا اور مکہ مکرمہ کے مشہور قاری شیخ سراج الدین عمر یمنیؒ سے قراءت کا علم حاصل کیا،

جنہوں نے یہ فن مدینہ منورہ کے امام اور خطیب علامہ محمد بن قطان ؒ کے کئی شاگردوں سے سیکھا اور علامہ محمد بن قطان ؒ شیخ زین الدین عبدالغنی ہیثمی مصری ؒ کے شاگرد تھے، جو کہ محقق محمد بن محمد بن محمد الجزری ؒ کے شاگرد تھے۔

فن قراءت میں مہارت اور تجوید و ترتیل میں عمدگی کی وجہ سے قاری کہلانے لگے۔

ذریعۂ معاش: ملا علی قاری ؒ نے فن خطاطی شیخ حمد اللہ اماسی ؒ سے حاصل کیا اور خط ثلث اور خط نسخ میں کمال مہارت حاصل کی اور ان دونوں میں بہت عمدہ لکھتے تھے، خطاطی ہی کو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش بنایا، ہر سال میں ایک مصحف لکھتے اور اس کو فروخت کر کے اپنا خرچہ نکالتے۔

کنز العمال کے مصنف شیخ علی متقی ؒ نے ملا علی قاری سے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تفسیر جلالین کا ایک نسخہ ان کی فضیلت و اہلیت اور افلاس کو دیکھتے ہوئے بارہ دینار میں خریدا جب کہ دوسروں کے ہاتھ کا لکھا صرف ایک دینار میں دستیاب تھا لیکن پھر بھی فرماتے تھے کہ ملا علی قاری ؒ نے اس کو عمدہ لکھنے میں بڑی محنت کی ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قیمت بارہ دینار سے بھی زیادہ ہو۔

ف: اس میں علم دین کی طرف منسوب طلبہ و علماء کے لئے مقام عبرت ہے کہ ایسی تنگ دستی میں یکسو ہو کر کس قدر خود ذکر و فکر کی طرف توجہ دی اور علم دین کی خدمت کو کیسی خوبی کے ساتھ انجام دی، معانی تو معانی؛ عبارات بھی نہایت بلیغ و فصیح ارقام فرمائی فجزاہم اللہ وکثر امثالہم فی ہذا الزمان۔ (مرتب)

فقہی مسلک: ملا علی قاریؒ فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے اور مشکوۃ کی جو شرح انہوں نے مرقاۃ المفاتیح کے نام سے لکھی ہے اس میں فقہ حنفی کو حدیث کے زیادہ موافق ہونے کو خوب ظاہر کیا ہے۔ (مقدمۃ الحصن الاعظم ترجمہ الحزب الاعظم للقاری)

محدث جلیل: شیخ نے علم حدیث ہرات میں بھی حاصل کیا تھا جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔ "ومنها نسخة قرأت على شيخ الاسلام الهروی" کہ میں نے شیخ الاسلام ہروی سے بھی حدیث کی قرأت کی ہے اور اس شیخ الاسلام سے "شیخ احمد بن یحیی بن محمد سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی الہروی" مراد ہیں۔

اس کے علاوہ مکۃ المکرمہ میں آ کر علم حدیث پر خوب توجہ دی اور یہ شیخ کی شہرت کا زمانہ تھا اپنے زمانہ کے محدث کبیر شیخ زین الدین عطیہ بن علی بن حسن السلمی المکی المتوفیٰ ۹۸۳ھ سے مشکوٰۃ کی قرأت کی اور اپنی کتاب مرقاۃ میں کئی جگہوں پر ان کا تذکرہ کیا ہے، کبھی شیخنا، کبھی استاذنا، کبھی مولانا اور کبھی عمدۃ المفسرین کے القاب سے یاد فرمایا ہے اور اپنے رسالہ "سم القوارض فی ذم الروافض" میں سیدی فی علم التفسیر کے لقب سے ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل محدثین بھی ملا علی قاریؒ کے شیوخ میں سے ہیں۔

زبدۃ الفضلاء مولانا السید زکریا، الشیخ علی بن حسام الدین المتقی الحنفی المتوفی ۹۷۵ھ۔ الشیخ عبداللہ السندی المتوفی ۹۹۶ھ، الشیخ ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد المعروف بابن الحجر الہیثمی السعدی الانصاری الشافعی المتوفی ۹۷۳ھ، العلامہ الحافظ صاحب الطبقات الحنفیہ ومفتی مکۃ الشیخ قطب الدین المکی الحنفی المتوفی ۹۹۹ھ۔

اس کے علاوہ اس وقت کے بڑے بڑے محدثین سے استفادہ کیا آخر ایسا وقت آیا کہ "محدث جلیل" کے نام سے مشہور ہوئے۔

علم حدیث میں آپ کا مقام: علم حدیث میں آپ کا بڑا مقام ہے، آپ نے ہوش سنبھالتے ہی علم کے حصول میں اپنی زندگی صرف کر ڈالی، آپ کی زندگی کا نصب العین علم کی تعلیم وترویج تھی، حد درجہ کے قانع تھے، فن خطاطی میں مہارت رکھتے تھے اور یہی آپ کے گزراوقات کا ذریعہ تھا۔

مطلب گر توانگری خواہی جز قناعت کہ دولت است ہنی

شیخ محمد عبدالحلیم بن محمد عبدالرحیم چشتی نے آپ کو عمدہ الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ:

"ظل المولى على القارى قانعا بما يحصل من بيع كتبه وغلب على حاله الزهدوالعفاف والرضى بالكفاف وكان قليل الاختلاط بغيره كثير العبادة والتقوىٰ" یعنی ملا علی قاری کو جو کچھ اپنی کتاب کی آمدنی سے ملتا تھا اسی پر قناعت کرنے والے تھے ان کے حال پر زہد، عفاف، تھوڑی چیز پر رضا کا غلبہ تھا، قلیل الاختلاط تھے، عبادت وتقویٰ میں کثرت سے مشغول رہتے تھے۔

بلاشبہ ملا علی قاری اپنے وقت کے مشہور عالم کبیر، امام الزمان، اکابر علماء کی محبت کے ملتزم، جامع المعقول والمنقول بیک وقت تجوید وقرأت، حدیث، تفسیر، اصول فقہ، کلام، بلاغت، خطاطی کے فنون کے امام تھے۔

ترجمان احناف: شیخ حدیث کی طرح فقہ میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے،

مسلک احناف کے ترجمان تھے، کتاب وسنت کے مطابق مسلک احناف کے مُبَیِّن تھے اور اپنے ہر مسئلہ میں فقہ حنفی کو ترجیح دیتے تھے اور اسی پر مضبوط تھے، اور شیخ کی عادت تھی کہ جس مسئلہ میں انھیں کتاب وسنت سے تشفی ہوتی تھی تو مخالفین پر کھلی تنقید فرماتے تھے اور کبھی کبھی انداز بیان بھی سخت ہو جاتا تھا، ان کی اس سختی کو دیکھتے ہوئے بعض مؤرخین نے ان پر زبردست تنقید کی ہے چنانچہ ایک مؤرخ کا کہنا ہے کہ ''چونکہ شیخ نے ائمہ پر اعتراضات کئے ہیں ''لھذا تجد مولفاته ليس عليها نور العلم و من ثمة نهي عن مطالعتها كثير من العلماء والاولياء'' لہذا ان کی تالیفات میں علم کا نور نہیں ہے اور بہت سے علماء واولیاء نے ان کی تالیفات کے مطالعہ سے منع فرمایا ہے''۔

لیکن اس بات کی تردید بڑے بڑے مصنف اکابرین نے کی ہے اور کہا ہے کہ فروعات میں علماء کا اختلاف رحمت ہے علم کے میدان میں علماء کا ادلہ سے اپنے موقف کو واضح کرنے کا اختیار شریعت نے دیا ہے اور باقی ائمہ پر شیخ کے اعتراضات بھی تعصب کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ دلائل کی وضاحت کے لئے ہیں اور یہ انداز تو متاخرین اور متقدمین کے درمیان بھی پایا جاتا ہے بلاشبہ وہ عظیم محدث وفقیہ تھے ان کی تالیفات علم کے موتیوں سے پُر ہیں۔ تحقیق مسائل میں وہ لاثانی ہیں ان کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے علوم ظاہری و باطنی کی نشر واشاعت، سنت کی ترویج اور بدعات کی روک تھام میں اپنی کوششوں کا لوہا منوایا۔

(شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں مؤلفہ مولانا عبدالمالک صاحب کراچی: ص/۲۴۳)

تصوف وسلوک: تصوف وسلوک میں ملا علی قاریؒ نے اپنے

زمانے کے مشائخ سے کسب فیض کیا اور اس میں بھی محنت اور کوشش سے کمال حاصل کیا اور سب خاص وعام ان کی ولایت کے معترف ہوئے۔

بہر حال ملا علی قاریؒ شریعت وطریقت دونوں کے جامع تھے، اور اپنے ہم عصروں پر فائق تھے، یہاں تک کہ نواب صدیق حسن خاںؒ اپنی کتاب "اتحاف النبلاء المتقین" میں نقل کرتے ہیں کہ:

هو الجامع للعلوم العقلية والنقلية والمتضلع من السنة النبوية واحد علماء الاعلام وجماهير اولى الحفظ والافهام۔

"وہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع تھے اور سنت نبویہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے اور بڑے علماء میں سے تھے اور عمدہ حفظ وافہام والے تھے۔"

بلکہ مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ لکھتے ہیں:

از معائنہ خلاصۃ الاثر فی اعیان قرن الحادی عشر وغیرہ واضح است کہ از مجددین الف شہاب الدین رملی وملا علی قاری وغیر بودند۔

"کتاب خلاصة الاثر فى اعيان قرن الحادى عشر اور دیگر کتابوں سے واضح ہے کہ شہاب الدین رملیؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ دسویں صدی کے مجددِ دین میں سے تھے۔"

ملا علی قاریؒ کے مزاج میں زہد اور تقوے کا غلبہ تھا اور طبیعت میں قناعت پسندی تھی۔ علمی مشغولیتوں کے بعد زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے، لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول نہ تھا۔

تصانیف: ملا علی قاریؒ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں، یہاں چند اہم

تصانیف شمار کی جاتی ہیں۔

(۱) مرقات المفاتیح لمشکاۃ المصابیح

(۲) الموضوعات

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل

(۴) شرح الشفاء

(۵) الحزب الاعظم والورد الافخم لانتسابہ واستنادہ الی الرسول الاکرم (مقدمۃ الحصن الاعظم شرح الحزب الاعظم للقاری:۳۵)

تعلیمات: آپ کا بڑا کارنامہ "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح" کی تصنیف ہے جس کو علماء امت نے تلقی بالقبول فرمایا ہے، اس میں تصوف وسلوک کے بہت سے مسائل کا بیان ہے، اور ائمہ کے طریقت کے موقع بموقع اقوال نقل فرمائے ہیں جس کو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اپنی مجالس میں نہایت کیف کے ساتھ سناتے تھے ان میں سے بعض مضامین کو بطور نمونہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ "من نفس عن مومن کربۃ من کرب الدنیا الحدیث (مشکوۃ :۲ کی) تشریح کے ضمن میں ارقام فرماتے ہیں:

قال بعض العارفین :لایخفی ان المعسر وصاحب الکربۃ ھو المرید فی وادی الغربۃ المحتاج الی قطع العقبات النفسانیۃ والمنازل الظلمانیۃ والنورانیۃ ، کما اشتہر عن الکتانی ان بین العبد والحق الف مقام عن نور وظلمۃ ویتلقاہ الوساوس والھواجس۔

فعلی شیخہ ان ینفس کربۃ الوساوس عنہ بامرہ بترک المبالاۃبہا والتأمل فی الحجج العقلیۃ والادلۃ النقلیۃ ان استاھلہ واستدامۃ الذکروالابتہال الیٰ المولیٰ ویسہّل علیہ سواء الطریق ویذیقہ حلاوۃ التحقیق حتی یسطع فی قلبہ انوار القلوب ویطلع فی سرہ شموس الوصول الی المحبوب(مرقات : ۱؍۴۱۴)

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ یہ بات مخفی نہیں کہ تنگدست اور مصیبت زدہ وہ مرید ہے جو وادیٔ اَبت میں پڑا ہوا ہے۔اور نفسانی وظلمانی اور نورانی گھاٹیوں کے طے کرنے کا محتاج ہے۔چنانچہ کتانیؒ کا یہ قول مشہور ہے کہ بندے اور حق تعالی کے درمیان نور وظلمت کے ایک ہزار مقامات ہیں،جن کے طے کرنے میں وساوس وخطرات سے سابقہ پڑتا ہے،لہذا شیخ کے لئے ضروری ہے کہ مرید کو وساوس کی کربت سے نکالے،بایں طور کہ اس سے یہ کہے کہ وساوس کی طرف قطعا توجہ نہ کرو، اور عقلی ونقلی دلائل میں غور وفکر کا حکم دے اگر وہ مرید اس کا اہل ہو،اور ذکر اللہ پر مداومت اور گریہ وزاری کا اسے امر کرے اور خود اس کے لئے راستہ کو استوار کرے اور تحقیق کا مزہ چکھائے،یہاں تک کہ اس کے قلب میں انوار قلوب روشن ہوجائیں اور اس کے باطن میں وصال الی المحبوب کے آفتاب طلوع ہوجائیں۔

ف: سبحان اللہ!اس ارشاد میں وظیفۂ مرشد کو کس خوبی سے بیان فرمایا گیا ہے،اور اس کے ضمن میں یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ سالکِ راہ اثنائے سلوک میں کسی شیخ ومرشد کی رہبری کا حد درجہ محتاج ہوتا ہے،ورنہ تو اس کے بھٹکنے اور گمراہ ہونے کا اندیشہ بلکہ شدید خطرہ رہتا ہے۔اس لئے سالک کیلئے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ کسی

رہبر کو لے کر راستہ طے کرے۔اسی کو واقف راہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے بطور ترغیب و تحضیض پُرلطف اسلوب اور سادے الفاظ میں یوں فرمایا ہے ؎

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں　　میں چل رہا ہوں آپ مرے ساتھ آئیے

اور اسی مضمون کے ساتھ عارف رومی بزرگ بطور تنبیہ وتحذیر یوں نغمہ سرا ہیں ؎

بے رفیقے ہرکہ شد در راہِ عشق　　عمر بگزشت و نہ شد آگاہِ عشق

یعنی جس نے بغیر رفیق کے اس راہ میں قدم رکھا تو اس کی ساری عمر گزر گئی مگر وہ عشق سے آگاہ بھی نہ ہوسکا۔(مرتب)

اتباع سنت سعادتِ حقیقیہ کے حصول کا سبب ہے

رسول اکرم ﷺ کے فرمان ”علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسّکو ابھاوعضوا علیھا بالنو(الجزء: ص ر ۳۰) کے ضمن میں ملا علی قاریؒ نے اتباع سنت کی جو تشریح فرمائی ہے اور اس پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان کی جو توضیح فرمائی ہے وہ بہت ہی خوب ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

”لِاَنَّ تَحصِیلَ السَّعَادَاتِ الْحقِیْقِیَّۃِ ......مَنُوطٌ بِاِتِّبَاعِ السُّنَّۃِ بِاَنْ یَّمْتَثِلَ الْاَمْرَ علٰی مُشَاھَدَۃِ الْاِخْلَاصِ وَیَعْظِمُ النَّھْیَ عَلٰی مُشَاھَدَۃِ الْخَوْفِ(مرقاۃ المفاتیح:ج/ ۱ص/۳۷۴)

یعنی اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اوامر شرعیہ کا امتثال خلوص کے مشاہدہ کے ساتھ کرے اور منہیات سے اجتناب اس طرح سے کرے کہ اس کے اندر خوف کا

مشاہدہ کیا جائے یعنی ممنوعات شرعیہ سے ایسا ڈرے گویا کہ اسکے ارتکاب پر جو عذاب وسزا مقرر ہے اس کو دیکھ رہا ہے۔آگے اور ترقی کر کے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

یعنی اتباع سنت سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ بس اوامر کو بجالائے بلکہ یہ ہے کہ اسکو رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی ایک فکر اور دھن پیدا ہوجائے، چنانچہ آپ ﷺ کے جملہ حرکات وسکنات حتی کہ نوم و بیداری سب ہی چیزوں میں آپ کا اتباع کرے، یہاں تک کہ اپنے نفس کو گویا شریعت کی لگام ہی پہنادے، (تاکہ وہ اسی کے اشارہ پر چلے اور اسی کے اشارہ پر رکے) اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قلب اعلیٰ اخلاق کی قلعی سے مصقّل (قلعی دار) ہوکر اور ذکر ومعرفت کے نور سے منور ہوکر بالکل مجلّٰی (صاف شفاف) ہوجاتا ہے اور پھر اس کے بعد (بمُصداقِ حدیث اِذَاصَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ) تمام جوارح قانون عدل (یعنی شریعت) پر عمل کرنے لگتے ہیں اور قلب کے ساتھ ساتھ وہ بھی عادل ہوجاتے ہیں پھر اس کی وجہ سے انسان کے قلب میں ایک ہیئت عادلہ مسنونہ (کیفیت معتدلہ متوسطہ سنت کے مطابق) پیدا ہوجاتی ہے۔(جس کو نسبت مع اللہ بھی کہا جاتا ہے) اور یہ فضل الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر ہوتا ہے۔اس ہیئت اور نسبت کے اندر معارف وحقائق کے قبول کرنیکی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے اور اس امر کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ اب اس کے اندر اللہ تعالی کی وہ روح پھونک دی جائے جو کہ مخصوص ہے ان حضرات کے ساتھ جو احسن طریق سے راہ کو طے کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ یوں رقمطراز ہیں:

ف: میں کہتا ہوں کہ جس طرح سے قانون عدل پر چلنے کی وجہ سے قلب میں ایک ہیئت عادلۃ مسنونہ پیدا ہوجاتی اور وہ ہر قسم کی صلاح کیلئے مثمر (نتیجہ دینے والی) ہوجاتی ہے اسی طرح سے اس کے برخلاف قانون غیر عادلہ پر چلنے کی وجہ سے بھی انسان کے قلب میں ایک ہیئت غیر عادلۃ غیر مسنونہ (بلکہ مذمومہ) پیدا ہوجاتی ہے جس کے ثمرات میں سے فتنہ وفساد، نزاع وخلاف وغیرہ امور ہیں جیسا کہ ہم اس زمانہ میں اسکا مشاہدہ کررہے ہیں۔

الغرض کہ سعادتِ حقیقیہ کی تحصیل موقوف ہے اتباع سنت پر، اس کو چاہے یوں کہہ لیجئے کہ عافیت دارین کی تحصیل موقوف ہے اتباع سنت پر، آدمی اتباع سنت کا اہتمام کرے گا تب ہی اس کو روحانی وجسمانی صحت وعافیت اور قلب کی حیات نصیب ہوگی، آگے فرماتے ہیں کہ یہ سعادت اتباع سنت کے ذریعہ اس وقت حاصل ہوگی جبکہ ایسے شخص کی مصاحبت سے اپنے کو دور رکھے جو وقت کو برباد کرنیوالا ہو اور ان تمام اسباب کے اختیار کرنے سے احتراز کرے جن سے قلب میں تشویش وانتشار پیدا ہو اسی کو کسی نے خوف فرمایا ہے کہ ؎

تا توانی دور شو از یار بد یار بد بدتر بود از مار بد

یعنی جہاں تک ہوسکے برے ساتھی سے دور رہو، کیونکہ برا ساتھی بدترین سانپ سے بھی بڑھ کر مضر اور مہلک ہے۔ (تالیفات مصلح الامت: ۳۲۰/۳)

قرآن پاک کی تعظیم وتوقیر باعث عزت وعظمت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد "ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقوامًا و یضع بہ آخرین" رواہ مسلم، مشکوۃ: ص ۱۸۴ کے تحت صاحب

مرقاۃ میں لکھتے ہیں کہ:۔

(اس کتاب کے ذریعہ) یعنی اس پر ایمان لانے، اس کی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنیکی وجہ سے، اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے جو شرف وکرامت اور ظہور برہان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے۔(اقوام کو رفعت بخشیں گے اور اسی کتاب کی وجہ سے دوسری قوموں کو گرادیں گے) یعنی کثیر جماعت کو اس کی وجہ سے دین ودنیا میں درجات عطا فرمائیں گے۔اس طرح کہ دنیا میں ان کو حیات طیبہ عطا فرمادیں گے اور آخرت میں ان حضرات کے زمرہ میں شامل فرمادیں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔اور جو لوگ ایسے نہ ہوں گے ان کو کاملین کے مراتب سے اتار کر اسفل سافلین میں گرادیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے، الغرض یہ قرآن محبوبوں کے لئے تو (میٹھا) پانی ہے (کہ اس سے سیرابی حاصل کرتے ہیں) اور مجوبوں کے لئے خون ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفاء ورحمت ہے اور ناانصافوں کو اس سے الٹا نقصان بڑھتا ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اس کو پڑھا اور اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کو رفعت بخشیں گے اور جو محض ریاکاری کے لئے تلاوت کرے گا اور عمل نہ کریگا اس کو پست فرمادیں گے۔(مرقاۃ:۵؍۱۲)

قرآن پاک کی تعظیم نہ کرنا ہماری ذلت وخواری کا سبب ہے

ف: مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ اس حدیث کی

توضیح کے سلسلہ میں یوں فرمارہے ہیں:

دیکھئے اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی دونوں ہی صفت ہے جیسے اس پر ایمان لانے اور اس کی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کی تلاوت کرنے سے ئت ورفعت ملتی ہے۔ ویسے ہی یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان نہ لانے، اس کی تعظیم وتوقیر نہ کرنے اور اس کی تلاوت نہ کرنے سے ذلت وپستی بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آج ہم لوگ جو ذلیل وخوار ہیں، دنیا میں ساقط الاعتبار ہیں اس کی وجہ اغیار نہیں ہیں بلکہ اس کے سبب خود ہم لوگ ہیں کہ ہم نے کتاب اللہ سے تعلق کو قطع کردیا، اس کی تعظیم وتوقیر سے، اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے استغناء وبے اعتنائی برتی تو کلام اللہ بھی ناراض ہوگیا، اس نے اپنے فیوض وبرکات سے محروم کردیا، ہمارے اس استغناء کی نحوست کی وجہ سے ذلت ورسوائی نازل ہوئی۔

ذکر کی اہمیت: حضرت ملا علی قاریؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد الأانبئکم بخیر اعمالکم(مشکوۃ : ۱۹۸) کے تحت ذکر کی اہمیت کے سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں کہ ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ذکر اللہ سے مراد ذکر قلبی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

اَلْـمُرَادُ الذِّکرُ القَلْبِی فِاِنّہٗ ھُو الذِی لہ المَنْزِلَۃُ الزَّائِدَۃُ علی بَذْلِ الاموالِ وَالاَنفُسِ لِاَنَّہٗ عملٌ نَفْسِیٌ وفِعلُ القلبِ الّذی ھَو اشقُّ من عملِ الجوارحِ بل ھو الجِھادُ الاکبُرُ لاالذّکرُ باللِّسَانِ الْـمُشْتَمِلِ علیٰ صِیَاحٍ واِنزِعاجٍ وشدَّۃِ تحریک العُنقِ وَاِعْوجَاجٍ کما یَفعلُہٗ بَعْضُ

النَّاس زَاعِمِین اَنَّ ذالکَ جالبٌ لِلْحُضُورِ ومُوْجِبٌ لِلسُّرورِ حَاشَالِلّٰهِ بل سببُ الغیبةِ وَالْغُرورِ۔ (مرقاة:۱۵۲/۵)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ذکر اللہ کو جو خیر العمل فرمایا تو مراد اس سے ذکر قلبی ہے، اس لئے کہ بذل اموال اور بذل نفس سے وہی مرتبہ میں بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ نفس کا عمل اور قلب کا فعل ہے جو کہ عمل جوارح سے زیادہ دشوار ہوتا ہے بلکہ وہ تو جہاد اکبر ہے، ذکر لسانی مراد نہیں ہے جو کہ مشتمل ہوتا ہے چیخ و پکار پر، بدن کے اینٹھنے اور گردن کو زور زور سے ہلانے اور ٹیڑھا کرنے پر جیسا کہ بعض لوگ کیا کرتے ہیں اور اپنے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضور کے لئے معین اور سرور کا موجب ہے، اللہ اس جہل سے بچائے، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ تو ان کے لئے اور زیادہ بُعد اور غرور کا سبب ہو جاتا ہے۔ انتہی

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ابن مالک کے اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر قلبی سراپا محمود و مقبول اور ذکر لسانی قطعاً مذموم نا قابل التفات چیز ہے۔ صاحبِ مرقاۃ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وَلَاشَکَّ ان الذکر یطلق علی الجنانی وعلی اللسانی واَنّ المدارعلی القلب الذی یتقلّبُ بسببِ ذکر المذکور من الغَیبَةِ اِلی الْـحُضورِ وإنّما اللفْظِیُ وسیلةٌولحصول الوُصولِ وُصْلةٌ واختلف المشائخ فی ایّهُما افضل بالنِّسبةالَی المبتدی وان کان ینتهی المنتهی ایضًا الذِّکر القلبِی واما الأُمورُ البدعِیّةُ والاغراض الدُّنیَوِیّةُ فخارِجةٌ عنِ الانواع الذکریة ولاریب انّ الجمع بینهما اکمل وفی تحصیل

المثوبۃِ افضلُ و الظّاھر انہ المرادُ ھٰھنا۔ الخ (حوالہ بالا)

یعنی بلا شبہ ذکر کا اطلاق قلبی اور لسانی دونوں پر کیا جاتا ہے؛ لیکن اعتبار اور مدار قلب ہی کا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اس کی وجہ سے غیبت سے حضور کی جانب لوٹ آتا ہے، رہا لفظی ذکر تو یہ بھی وصول کے حصول کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بنتا ہے۔ (اس لئے اس کا بھی اپنی جگہ پر ایک درجہ ہے)۔

آگے فرماتے ہیں کہ مشائخ کا باہم اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ مبتدی کیلئے کونسا ذکر افضل و بہتر ہے، لفظی یا قلبی؟ تاہم اس پر اتفاق ہے کہ منتہی کے ذکر کی انتہا قلبی ہی پر ہوتی ہے، باقی ذکر لسانی ہو یا قلبی، کسی میں اگر امور بدعیہ اور اغراض دنیویہ کی آمیزش ہو جائے گی تو وہ انواع ذکر ہی سے خارج شمار ہوگا۔ اور اس میں تو کلام ہی نہیں کہ دونوں ذکروں کا جمع کر لینا کمال اور اکمل حال ہے اور تحصیل ثواب میں افضل ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ یہاں یہی مراد ہے۔ آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ مجاہدہ مذکور اور مقاتلۂ مشکور جنکا ذکر حدیث میں گذرا ہے وہ ذکر قلبی سے خالی نہیں ہوتا مگر یہ کہ حدیث کی تقریر یوں کی جائے کہ ایسے شخص کا ذکر قلبی جو کہ ایک جہاد باطنی ہے اسی کے جہاد ظاہری سے افضل ہے۔

پس اس حدیث کا مضمون ایسا ہو گیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک دوسرا ارشاد ہے کہ ایک شخص اپنے دامن میں دراہم بھرے ہوئے اس کو تقسیم کر رہا ہے، دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے تو یہ ذکر کرنے والا اس صدقہ کرنے والے سے افضل ہوگا۔

آگے فرماتے ہیں کہ اس توجیہہ نے ابن حجرؒ کے تحیر کو بھی ختم کر دیا؛ کیونکہ وہ بہت پریشان تھے کہ ذکر میں اگر قرآن کو بھی شامل کرلیا جاوے تب تو وہ بلاشبہ دیگر اعمال لسانیہ سے افضل ہے؛ لیکن دوسری انواع عبادت مثلاً انفاق مال اور بذل النفس وغیرہ سے اس کا افضل ہونا محل نظر ہے کیونکہ ہمارے ائمہ کے کلام سے اس کے خلاف کا پتہ چلتا ہے۔ (انتہی کلامہ)

ذکر کی فضیلت: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "اذامررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا ومارياض الجنۃ؟ قال: حلق الذكر ۔" ر الترمذی ، (مشکوۃ : ۱۹۸)

(یعنی جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گذرو تو وہاں چرلیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے)

اس حدیث کے تحت حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ذکر اور مکان ذکر مطلق بیان کیا گیا ہے اور مراد اس سے وہی ہے جو دوسری روایت میں آیا ہے وہ یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ریاض جنت سے گذرو تو چرلو، میں نے عرض کیا کہ ریاض جنت کونسی جگہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مساجد، پھر میں نے عرض کیا وہاں چرنے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر کہنا۔

دیکھئے اس حدیث میں بھی ان کلمات کو زبان سے کہنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے پھر ذکر لسانی کو لغو و بیکار کیسے کہہ سکتے ہیں!

صاحب مرقاةؒ نے اس کے تحت علامہ نوویؒ کا قول نقل کیا ہے

کہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح سے ذکر مستحب ہے اسی طرح سے ذاکرین کے حلقے میں بیٹھنا بھی مستحب ہے۔آگے ذکر کی قدرے توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وھویکون بالقلب وقد یکون باللسان وافضل منہما ماکان بالقلب واللسان جمیعا فانِ اقْتصر علی احدِھما فالقلبُ افضلُ وینبغيِ اَن لّاَیترُکَ الذّکر بِاللِّسانِ مع القلبِ بِالاخْلاص خوفًا من ان یُّظنَّ بہ الرِّیاءُ وقد نُقِل عن الفُضیل: ترک العمل لِاجل الناس ریاءٌ والعمل لاجل الناس شرکٌ والاِخلاصُ ان یُخلِصکَ اللہ عنھما لکن لوفتحَ الاِنسانُ علی نفسہٖ بابَ مُلاحظۃِ الناسِ والاِحترازِ عن طُرقِ ظُنوْنِہم الباطِلۃِ لانْسدّ علیہ اکْثرُ ابواب الخیر(مرقاۃ : ۵ ، ۱۵۵)

فرماتے ہیں کہ ذکر کبھی قلب سے ہوتا ہے کبھی لسان سے لیکن افضل ان دونوں میں وہ ہے جو قلب ولسان دونوں سے ہو اور اگر صرف ایک ہی پر اقتصار کرنا چاہتا ہے تو پھر ذکر قلبی افضل ہے لیکن مناسب ہے کہ ذکر قلبی کے ساتھ ساتھ اخلاص کے ساتھ ذکر لسانی بھی کرلیا کرے اور ریاء کے اندیشہ سے اس کو نہ چھوڑ دے۔اس لئے کہ حضرت فضیلؒ سے منقول ہے کہ جس طرح سے لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے اسی طرح سے لوگوں کے ڈر سے ترک عمل بھی ریاء ہی ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے تمہیں نکال دے یعنی نہ کوئی مخلوق کی خاطر عمل ہو اور نہ ان کے ڈر سے ترک عمل۔اس لئے اگر انسان اپنے اوپر لوگوں

کے لحاظ کا دروازہ کھولے گا اور ان کے ظنون باطلہ سے بچنے کی فکر میں رہے گا تو اپنے اوپر اکثر و بیشتر خیر کا دروازہ ہی بند کر لے گا، آگے صاحب مرقاۃؒ فرماتے ہیں کہ:

وَرُوِیَ ان بعض المُریدین قال لِشیخہٖ انا اذکرُ اللہ وقلبِیْ غافلٌ ، فقال لہ: اُذکُروا اشکُر انْ شغل عُضوًا مِنک بذِکرہٖ وَاسئَلہُ انْ یَّحضُرَ قلبُکَ۔ (مرقاۃ : ۵؍۱۵۵)

فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ کسی مرید نے اپنے شیخ سے کہا کہ میں اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہوں مگر میرا قلب غافل رہتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح سے ذکر کئے جاؤ اور اللہ تعالی کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے ایک عضو کو تو اپنی یاد میں مشغول کر رکھا ہے اور اس کی دعا کرو کہ تمہیں حضور قلبی بھی نصیب ہو جائے۔

ف: میں کہتا ہوں کہ ھذا ھوَ المعرفۃ فی ھذا الباب گویا کہ وہ بھی کوئی عارف تھے، حقیقت سے واقف تھے، جانتے تھے کہ ذکر قلبی تک پہونچنے کا ذریعہ یہی ذکر لسانی ہے اس لئے اس کی بھی قدر کروائی مگر اس پر قانع بھی نہیں ہونے دیا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ذکر لسانی کا فائدہ یوں بیان فرماتے تھے کہ عضو لسانی اگر جنت میں جائیگا تو کیا دیگر جملہ اعضاء محل نار ہو سکتے ہیں؟ اس لئے ذکر لسانی کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے اور ساتھ ہی ساتھ ذکر قلبی کی بھی سعی کرنا چاہئے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے اس شعر کے متعلق پوچھا ؎

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(یعنی جب تسبیح صرف زبان پر ہو اور دل میں گائے اور گدھے کا ذکر ہو تو ایسی تسبیح کا کیا اثر ہوگا) حضرت تھانویؒ نے جواب میں کیا ہی خوب فرمایا:

ع ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

یعنی دل میں گاؤ خر رہنے کے باوجود جو زبان سے ذکر ہو رہا ہے اس کا بھی نفع و اثر ہوگا۔

ماشاء اللہ! ان کے علاوہ حضرت ملا علی قاریؒ کی بہت سی عبارات و تحقیقات ہیں جسکو حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہؒ برابر سناتے تھے اور اپنی تصنیفات میں برابر نقل فرماتے تھے، اگر کوئی حضرت مولاناؒ کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کرے گا تو ان تحقیقات سے ضرور مستفیض ہوگا۔ و باللہ التوفیق۔ (مرتب)

وفات: ۱۰۱۴ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی اور مکۃ المکرمہ جنت المعلی میں مدفون ہیں، نور اللہ مرقدہ، جب دوسرے علماء کو ان کے وفات کی خبر پہونچی تو انہوں نے اپنے مسلک کے مطابق جامعہ از ہر میں نماز غائبانہ پڑھی جس میں چار ہزار افراد شریک ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(مقدمۃ الحصن الاعظم شرح الحزب الاعظم للقاری: ۳۵)

حضرت شیخ ابراہیم محدث اکبرآبادیؒ المتوفی ۱۰۰۱ھ

نام ونسب: ابراہیم بن داؤد قادری ابوالمکارم مانک پوری، ثم اکبرآبادی فنون فقہ، حدیث و ادبی میں نامور علماء سے تھے۔

تعلیم وتربیت مع ولادت: کڑہ مانک پور پرتابگڑھ میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑھے اور موجود اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد جا کر ڈھائی سال تک حدیث وتفسیر کے علوم پڑھتے رہے، پھر حرمین شریفین جا کر حج وزیارت سے فارغ ہوئے، پھر مصر میں قاہرہ گئے اور وہاں شیخ شمس الدین علقیؒ سے پڑھتے رہے اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری شافعیؒ نے انہیں اجازت دی، پھر مکہ مکرمہ کی طرف گئے اور شیخ عبدالرحمٰن بن فہد مغربیؒ اور شیخ مسعود مغربیؒ اور شیخ ابن حسام الدین متقیؒ کی صحبت میں رہے تو ان تمام حضرات نے ان کو اجازت دی، پھر دوسری مرتبہ مصر گئے اور مستقل چوبیس برس پڑھاتے اور فائدے پہنچاتے رہے۔

فضل وکمال: ہر سال موسم حج میں مکہ مکرمہ جا کر حج کرتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اپنے وطن ہندوستان کی محبت تازہ کر دی تو وطن لوٹ آئے، اکبرآباد میں سکونت اختیار کی پڑھاتے اور فائدے پہنچاتے اور وعظ ونصیحت کرتے رہے، ان سے بہت سے لوگوں نے فائدے اٹھائے اور علوم حاصل کئے جیسا کہ ''گلزار ابرار'' میں ہے، بدایونی نے منتخب التواریخ میں کہا ہے کہ یہ

بہت زیادہ پرہیزگار، متقی، عابد، دیندار اور بہترین مدرس تھے، علوم دینیہ بالخصوص حدیث شریف کے پڑھانے میں اپنی عمر گزاردی۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جذبہ: ہمیشہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتے، گانے بجانے والوں سے بہت دور رہتے اور یہ کہا کہ اکبر بادشاہ نے ایک مرتبہ ان کو اپنے عبادت خانہ میں بلوا بھیجا تو بادشاہوں کی مجلس کے آداب کا مطلق خیال نہیں کیا، وہاں جا کر ان کے سامنے خطبہ دینے لگے، اس طرح کہ کبھی ڈراتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرتے۔ انتہیٰ

وفات: ۲۹؍ ذوالحجہ ۱۰۰۱ھ میں اکبرآباد میں انتقال کیا اور وہیں دفن کئے گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۶؍ سال تھی، جیسا کہ ''گلزار ابرار'' میں ہے۔ نوراللہ مرقدہ

(گیارہویں صدی کے علماء برصغیر ترجمہ نزہۃ الخواطر ج؍۵ ص؍۴۶)

حضرت ملک محمود پیاروؒ احمد آباد المتوفی ۱۰۰۱ھ

نام ونسب: آپ کانام ملک محمود پیارو ہے اور وزیرزادہ دارالملک خاندیس کے ہیں۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت شہر برہان پور میں ہوئی، یہیں نشو ونما ہوئی اور سن تمیز کو پہونچنے پر آپ کے والد نے علمائے شہر کو آپ کی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ آپ نے ابتداء میں کلام مجید پڑھا پھر اس کو حفظ کر کے حافظ ہوئے۔ اس کے بعد علوم فارسی و دیگر علوم وفنون میں کامل طور پر تعلیم حاصل کی۔ آپ فارسی زبان کے ماہر اور منشئ دہر ہوئے۔ اسمائے رجال کی یادداشت، طبیعت کی موزونی، سنجیدہ کاری اور جوہر شناسی وغیرہ یہ تمام کمالات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

منصب وزارت: آپ کے والد کے انتقال کے بعد والئ برہان پور نے ان کی جگہ پر آپ کو منصب وزارت سے سرفراز کیا۔ اگر چہ آپ اس عہدہ کے پورے اہل تھے، لیکن طبیعت اس طرف مائل نہ تھی اس لئے ابتداء ہی سے کام دشوار معلوم ہوا اور اس منصب کو چھوڑنے کی فکر میں رہے۔

اسی اثناء میں اتفاقاً ایک روز حضرت شاہ منصور مجذوب قدس سرہ کی خدمت میں پہونچے انھوں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا:

”اے محمود قرآن پارسی کہ دریں روزہا بہم رسانندہ بیار“

فرمایا کہ اے محمود قرآن فارسی جو کہ آج کل ہی میں حاصل ہوا ہے اس کو

لے کر آؤ تو ملک محمود نے کہا کہ میں نے مثنوی مولوی معنوی (مثنوی مولانا روم) خریدا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کو لے کر حضرت شاہ منصور کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے حکم دیا کہ کھولو اور پڑھو۔ ملک محمود کے چند بیت پڑھنے کے بعد حضرت شاہ منصور نے پھر فرمایا کہ اس کتاب کا ہمیشہ مصاحب بنے رہو کہ نہایت آسان طریقہ سے اس منصب گرفتاری سے آزادی حاصل کرسکو گے کیونکہ یہ معرفت الٰہی کی کنجی ہے۔ چنانچہ ملک محمود نے اس پر عمل کیا اور چند روز کے مطالعہ نے آپ کا دل دنیوی منصب سے اچاٹ کر دیا اور وزارت سے مستعفی ہو کر درویشی اختیار کرلی۔

بیعت وخلافت: کچھ ئمہ کے بعد حضرت شاہ منصور کے اشارہ سے آپ احمد آباد پہنچے اور حضرت سید ئب بخاری (جو حضرت قطب عالم بخاری کے پوتے اور سجادہ نشین تھے) کے ہاتھ پر بیعت کی اور فیض باطنی حاصل کرنے کے بعد خرقۂ خلافت سے ممتاز ہوئے۔ اس طرح آپ کا سلسلہ خاص سہروردیہ بخاریہ تھا۔ لیکن دیگر مشہور خانوادوں سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ خصوصاً پیرانِ مغربیہ اور سادات بخاریہ کے سلسلہ سے بھی وابستگی رکھتے تھے۔

زیارت حرمین شریفین: اسی زمانہ میں زیارت روضۂ نبوی کا شوق غالب ہوا احمد آباد سے روانہ ہو کر حرمین شریفین پہنچے۔ حج بیت اللہ اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے پھر ملک ئب وحجاز کا سفر اختیار کیا۔ علماء وصلحاء سے ملاقاتیں کیں، فیض اٹھایا اور آخر وہاں سے ایک ئمہ کے بعد روانہ ہو کر ہندوستان تشریف لائے۔

اجمیر شریف میں قیام: واپسی پر آپ اجمیر شریف آئے۔ حضرت خواجہ معین

الدین چشتیؒ کے روضہ کی زیارت کی اور وہیں قیام پذیر ہوئے۔ بزرگی اور فضیلت کے باعث درگاہ شریف کے مقبول ہوئے اور ایک مدت تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر مانڈوگڈھ پہنچے جہاں ملا غوثیؒ سے دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ آخر مانڈوگڈھ سے روانہ ہو کر ۹۸۵ھ میں شہر احمد آباد پہنچے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔

عادات و اخلاق: آپ حافظ و منشی دہر اور روح افزائے فضلائے عصر تھے، دنیوی معاملات سے دل برداشتہ رہتے اور بزرگان دین کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے تھے، آپ کی فیض رسانی نے سیکڑوں کو منزل مقصود تک پہنچایا۔

وفات: آخر آپ نے ۱۰۰۱ھ میں شہر احمد آباد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص ۲۸۱)

حضرت سید جلال الدین ماہِ عالم احمد آبادی ؒ المتوفی ۱۰۰۳ھ

نام ونسب: سید جلال الدین نام، ابومحمد کنیت، ماہ عالم لقب ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ذیقعدہ ۹۵۹ھ میں احمد آباد گجرات میں واقع ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے عالم شباب میں مولانا وجیہ الدین ؒ العلوی گجراتی وغیرہ علماء سے علوم ٔ ابیہ وفنون ادبیہ حاصل کئے۔ عالم باعمل ہوئے، تحصیل کے بعد حضرت سید شیر محمد بن سید ٔ اف شاہ بن سید محمد زاہد قدس سرہم سے سلوک وتصوف کو حاصل کیا اور حضرت کے مرید وخلیفہ ہوئے اور مولانا وجیہ الدین علوی سے حقائق ومعارف میں استفادہ کیا، جس سے عارف کامل وصوفی واصل ہوئے اور حضرت شاہ عالم کی خانقاہ وخاندان کو ازسرنو زندہ کیا، مسند مشیخت وسجادہ خلافت کو رونق دی اور اکبری زمانہ میں خان اعظم صوبہ گجرات نے آپ کو شاہیہ خانقاہ میں سجادہ نشین فرمایا۔

اخلاق: آپ صاحب خوارق عادات وکرامات تھے، ذی مروت اور محمودہ صفات تھے، سخاوت وفتوت میں بے نظیر اور کثرت سخاوت کی وجہ سے گھر میں برتن وغیرہ نہیں رکھتے تھے، جو کچھ آمدنی ہوتی تھی فقراء و ٔ اباء کو تقسیم کردیتے تھے، ذخیرہ نہیں فرماتے تھے، مرات احمدی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ایک روز مولانا سید ابوتراب شیرازی نے آپ کی ضیافت کی اس روز ضیافت میں اور بھی علماء ومشائخ

مدعو تھے، جاڑے کا موسم تھا جاڑا شدت سے پڑ رہا تھا تمام اہل دعوت زمنانی لباس اور کشمیری اونی جبّے اور عبائیں پہن کر آئے تھے، دوشالے اور رومال سر پر اور جسم پر لپیٹ کر آئے تھے، آپ بھی زمنانی لباس میں رونق افروز ہوئے، راہ میں ایک ننگے فقیر نے سوال کیا، آپ نے فی الفور کشمیری جبہ اتار کر دیدیا، سائل خوش ہوا، صرف ایک پیراہن سے مجلس میں داخل ہوئے، میزبان اور مہمانوں نے آپ کا استقبال کیا، عظمت وشان سے مسند بڑھائے، اس وقت ہوا سرد تھی اور کھانے میں توقف تھا، باہم علما و مشائخ میں علمی مذاکرات ہو رہا تھا، کافی وقہوہ کا دور چل رہا تھا، اہل مجلس میں سے مولانا شیرازی نے آپ کی خانقاہ کے مہتمم سید محمد امین کو کہا کہ حضرت کے لئے دوشالے منگوائے، اس وقت سردی شدت سے ہے، سید محمد امین مجلس سے اٹھ کر باہر آیا اور فکر کرنے لگا کہ دوشالہ کہاں سے لائے؟ اسی فکر میں تھا کہ مریدوں میں سے ایک شخص محمد امین کے پاس آیا اور دوشالہ پیش کیا اور کہا میں یہ حضرت کے لئے ہدیہ لایا ہوں بہت دیر سے منتظر کھڑا ہوں۔ محمد امین نے دوشالہ لیا اور لاکر حضرت کو اڑھایا اور چند روز کے بعد احباب سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب لوگ حضرتؒ کی کرامت کے معترف ہوئے، جب تک آپ زندہ رہے درویشانہ زندگی بسر کرتے رہے، متوکل علی اللہ تھے، کسی امیر وفقیر سے کبھی التجا نہ فرماتے۔

وفات: آپ نے ۱۴؍ ذیقعدہ وقت شب ۱۳۰۲ھ میں اس دار فانی سے دار النعیم کو رحلت کی، جدّ اعلیٰ کے روضہ میں پائیں مرقد شریف موضع پٹوہ احمد آباد میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (محبوب التواریخ: ج؍۱ ص؍۲۴۲)

حضرت شیخ اولیاء شطاری برہان پوری المتوفی ۱۰۴۰ھ

نام ونسب: آپ کا نام شیخ اولیاء شطاری ہے۔آپ حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ابن مولانا شمس الدین لاہوری کے خاندان سے نسبت رکھتے تھے۔

بیعت وخلافت: فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت شاہ لشکر محمد عارف قدس سرہ کی خدمت میں پہنچ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔اور ایک مدت تک ذکر وتلقین میں مشغول رہ کر فیض معنوی حاصل کیا اور خلافت کی دستار فضیلت سے ممتاز ہوئے۔آپ کا سلسلہ شطاری تھا۔

صبر وتوکل: آپ نہایت متوکل وقانع اور صبر ورضا کے بندے تھے۔ایک روز آپ کے پاس جان فرسا خبر آئی کہ بیٹا اور داماد دونوں ایک معرکہ میں مارے گئے،تو آپ نے اس خبر کو کشادہ پیشانی سے سنا اور ماتم وتعزیت کا رنگ ڈھنگ آپ کے اوضاع واطوار سے قطعی پیدا نہیں ہوا۔اور ان دونوں عزیزوں کی خبر کا جاں گداز خط اپنی بیوی کے پاس اس عنوان سے سنایا کہ تمہارے واسطے ایزدی بارگاہ کا ہدیہ لایا ہوں۔

عادات واخلاق: آپ نے قدم فرسائی کی تو صدق وصفا کے میدان اور خانہ نشین ہوئے تو فقر وغنا کے کوچہ میں آپ صاحب تجرید وتفرید اور عبادت گذار وپرہیز گار تھے۔لوگوں کی فیض رسانی آپ کا کام تھا۔

وفات: آپ کا انتقال ۱۰۴۰ھ میں شہر برہان پور میں ہوا اور یہیں مدفون ہوئے۔نور اللہ مرقدہ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ج ۱ ص ۳۰۰)

حضرت شیخ عبدالکریمؒ برہان پوری المتوفی ۱۰۰۴ھ

نام ونسب: آپ کا نام شیخ عبدالکریم ہے۔آپ حضرت شاہ شہباز ابن ملک عبدالقدوس الٰہی گجراتیؒ کے فرزند رشید ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت شہر برہانپور میں ۹۰۸ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے تمام علوم وفنون میں اپنے والد بزرگوار کے زیر تربیت تعلیم حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں علوم دینی ودنیوی میں عالم وفاضل ہوئے۔

آپ کے والد بزرگوار کو آپ سے بیحد محبت تھی اس لئے ہمیشہ آپ کی نگہبانی کرتے تھے۔ایک روز کا واقعہ ہے کہ بچپن کے زمانہ میں ایک درخت پر چڑھ کر ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے لگے۔ یکا یک پیر کے پھسلنے سے سر کے بل زمین پر گرے لیکن سر میں کوئی چوٹ نہیں آئی۔ایزدی نگاہ داشت کا شکرانہ بجالائے۔ جب مکان پر پہنچے تو والد بزرگوار کو سب واقعہ بتلایا اور کہا کہ اللہ نے نگہبانی کی ورنہ جان کا خطرہ تھا۔انھوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے لیکن ازلی دستگیری بلا سبب نہیں ہوتی۔دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ میں ہاتھ کا کام آنکھ کے سپرد کر کے تم کو درخت کی بلندی سے آہستگی سے زمین پر اتارا اور اس قسم کا تصرف اس شخص کو ہے جو اسم باسط سے متصف و متجلی ہو۔

ف: اہل اللہ سے ایسا تصرف ممکن ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامت

ونعمت ہے۔ ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشآء۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسی باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

بیعت وخلافت: علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت کی اوران کی خدمت میں رہ کر باطنی علوم ومعرفت کو حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ جب ان علوم میں کامل طور پر فیضیاب ہو گئے تو خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا سلسلہ سہروردی وچشتی تھا۔

عظمت ومقبولیت: آپ نے ایک رات خواب میں حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔ اس وقت آپ کو نظر آیا کہ ایک فتنۂ عظیم رونما ہے جس کے باعث کوئی کسی کا پرسان حال نہیں۔ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوکان پر تنہا کھڑے ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی شیخ عبدالکریم دوڑ کر دوکان کے قریب آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے کاندھے پر سوار ہو جائیے تا کہ آپ کو اس اژدہام اورغوغا سے باہر لے جاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا معروضہ قبول فرمایا۔ الغرض آپ جب بیدار ہوئے تو ایک معبر صالح شیخ کمال الدین سندھی کو خواب کا حال بتلایا تو اس نے اس کی تعبیر بتلائی کہ آخر زمانے میں بدعتوں کا فتنہ اس قدر پھیلے گا کہ ہر شخص خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے چھٹکارا نہیں پائے گا۔ (مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، جیسا کہ حضرت عبدالکریم صاحبؒ کو محفوظ رکھا۔ واللہ الموفق۔ مرتب)

حضرت خضرؑ سے ملاقات: ابتدائے آگہی سے اختتام زندگانی تک ان کی ملاقات ہمیشہ حضرت خضر علیہ السلام سے ہوتی رہی۔ آپ نے یہ بات سوائے اپنے

محرم راز کے کسی پر کبھی بھی ظاہر نہیں کی۔

عادات واخلاق: آپ ہمیشہ غسل جمعہ کرتے تھے۔اسی سال کی عمر تک کبھی ناغہ نہیں کیا۔اور تکبیر اولیٰ بھی کبھی آپ سے فوت نہیں ہوئی۔آپ نہایت مہمان نواز تھے روزانہ آخر عمر تک پانچ چھ فقراء اور مساکین کو مطبخ خاص سے کھانا پہنچاتے تھے۔ آپ نہایت متوکل اور قانع تھے۔قولاً وفعلاً سر سے پیر تک احکام شرعی سے مالامال تھے۔آپ نے اپنی تمام زندگی بدستور شریعت خدا پرستی میں اس طرح گذاردی کہ کبھی آپ کا ہاتھ کسی دولت مند کے سامنے دراز نہیں ہوا۔روزانہ جس قدر نقد وجنس ملتا اسے جب تک حاجت مندوں کے گھر تک نہ بھیج دیتے شام آرام سے نہ گذارتے تھے۔اور رات کا ملا ہوا مال ومتاع جب تک تنگ دستوں کے کاشانوں میں نہ پہنچادیتے دن خوشی سے نہ گذارتے تھے۔آغاز سلوک سے وصال کے وقت تک جو الٰہی اسرار اور انوار وقتاً فوقتاً آپ پر نزول ہوتے رہے ان سے ایک شمہ بھی زبان سے ظاہر نہ کرتے تھے۔

وفات: آپ کا انتقال ۹۶؍سال کی عمر میں ۱۲؍شعبان سنہ ۱۰۰۴ھ میں شہر برہانپور میں ہوا۔رحمہ اللہ تعالیٰ

مزار: آپ کا مزار بیرون فصیل شہر شمالی رخ پر آپ کے والد بزرگوار کے روضہ کے قریب شہر برہان پور میں ہے۔نور اللہ مراقدہم

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ج؍۱ص؍۳۰۷)

حضرت شیخ طاہر محدث سندھی ؒ برہان پوری المتوفی ۹۸۲ھ

نام ونسب: نام شیخ طاہر، والد کا نام شیخ یوسف بن رکن الدین ہے۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت قصبہ بات بایانزی صوبہ سندھ (جواب پاکستان میں ہے) میں تقریباً ۹۲۰ھ میں ہوئی، وہیں نشوونما پائی اور والد بزرگوار کے زیر تربیت رہ کر عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

پھر سندھ کے علماء کی طرف رجوع ہوئے، آغاز شباب میں اپنے والد اور برادر مکرم شیخ طیب ؒ کے ہمراہ حضرت شیخ شہاب الدین سندھی ؒ کی خدمت میں پہونچے اور شرح شمسیہ پڑھانے کی درخواست کی لیکن شیخ شہاب الدین نے اس کتاب کا درس دینا مناسب نہ سمجھا اور حضرت امام غزالی ؒ کی مشہور ومفید کتاب منہاج العابدین پڑھانا شروع کی، آپ نے ایک عرصہ تک رہ کر اس کی پوری طور سے تحصیل کی اور وطن واپس ہوئے۔

ماشاء اللہ عزیزم مولانا نواب احمد مکرانی سلمہ نے ''تاریخ اولیاء کرام مؤلفہ مکرم بشیر محمد خاں ایم، اے، ایل، ایل، بی'' بھیجا جس سے آپ کے مختصر حالات لکھے جارہے ہیں۔ اسی طرح بہت سے بزرگوں کے حالات اس کتاب سے لکھے جا چکے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

نیز ڈاکٹر امداد علی صاحب بیجاپوری نے ''گلزار ابرار ترجمہ اذکار ابرار مؤلفہ علامہ محمد غوثی شطاری مانڈوی'' بھیجا جس سے صاحب تذکرہ کی تصنیف، تفسیر مجمع البحار سے کچھ اقتباس اخیر میں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (مرتب)

ف: یہ کتاب غالباً امام غزالیؒ کی آخری تصنیف ہے جس کا حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نے ہم لوگوں کو درس دیا ہے، اللہ تعالی اس کی تعلیم وتربیت پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین (مرتب)

احمد آباد کو روانگی اور وہیں قیام: جب شہنشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر لاہور ہوتا ہوا ۹۴۹؁ھ مطابق ۱۵۴۲؁ء میں سندھ میں وارد ہوا تو ملک میں بدامنی اور ابتری پھیلی اور لوگ وطن چھوڑ کر دوسرے صوبوں میں چلے گئے اسی دوران آپ مع برادر اور اقارب کے ۹۵۰؁ھ میں وطن کو خیر آباد کہہ کر ہندوستان کے صوبہ گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور احمد آباد میں قیام پذیر ہو گئے۔

حضرت غوث الاولیاء سے ملاقات: اس زمانہ میں حضرت غوث الاولیاء محمد غوث گوالیاری قدس سرہ احمد آباد میں رونق افروز تھے اور ان کی بزرگی اور فضیلت کا بہت شہرہ تھا، چنانچہ حضرت شیخ طاہرؒ بھی حضرت غوث الاولیاء کی خدمت میں پہونچے اور ملاقات کی، اس وقت حضرت غوث الاولیاءؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

شیشۂ ایشاں خوب پاک شدہ است چہ نیکو بود گر شراب دریں انداختہ شود

یعنی ان کا شیشہ دل نہایت پاک ہے، کیا اچھا ہوتا کہ اس میں شراب (محبت ومعرفت الٰہیہ) ڈالی جائے۔

حضرت شیخ طاہر چوں کہ بہت متقی اور پرہیزگار تھے اس لئے حضرت غوث الاولیاء کی یہ بات ناگوار خاطر ہوئی اور دل میں خیال گزرا کہ اتنے بلند پایا بزرگ کو مجلس میں اُم الخبائث (شراب) کا نام لینا مناسب نہ تھا، لیکن آپ خاموش رہے

اور تھوڑی دیر کے بعد چلے گئے، پھر حضرت غوث الاولیاء کی ملاقات کے لئے دوبارہ نہیں گئے؛ مگر جب احمد آباد میں دوبارہ سکونت اختیار کرنے کے لئے گئے تو ایک دن آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ حق تعالی نے قرآن مجید میں خمر (شراب) کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت رسالت ﷺ کی احادیث میں بھی خمر کا ذکر آیا ہے اس لئے اگر حضرت غوث الاولیاءؒ نے اپنی مجلس میں خمر کا ذکر کیا تو اس بات سے ان پر کوئی حرف نہیں آتا، اس لئے آپ کے دل میں حضرت غوث الاولیاء سے دوبارہ ملاقات کی خواہش پیدا ہوگئی، جب آپ غوث الاولیا کے روبرو ہوئے تو فرمایا کہ تم چلے گئے تھے مگر ہم نے تم کو باطنی توجہ سے جانے نہیں دیا۔ اس لئے تم آ گئے۔

بیعت وخلافت: آخر حضرت شیخ طاہر نے حضرت غوث الاولیاء کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی خدمت میں رہ کر تمام مقامات ومراتب عالی احسن طریقہ پر حاصل کئے اور پھر فیوضات باطنی سے مستفید ہوئے آخر خرقہ خلافت شطاریہ سے ممتاز ہوئے اور چودہ خانوادوں کی خلافت کی اجازت سے مشرف ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد آپ احمد آباد سے روانہ ہو کر شہر بیدر دکن میں پہونچے اور مخدوم جیو شیخ ابراہیم بن شیخ محمد ملتانیؒ کی خدمت میں رہے اور ان سے خرقہ خلافت قادریہ بھی حاصل کیا اس طرح آپ کا سلسلہ شطاریہ اور قادریہ تھا۔

ف: معلوم ہوا کہ متعدد مشائخ سے یکے بعد دیگرے بیعت ہو سکتا ہے، یہ طلب کی علامت ہے نہ کہ پہلے سلسلہ کی ناقدری اور صاحب سلسلہ کی تحقیر۔ (مرتب)

کچھ عرصہ کے بعد مرشد سے اجازت لے کر آپ صوبہ برار کی دارالسلطنت

ایلچ پور (اب اچل پور کہلاتا ہے) میں پہونچے۔اس وقت وہاں کا حکمراں تفال خان تھا، اس نے خوش آمدید کہا اور برابر خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔مگر وہاں جب کسی جنگ کی وجہ سے فتنہ وفساد پھیلا تو وہاں کے اکثر باشندے جلاوطن کر گئے، اس وقت آپ بھی وہاں سے عادل شاہ فاروقی والئی برہان پور کی خواہش پر تمام اعزہ واقارب کے ہمراہ برہان پور آگئے اور مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے، بادشاہ نے آپ اور آپ کے متعلقین کی سکونت کے لئے ایک شاندار محل دیا، آخر عمر تک آپ وہیں مقیم رہے، یہ محل اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے، آپ کے ہم عصر شیخ طیب سندھی، شیخ مبارک سندھی، قاضی عبدالغنی وغیرہ نے بھی یہیں سکونت اختیار کی، ان سندھی بزرگوں کے باعث یہ محلہ سندھیاں کہلانے لگا اور بعد میں سندھی پور کے نام سے مشہور ہوا اور آج تک یہی نام مشہور رہے۔(تاریخ اولیائے کرام برہان پور:ص ر ۳۰۴)

ف: ماشاءاللہ! شاہ عادل اسم بامسمی تھا کہ علما ومشائخ کی قدر کرتا تھا، یقیناً ایسے ہی بادشاہ امام عادل کے نام سے موسوم ہو سکتے ہیں، جن کے لئے حدیث میں خاص شرف مذکور ہے۔واللہ الموفق۔(مرتب)

اخلاق وعادات: آپ میخانہ تحقیق کے بادہ گساروں کے حریف اور منزل توحید کے دیرینہ رہ نوردوں کے ہم پایہ اور فاضل اجل ورئیس المحدثین تھے، جب کسی مجلس میں مسائل علمی کی تشریح کرتے تو نہایت دلپذیر طریقہ سے اس کے نکات ظاہر کرتے۔جب دیگر مصنفوں کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہوتے تو اپنی پر بہار فطرت سے رنگ برنگ کے پھول چمن معنی سے شگفتہ کرتے تھے۔آپ کا بیان معجزہ نما اور تحریر معنی خیز ہوتی تھی۔آپ کی درس وتدریس اور صحبت پر فیض

سے سیکڑوں طالبان علم ظاہر و باطن مستفید و فیضیاب ہوئے۔

علم وفضل اور تصانیف: آپ علوم دینی و مذہبی میں نہایت عالم و فاضل اور کامل تھے، علم حدیث میں علامہ دہر تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ کو دو ہزار احادیث از بریاد تھیں اسی لئے آپ رئیس المحدثین کہلاتے تھے، آپ نے عربی اور فارسی، فقہ اور حدیث میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مثلاً (۱) "تفسیر مجمع البحار" یہ کتاب عربی میں ہے، اس میں طائفۂ صوفیہ کے نکات اور ارشادات کی تفسیر بالکل لطائف قشیری کے اسلوب پر لکھی گئی ہے۔ (۲) مختصر قوت القلوب (۳) منتخب مواہب لدنیہ، (۴) تفسیر مدارک، یہ کتاب نہایت اختصار کے ساتھ اپنے دو فرزند عبداللہ و رحمت اللہ کے لئے لکھی گئی ہے۔ (۵) موجز القسطلانی، (۶) ملتقط جمع الجوامع لسیوطی، (۷) اسامی رجال صحیح بخاری وغیرہ۔

ف: غور فرمایئے کہ ہمارے مشائخ صاحب سلاسل ہونے کے باوجود وعظ ونصیحت اور تصنیف و تالیف کی بھی بہترین خدمت انجام دیتے تھے جبکہ اب ایسی جامعیت کمیاب معلوم ہو رہی ہے۔ کثر اللہ امثالہم۔ مرتب

تفسیری اقتباسات: چونکہ اس اقوال سلف لکھنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ صاحب تذکرہ حضرات کے ارشادات و ہدایات نقل کی جائیں یا ان کی تصنیفات میں سے کچھ نصیحت آمیز باتیں لکھی جائیں تاکہ ناظرین کرام کو علمی و عملی نفع ہو۔

لہذا ہم "اذکار ابرار" کے ترجمہ "گلزار ابرار" مصنفہ علامہ محمد غوثی شطاریؒ سے "تفسیر مجمع البحار" کی بعض عبارات نقل کرتے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے۔ اختصار کی غرض سے صرف اردو ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَرَضٌ کی تفسیر: تفسیر رحمانی میں لکھا ہے "فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَرَضٌ" یعنی منافقین کے قلوب میں قوت حکمت کی کمی اور قوت شہوات کی زیادتی ہے۔

احیاء میں لکھا ہے۔ واضح ہو کہ غضب اور شہوۃ کے دو لشکر کبھی تو قلب کے کامل مطیع ہوتے ہیں۔ اس صورت میں وہ قلب کو اس طریقہ پر چلنے میں مدد دیتے ہیں کہ جس طریقہ پر قلب چلتا ہے۔ اور کبھی قلب کی نافرمانی کرتے ہیں از روئے بغاوت اور سرکشی کے۔ یہاں تک کہ قلب کے مالک بن جاتے ہیں۔ اور قلب سے اطاعت چاہتے ہیں۔ اس صورت میں قلب کی ہلاکت متیقن ہے۔ اور نیز جس سفر کے ذریعہ سے قلب ابدی سعادت کو پہنچ سکتا ہے اس سفر سے بوجہ تبعیت غضب اور شہوۃ کا انقطاع ہو جاتا ہے۔ اور قلب کا ایک لشکر اور ہے، جس کے افراد علم، حکمت اور تفکر ہیں۔ اور قلب کو یہ حق حاصل ہے کہ اس لشکر سے مدد مانگے۔ کیونکہ یہ لشکر مذکور الصدر دونوں لشکروں کے مقابلہ میں اللہ کی گروہ ہے۔ یہ دونوں لشکر شیطانی گروہ سے مل جاتے ہیں۔ تو جس شخص نے اس لشکر سے مدد نہیں مانگی اور اس کے نفس پر غضب اور شہوۃ کے دونوں لشکر مسلط ہو گئے تو وہ شخص یقینا ہلاک ہو گیا۔ اور اس نے صریح نقصان اٹھایا۔ اور اکثر مخلوقات کا خیال ایسا ہی دیکھا جاتا ہے یعنی شہوات پوری کرنے کے واسطے حیلے اور بہانے سوچ سوچ کر نکالتے ہیں۔ اکثر مخلوقات کی عقلیں ان کی شہوات کی تابع ہو رہی ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ شہوۃ ان کی عقلوں کے تابع ہوتی۔

امراض قلب: امراض قلب کی علامات کا بیان اس طرح پر ہے جیسے جسمانی اعضا میں سے ہر ایک عضو اپنے خاص فعل کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس

کا مرض یہ ہے کہ جس فعل کے واسطے وہ عضو پیدا کیا گیا ہے، اس فعل کا عضو مذکور سے صدور متعذر ہو جاوے۔ اسی طرح قلب کا مرض یہ ہے کہ جس فعل کے واسطے قلب پیدا کیا ہے، اس فعل کا قلب سے صدور متعذر ہو جاوے۔ اور افعال قلب یہ ہیں۔ علم، حکمت، معرفت، اللہ جل شانہ کی محبت، اس کی عبادت، اس کے ساتھ لذت پانا اور کامل اقتضاء کے موافق ان چیزوں کو کام میں لانا۔ اور نفس آدمی کی خاصیت ایسا امر ہونا چاہئے کہ جس کے سبب سے آدمی بہائم سے الگ متمیز ہو سکے۔ آدمی بہائم سے قوت اکل اور قوت جنگ کے سبب سے متمیز نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ اشیاء کو ان کی اصلی ماہیت کے موافق پہچاننا یہ وجہ تمیز ہے۔ اصل اشیاء ان کے موجد اور مخترع کو سمجھنا چاہئے۔ جس نے اشیاء کو بنایا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ شانہ ہے۔ اس واسطے اگر انسان نے بالفرض تمام اشیاء کو پہچانا مگر اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا تو گویا اس نے کچھ بھی نہیں پہچانا۔ تمام لوگوں نے ان علوم کو چھوڑ دیا ہے اس زمانہ میں یہ علوم پرانے پڑ گئے ہیں۔ اور جو خصومات اتباع شہوات سے پیدا ہوتی ہیں ان کے تصفیہ کے اندر اپنے اخلاق کو واسطہ بنانے میں لوگ مصروف ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فقہ یہی ہے اور اس علم کو جو خاص فقہ دین ہے تمام علوم میں سے خارج کر دیا ہے۔ دنیاوی فقہ سے مقصد یہ تھا کہ اس ذریعہ سے دوسرے مانعات اٹھاوے تا کہ فقہ دین کے واسطے فراغت حاصل ہو۔ مگر اب مجرد اسی دنیاوی فقہ کی طرف رخ کر بیٹھے ہیں۔ گویا دنیاوی فقہ ہی دراصل دینی فقہ ہے۔

بعض کتب میں لکھا ہے۔ واضح ہو کہ قلب حقیقت میں از روئے شریعت بمنزلہ قالب ہے۔ اور قلب کے سوا کسی اور پر اعتماد نہیں کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

نظر کا مقام قلب ہی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا ہے، بلکہ تمہارے قلب کی طرف نظر فرماتا ہے۔ پس جیسے انسانوں کے ہر ہر عضو کو امراض لاحق ہوتے ہیں۔ اسی طرح قلب کو بھی علتیں اور امراض لاحق ہوتے ہیں۔ کیونکہ قلب ہی فی نفسہ انسان حقیقی ہے اور اس کے اعضا بھی حقیقی ہیں۔ چنانچہ قلب کا ایک سر ہے جس کے سبب سے وہ زندہ رہتا ہے، اگر بدن کا سر کاٹ لیا جاوے تو جس طرح بدن زندہ نہیں رہ سکتا ہے اسی طرح قلب بھی زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اور قلب کا سر لطائف غیبی کا ادراک کرنا ہے۔ اور جس طرح سر کے حواس کی تقسیم ہے اسی طرح اس ادراک کی بھی تقسیم ہے۔ اور اقسام ادراک یہ ہیں۔ بصیرۃ۔ تذکر۔ مراقبہ۔ تمیز اور تفکر۔

بصیرۃ قلب کی آنکھ ہے۔ تذکر قلب کی زبان ہے۔ مراقبہ قلب کے کان ہیں۔ تفکر قلب کا خیال ہے۔ اور تمیز قلب کا تجربہ اور افعال ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو خیر پہنچاتا ہے تو اس کے دل کی دونوں آنکھیں کھول دیتا ہے۔ زبان رواں کر دیتا ہے اور کان کو قوت سماعت دیدیتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو شر پہنچانا چاہتا ہے تو اس کے کان پر اور آنکھ پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور اس بندہ کو ادراکات سے باز رکھتا ہے۔ اور باز داشت بھی روحانی مرض ہے جس سے صداع (درد) قلب عارض ہوتا ہے۔ اور باز داشت جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر غفلت زیادہ بڑھتی ہے۔ اور قلب کی غفلت بمنزلہ مرگی کے ہے۔ اور فاسد تخیلات کا غلبہ سر کے واسطے مثل مالیخولیا کے ہے۔ جب سر مرض مالیخولیا میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے اعمال باہم الجھ جاتے ہیں۔ اور قلب تخیلات فاسدہ سے منفعل ہوتا ہے تو

اس میں بہت سی خبط و جنون کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور ایسے مجنون کی طرح ہو جاتا ہے کہ جیسے کوئی متحیر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے باز رکھا گیا ہو۔

نیز قلب کا مرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن نہ رکھتا ہو۔ اور طمع کی فضول سے قلب کا ممتلی ہونا۔ اور نیز طمع اس کو لاحق ہونا۔ قلب کے اندر استسقا پیدا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مال سے اور جاہ سے سیر نہیں ہوتا ہے۔ اور غفلت وہ ہواء ہے جو بصیرۃ کی نابینائی پیدا کرتا ہے۔ یعنی بصیرۃ میں تاریکی آجاتی ہے اور اس کا نور نفسانی خواہشات کے دھوئیں سے کم پڑ جاتا ہے جس طرح آنکھوں کی نظر بیرونی بخارات سے عالم دنیا میں تیرہ و تاریک ہو جاتی ہے۔

ف: اچھی تفسیر ہے بغور پڑھنا چاہئے اور ہر عضو کی اصلاح اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کرنا چاہئے۔ (مرتب)

بشارت: وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جو اس دریائے معانی کی تہ کو پہنچ کر اسرار کے موتی عبارات کے ذریعہ سے نذر ناظرین کرے۔ ایک روز اس تفسیر کے اجزاء دریائے کشف و شہود کے مستغرق شیخ لشکر محمد عارف شطاری ؒ کی نظر سے گذری تو بہت خوش ہوئے۔ فرمایا اس رنگین کتاب کا مصنف اپنی حسنات کی جزا کا اندازہ شاید قیامت کے روز ہی کر سکے گا۔ کیونکہ یہ اندازہ آج کے روز ان حسنات کی کیفیت بیان کرنے سے نہیں ہو سکتا ہے۔ (گلزار ابرار: ص ر ۴۳۲)

وفات: آپ کا انتقال ۱۰۰۴ھ میں شہر برہان پور میں ہوا رحمہ اللہ تعالی اور وہیں اپنے حجرے میں مدفون ہوئے۔ جو محلہ سندھی پورہ میں حضرت شاہ علیمی جنداللہ کے مزار کے شمالی رخ پر واقع ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور: ار ۳۰)

حضرت شیخ برہان الدین چشتی ؒ برہانپوری المتوفی ۱۰۸۴ھ

نام ونسب: نام شیخ برہان الدین والد کا نام شیخ حاجی بن شیخ سونا بن شیخ ریحان ؒ ہے۔

ولادت وتعلیم: آپ کی پیدائش شہر برہان پور میں ہوئی اور اپنے والد کے زیر تربیت علوم دینی ودنیوی میں علمائے شہر سے تعلیم حاصل کی۔

بیعت وخلافت: فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ان کی خدمت میں رہ کر فیوضات باطنی حاصل کرنے لگے۔ جب آپ کے والد کا وقت رحلت قریب ہوا تو آپ کو طلب کر کے نصیحت کی اور چشتیوں کی خلافت بخشی۔ اور اس کے بعد آپ کو دستار، پیراہن، تسبیح وشال وسجادہ اور ملفوظات جو کہ حضرت شاہ حمید الدین ؒ اور حضرت شاہ قطب الدین ؒ نے دیئے تھے وہ سب اور شاہ قطب الدین ؒ کا عصا مرحمت کئے اور اپنی جگہ پر سجادہ نشین کیا۔

عادات واخلاق: آپ ہمیشہ صائم الدہر اور قائم اللیل رہے۔ دن رات نماز اور درود اور دیگر وظائف میں مشغول رہتے اور اعوذ باللہ الیٰ آخر مع بسم اللہ پڑھتے تھے۔

وصیت: جب حضرت شیخ برہان الدین ؒ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اپنے فرزند شیر محمد اور تمام مریدوں اور طالبوں کو طلب کیا اور لڑکے کو نصیحت فرمائی کہ اے فرزند! جب تک زندہ رہو مثل خاک کے رہو اور دنیا کی طمع نہ کرنا اور راہ حق

میں ثابت قدم رہنا۔اور اسی طرح دیگر مریدوں کو بھی نصیحت فرمائی اور آخر میں اپنے فرزند کو پیرہن وتسبیح ومصلی وعصاوکلاہ چارتر کی اور شال دیکر خلافت سے سرفراز کیااور سب کو رخصت کیا۔

وفات: آخر ۴؍جمادی الاولی ۱۰۰۴ھ میں آپ انتقال فرماگئے۔آپ کا مزار شاہ بھکاری کے مزار کے احاطہ میں شہر برہان پور میں ہے۔نوراللہ مرقدہ

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص؍۳۱۳)

حضرت شیخ عبدالرحیم گجراتیؒ برہانپوری المتوفی ۱۰۰۵ھ

ولادت و تعلیم: آپ کا نام شیخ عبدالرحیم ہے، آپ کی ولادت موضع کرنج ضلع احمد آباد گجرات میں ہوئی، اور وہیں سن رشد کو پہنچے اور علوم دینی و مذہبی حاصل کی۔

برہان پور میں آمد و سکونت: فارغ التحصیل ہونے کے بعد وطن سے روانہ ہو کر عادل شاہ فاروقی والیٔ برہان پور کے زمانہ میں برہان پور تشریف لائے اور بیرون فصیل شہر دو میل کے فاصلے پر اتاولی ندی کے کنارے ایک جھونپڑا بنا کر رہنے لگے۔ آپ جامع علم و فضل تھے۔ فرشتہ سیرت اور نورانی صورت تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی عظمت و بزرگی کی شہرت ہوئی۔

تاریخ برہان پور میں ایک روایت منقول ہے کہ جب آپ کی عظمت و کرامت کی شہرت ہوئی تو مشائخین برہان پور میں سے ایک بزرگ نے ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا آپ کی خدمت میں بھیجا جس سے یہ اشارہ تھا کہ شہر برہان پور اہل کمال سے لبریز ہے اور یہاں کسی کی گنجائش نہیں۔ آپ نے پیالہ بھرا ہوا دیکھ کر اس کا منشاء سمجھ لیا اور اسی وقت موتیا کا ایک پھول پیالہ میں ڈال کر واپس کر دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم مثل پھول کے رہیں گے اور کسی کے لئے بار خاطر نہ ہوں گے۔ برہان پور کے مشائخ آپ کی اس ذکاوت و تیز فہمی سے بیحد محظوظ ہوئے اور نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے اور خلق اللہ میں بہت مشہور ہوئے۔

ف: حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ جب اعظمگڈھ، گورکھپور سے

الہ آباد تشریف لائے تو اس قسم کے واقعہ کو شیخ زکریا ملتانی کی طرف منسوب کر کے معتقد بار بیان فرمایا اس سے آپ کا یہ بھی اشارہ تھا کہ الہ آباد میں مثل پھول ہی کے رہوں گا کسی پر بار خاطر نہوں گا۔ اور اسی طرح کا واقعہ شیخ بھکاری برہان پوری کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے، جیسا کہ تاریخ اولیاء کرام کے محشی نے نقل کیا ہے۔ (مرتب)

عادل پورہ کی بنیاد: راجہ علی عادل شاہ والیٔ برہان پور آپ کا بہت معتقد تھا۔ اس نے آپ کی سکونت کے لئے ایک مسجد بنوادی اور اسی سے متصل ایک حجرہ بنایا جس میں آپ سکونت رکھتے تھے اور راتاولی ندی کے قریب ہی ایک سرائے تعمیر کروائی اور اس خطہ کا نام عادل پورہ رکھا اور اس کو آباد کروایا۔ یہاں آپ ہدایت خلق اللہ اور تلقین طالبین میں مشغول رہتے تھے۔

قطب وقت: ایک روز حضرت مسیح الامت شاہ عیسیٰ جند اللہ نے لوگوں کو آپ کی قطبیت کی بشارت دی اور فرمایا کہ رات میں مجھے خواب میں شیخ عبد الرحیم کے قطب وقت ہونے کی آگاہی ہوئی اسی لئے یہ خوشخبری سب کو سناتا ہوں۔

عادات واخلاق: آپ صاحب ہمت وتوکل اور شریعت کے پابند صاحب علم وفضل تھے۔ اہل دنیا سے دور رہ کر ان کی فیض رسانی میں کوشاں رہتے اور اپنے اوقات عزیز یاد الٰہی میں صرف کرتے تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۰۰۵ھ میں ہوئی اور راتاولی ندی کے دکھن رخ پر ان ہی کے حجرے میں مدفون کیا گیا۔ آپ کا مزار عادل پورہ برہان پور میں ہے، جو اتاولی ندی کے موجودہ پل کے قریب ہی ہے۔

(تاریخ اولیاء کرام برہانپور ج ۱ ص ۳۱۸)

حضرت مولانا خواجگی امکنگیؒ المتوفی ۱۰۰۸ھ

ولادت: آپ کی ولادت ۹۱۸ھ میں ہوئی

اخلاق وعادات: آپ کو اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ درویش محمدؒ سے انتساب ہے اور انہیں کی تربیت سے مقام تکمیل وارشاد کو پہنچے، تیس سال تک اپنے والد کی مسند مشیخت پر متمکن رہے، اور آنے جانے والوں کی خدمت کیا کرتے تھے، باوجودیکہ آپ نہایت معمر ہوگئے تھے اور آپ کے ہاتھ کانپتے تھے لیکن مہمانوں کو خود کھانا کھلاتے تھے بلکہ بسا اوقات مہمانوں کے خادم اور سواریوں کی بھی خود خبر گیری کیا کرتے تھے، اور طریقۂ نقشبندیہ کی نہایت رعایت فرماتے۔

ان کے خوارق عادات واشراق قلوب بہت زیادہ مشہور تھے اور اپنے وقت میں مرجع طالبین تھے، علماء وفضلاء، امراء وفقراء ان کی خدمت میں استفاضہ واستفادہ کیلئے حاضر ہوا کرتے تھے، بلکہ ملوک وسلاطین بھی آستانۂ عالیہ پر حاضری کو فخر سمجھتے تھے۔

ارشادات: نقل ہے کہ ایک درویش نے بیان کیا کہ میں ایک شب حضرت خواجہؒ کے ہمراہ پابرہنہ جارہا تھا۔ ناگاہ میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا، آپ نے فرمایا کہ اے برادر جب تک کانٹا نہیں لگتا، پھول ہاتھ نہیں آتا۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب حقیقت بیان فرمائی جو جملہ سالکین راہ کے لئے مشعل راہ ہے کہ پھول کے حصول کے لئے کانٹے کو گوارا کرنا پڑتا ہے۔ (مرتب)

نقل ہے کہ ایک مرتبہ تین طالب علم آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے اور ہر ایک نے اپنے اپنے دل میں علیٰحدہ علیٰحدہ نیت کی کہ اگر حضرت خواجہ نے فلاں طعام کی ضیافت کی تب میں ان کو صاحبِ کرامت سمجھوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ اگر مجھ کو فلاں میوہ دیں تب میں ان کو ولی سمجھوں گا، تیسرے نے کہا کہ اگر فلاں خوبصورت لڑکا میرے پاس آجائے تب صاحب خارق سمجھوں گا، جب یہ تینوں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت نے اول کے دونوں کی خواہشات پوری کردیں اور تیسرے سے کہا کہ درویشوں کے جو حالات اور کمالات حاصل ہوتے ہیں تو وہ آنحضرت ﷺ کی شریعت کی اتباع اور پیروی سے حاصل ہوتے ہیں، ان سے نامشروع امر صادر نہیں ہوتا، پھر سب سے مخاطب ہوکر فرمایا: درویشوں کے پاس امر مباح کے واسطے بھی نہ آئے کیونکہ ان کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں، اکثر ایسی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، ایسی حالت میں آنے والوں کے واسطے نقصان ہے اور ان کے فیض سے محرومی ہوتی ہے۔

فرمایا کہ کرامت کا چنداں اعتبار نہیں ہے، ان کے پاس خالصۃً للہ آنا چاہئے کہ ان کے باطن سے حصہ ملے۔ (مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص/۱۲۸ تا ۱۳۰)

ف: سبحان اللہ! کیسی اہم تعلیم فرمائی کہ ان حضرات سے کرامت کا جویاں نہ ہونا چاہئے یہ ان حضرات کے مرتبہ سے کم درجہ کی چیز ہے، یہ حضرات نسبت مع اللہ اور علوم نبوت کے حامل ہوتے ہیں لہٰذا اس دولت کا ان سے طالب ہونا چاہئے جس کو یہ بزرگان دین پسند کرتے ہیں۔ (مرتب)

وفات: سنہ ۸۰۰ھ میں امکنگ (روس) میں رحلت فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ: ص/۹۷)

حضرت مولانا میاں جموجی محدثؒ برہانپوری المتوفی ۱۰۰۸ھ

نام ونسب: نام جمال محمد ہے لیکن بچپن ہی سے میاں جموجی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ ملک چاند احمد آبادی کے فرزندارجمند تھے۔ حضرت ملک چاند نہایت متقی اور پرہیزگار تھے، حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ کی خاک دامن گیر ہوئی اور وہیں انتقال فرمایا۔ جس رات میں آپ نے انتقال کیا اسی شب میں احمد آباد میں ایک شخص کی موت ہوئی جو ستم رانی وآزار رسانی میں مشہور تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد احمد آباد کے ایک بزرگ نے اس شخص کو خواب میں دیکھا تو مثل مغفوروں کے پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حکم خداوندی سے حضرت ملک چاند کے ساتھ رحلت کرنے کے باعث اس کی مغفرت ہوگئی۔

ف: سبحان اللہ! کیسی اللہ کی رحمتِ خصوصی کا ظہور ہوا۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

رحمتِ حق بہا نمی جوید
رحمت حق بہانہ می جوید

(مرتب)

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت شہر احمد آباد گجرات میں ہوئی۔ وہیں نشوونما ہوئی اور سن شعور کو پہنچنے کے بعد علمائے گجرات کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ علوم مذہبی ودینی اور حدیث وتفسیر میں تعلیم حاصل کی اور عالم وفاضل ہوئے۔

بیعت وخلافت: آپ نے اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی اور علوم باطنی حاصل

کرنے کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔آپ کا سلسلہ قادریہ معلوم ہوتا ہے۔

برہان پور میں سکونت اور مدرسی: کچھ عرصہ کے بعد احمد آباد سے روانہ ہو کر برہان پور تشریف لائے۔شاہ فاروقی والیٔ برہان پور نے آپ کی بہت تعظیم وتکریم کی اور مدرسہ دینیات میں مقرر کر دیا جہاں آپ حدیث وتفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔آپ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے بعد ہی سے نماز عشاء تک تفسیر وحدیث کے درس میں مشغول رہتے۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ فیض رسانی کا دروازہ دشمن پر بند کرتے اور صرف دوست کے لئے کھلا رکھتے تھے۔آپ نے تعلیم کے وقت دوست کو کبھی دشمن پر اور آشنا کو بیگانہ پر ترجیح نہیں دی۔

حج بیت اللہ: آپ ۹۹۷؁ھ میں برہان پور سے سفر حجاز کے لئے روانہ ہوئے۔اس وقت آپ کی مصاحبت میں شیخ محمود بن عبداللہ گجراتی (المتوفیٰ ۱۰۰۴ھ) شیخ عبدالقادر اور ملک پیر محمد حسن وغیرہ بزرگ تھے۔زیارت اور حج سے فارغ ہونے کے بعد علمائے حجاز کی خدمت میں احادیث کی تکمیل کی اور محدثین کاملین سے اسناد حاصل کئے۔علمائے کرام اور مشاہیر عظام سے بھی ملاقاتیں کیں۔اس کے بعد بغداد تشریف لے گئے اور حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ کا پیرہن ایک سجادہ نشین سے حاصل کیا اور ہندوستان لے کر آئے۔جب گجرات میں پہنچے تو وہاں کے مشائخ نے آپ کا بہت اعزاز واکرام کیا اور پیرہن کی زیارت کی۔

پیرہن کی زیارت: گجرات سے برہان پور تشریف لائے،جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ کے پاس حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ کا پیرہن مبارک ہے تو

عوام وخواص، علماء اور اہل اللہ پیرہن کی زیارت کے لئے آپ کے پاس آنے لگے۔ جس سے آپ کی بہت شہرت ہوئی۔ حضرت مسیح الاولیاء سے منقول ہے کہ پیرہن کا حال معلوم کر کے حضرت شیخ طاہر یوسف اور فقراء اور دیگر مشائخ آپ کے مکان پر گئے اور اس قمیص کی زیارت کی اور دامن کو بوسہ دیا۔

وفات: آپ کی وفات تقریباً ۱۰۰۸ھ میں شہر برہان پور میں ہوئی۔ آپ کا مزار بیرون فصیل شہر برہان پور جانب شمال عادل پورہ میں اپنے مرید خاص دریا خان روی کے باغیچہ میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (تاریخ اولیاء برہانپور ص ۳۳۱)

حضرت شیخ مبارک ناگوریؒ المتوفی ۱۰۰۹ھ

نام ونسب: شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری، آپ قریشی النسل تھے آپ کے آباؤ واجداد میں شیخ موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، ۸۰۰ھ میں یمن سے نکل کر سیستان میں مقیم ہوگئے تھے، آپ کے والد شیخ خضر بزرگوں کی زیارت کے ارادہ سے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان آئے، قصبہ ناگور میں چند بزرگوں کی موجودگی کے باعث اقامت اختیار کرلی۔

ولادت وتعلیم: ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک تولد ہوئے، چار سال کی عمر سے تعلیم شروع ہوئی، چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہوگئے۔

احمد آباد پہونچ کر خطیب ابوالفضل گاذرونیؒ اور مولانا عماد طارمیؒ سے بھی استفادہ کیا، سلوک وتصوف میں بھی اعلیٰ مقام حاصل کیا اور شیخ یوسفؒ وشیخ عمرؒ سے سلسلہ شطاریہ، چشتیہ، سہروردیہ میں اجازت حاصل کی۔

۹۵۰ھ میں آگرہ پہنچے، اس وقت آپ کی عمر ۳۹ رسال تھی، میر رفیع الدین صفوی کی خانقاہ میں قیام کیا۔ شیخ چندن قریشی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ پھر درس وتدریس میں لگ گئے، آپ چاروں ائمہ کے احکام سے واقف تھے، آپ کے درس میں ہر مذہب وملت کا آدمی شامل ہوتا تھا۔

ملا بدایونی نے لکھا ہے کہ شیخ مبارک اپنے زمانے کے بڑے کامل شخص تھے۔ صلاح وتوکل، زہد وتقویٰ میں اپنے ہمعمروں میں فائق تھے، ہمیشہ علوم دینیہ

کے درس میں مشغول رہے۔علم تصوف کو کمال درجہ پر پہنچایا تھا، شاطبی آپ کو زبانی یاد تھی، قرآن شریف دس قرأت کے ساتھ یاد تھا۔

تصنیف وتالیف : صاحب اخبار الاصفیاء لکھتے ہیں کہ ان کے کتب خانہ میں پانچ سو ضخیم کتابیں خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی موجود تھیں۔

آپ کی ایک تصنیف ہے جس کا نام بدایونی اور طبقات کے مطابق، منبع نفائس العلوم، اور ماآثر کے مطابق، منبع عیون المعانی ہے،

(اُبی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ: ۲۶۵)

ف: معلوم ہوا کہ یہ حضرات تزکیۂ نفوس کی خدمت کے علاوہ تعلیم کتاب وحکمت اور تصنیف وتالیف کا بھی شغل رکھتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان خدمات دینیہ کی اخلاص کے ساتھ ہم سب کو توفیق دے، اور قبول فرمائے اور امت کے لئے مفید بنائے۔آمین (مرتب)

وفات: شیخ مبارک کا انتقال ۱۷ر ذیقعدہ ۱۰۰۹ھ بمطابق ۱۹ر مئی ۱۶۰۱ء میں ہوا۔آگرہ میں مدفون ہیں۔(مشائخ احمد آباد: ۱ر۲۷۵)

حضرت اُیزان مومن شیخ صدیقی سمرقندیؒ المتوفی ۱۰۱ھ

نام ونسب: نام اُیزان مومن، والد کا نام اُیزان درویش شیخ ہے، موروثی خطاب اُیزان تھا۔

ولادت: آپ کی ولادت علی آباد علاقہ سمرقند میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی نشو ونما علی آباد میں ہوئی۔ اور تعلیم وتربیت بھی وہیں پاتے رہے، جب آپ سات سال کے ہوئے تو پڑھنا شروع فرمایا۔ والد کی حسن توجہ سے دو سال کی مدت میں ختم قرآن ومختصرات فقہ وحدیث سے فارغ ہوئے۔ فارغ ہونے کے بعد سمرقند کے مدارس میں علماء وفضلا کی خدمت میں کتب معقول ومنقول تمام کیا۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد تصوف کی طرف مائل ہوئے، تصوف میں ایسے اُق ہوئے کہ خودی سے بیخود ہوگئے۔ والد ماجد آپ کے آثار واطوار دیکھ کر فرماتے تھے کہ میرا یہ نور چشم ولی کامل ہوگا۔ واقعی آپ ہونہار تھے، تھوڑی ہی مدت میں ریاضت شاقہ کی بدولت درجہ ولایت کو پہنچے۔ ولی کامل وعارف واصل ہوئے، والد ماجد کے مرید وخلیفہ ہوئے، ہدایت وارشاد کے بازار کو گرم کیا۔ آپ بزرگانِ عصر ومعاصرین سے حسن سلوک فرماتے تھے۔

اخلاق فاضلہ: دس بجے رات تک مریدین کا مجمع ذکر بالجہر میں مشغول رہتا تھا۔ آپ کے مریدین ذاکر وشاغل تھے، اکثر علم وفضل کے زیور سے آراستہ تھے۔ والد ماجد کی رحلت کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے، آپ مکارم اخلاق سے موصوف

تھے۔ اُباء کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے، دلداری و مدارات میں کوتاہی جائز نہیں رکھتے تھے۔ مریدین و ملازمین سے اگر سہواً خطا واقع ہو جائے تو معاف کرتے تھے، قہر و غضب نہیں فرماتے تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد بیماروں کی عیادت و یتامیٰ و بیواؤں کی اعانت کرتے تھے۔ آپ کی عادت مستمرہ تھی کہ جنازہ کے ساتھ جانا نماز جنازہ میں شریک ہونا لازم جانتے تھے۔ اور حاجتمندوں کی حاجت روائی اور فقراء کی دستگیری فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس میں قال اللہ وقال الرسول کا تذکرہ ہوتا تھا، کوئی فرد کسی کی غیبت و شکایت نہیں کرتا تھا، آپ کو جھوٹی باتوں اور بیہودہ کلام سے زیادہ نفرت تھی۔ راست بازی وایفائے وعدہ وامانت داری و بردباری و نرم گفتاری میں مشہور تھے۔ مدۃ العمر آپ کی زبان پاک سے بیہودہ کلام نہیں نکلا۔

آپ کی خانقاہ کا حال: آپ کا کلام نصائح و پند میں جامع ہوتا تھا۔ ہر ایک امیر و فقیر آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتا تھا آپ معتقدین و مریدین کے خیر خواہ تھے۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں دو ڈھائی ہزار مرید تھے اکثر خانقاہ میں سکونت پذیر تھے۔ مریدین بیشمار صبح و شام آپ کے آستانۂ مبارک پر صف بصف موجود رہتے تھے اور آپ کے فیضان خدمت و صحبت سے مشرف ہوتے تھے۔ تمام کو مساوات کے درجہ میں رکھتے تھے، آپ کی خانقاہ میں امیر و فقیر میں امتیاز نہ تھا۔ آپ کے خوان نعمت پر غنی و فقیر باہم ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوتے تھے، آپ ہر ایک کے ساتھ نہایت لطف و مرحمت سے کلام فرماتے تھے اور بزرگان سلف و خلف کو نیکی و خوبی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ آپ نے مدۃ العمر کسی پر قہر و غضب نہیں فرمایا نہ کسی کی خطا و تقصیر پر برہم ہوئے، صاحب خطا کو نصیحۃً فرماتے تھے بابا ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب مکارم اخلاق اور محاسن آداب تھے جو ہم سب منتسبین کو لائحۂ عمل بنانے کے لائق ہے۔ وباللہ التوفیق (مرتب)

آپ کا طریق نقشبندیہ تھا: آپ کے تمام بزرگان سلف نقشبندیہ طریقہ کے پیرو تھے آپ بھی اسلاف کے قدم بقدم تھے۔ آپ کو اگر چہ دیگر طریقوں میں مرید کرنے کی اجازت تھی لیکن آپ اکثر نقشبندیہ طریق میں مرید کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ بظاہر ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

لیکن واقع میں تمام کا مرجع نسبت مع اللہ ہے، کسی طریقہ کی اہانت نہیں فرماتے ہر طریقہ کے پیرو مرید کی تعریف وتحسین کرتے تھے۔

ف: ماشاء اللہ یہ ہمارے بزرگان سلف تھے کہ بجز اپنی ذات کے کسی کو برا نہیں جانتے تھے خود پسندی و اُور سے مبرا ہوتے تھے۔ حسد و کینہ سے معرا تھے کسی پر لعن وطعن نہ فرماتے تھے جیسا کہ آج کل ایک دوسرے پر کیا جاتا ہے اس لئے ہم کو بزرگان سلف کے اعمال واخلاق سے سبق لینا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت عطا کر اور راہ راست پر لا۔ آمین ثم آمین (مرتب)

درس وتدریس: آپ بزرگان سلف کی طرح جامع الفضائل والکمالات تھے اور موروثی خطاب اُیزان عالم سے ملقب تھے، روزانہ طلبہ کو حدیث وتفسیر وفقہ کی کتاب پڑھاتے تھے اور تصوف وتعرف کے رسائل بھی آپ کی تدریس میں تھے، اس شغل میں مدۃ العمر بسر کئے، ہمیشہ دنیوی مال وحشمت سے متنفر رہتے دنیوی وجاہت کو کبھی وقعت سے نہیں دیکھا۔ صفت قناعت سے موصوف تھے، دنیا ومافیہا سے نفرت فرماتے تھے، قطب کی طرح خانقاہ میں جمے رہتے تھے، مریدین بخارا

وسمر قند سے بیشمار تحائف ونذریں بھیجتے تھے۔

آپ تحائف ونذریں قبول کر کے مریدین وطلبہ میں تقسیم کر دیتے تھے جمع کر کے ذخیرہ نہیں رکھتے تھے، تمام مریدین رات کے آخر وقت میں باوجود نقشبندی ہونے کے ذکر بالجہر کرتے تھے شہر کے سامعین سننے سے نہایت خوش ہوتے تھے۔ا ئہ واقارب کے ساتھ حسن سلوک رکھتے تھے، کبھی ا ئہ کو رنجیدہ دل وکشیدہ خاطر نہیں فرمایا۔طلبہ ومریدین کو بھی آپ ا ئہ کی طرح سمجھتے تھے۔ اُبا پرور وبندہ نواز تھے۔خانقاہ میں جو مسافر فروکش ہوتے تھے خود ان کی خدمت کرتے تھے اور ان کے خوراک وپوشاک کی خبر گیری فرماتے تھے۔آپ کے معتقدین طریقت میں قدم رکھتے تھے اور شرع کے احاطہ سے قدم باہر نہیں رکھتے تھے۔صوم وصلوٰۃ کی پابندی لازم سمجھتے تھے۔

ارشادات: آپ مریدین سے فرماتے تھے کہ ارشاد باری تعالیٰ ”اطیعو االلہ واطیعو االرسول واولی الامر“ کے مضمون پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔کبھی شریعت کے طریقہ سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔مریدین آپ کے حکم وارشاد کی تعمیل کرتے تھے۔

بلخ وبخارا وسمر قند وغیرہ بلاد میں آپ کی شمع ہدایت سے اکثر چراغ روشن ہوئے ہیں۔عجب نہیں کہ اب تک روشن ہوں۔وماذالک علی اللہ بعزیز

وفات: آپ ۱۰۱۰ھ میں اس دار فانی سے فردوس بریں روانہ ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔علی آباد سمر قند میں خانقاہ کے مقبرہ میں بزرگان سلف کے قرب میں مدفون ہوئے۔(محبوب التواریخ، ج ر ا ص ر ۱۲)

حضرت قاضی سراج محمد بنبانی ثم برہانپوریؒ المتوفی ۱۰۱۰ھ

نام ونسب: نام شیخ سراج محمد آپ کے آباء واجداد موضع بنبان (جو سندھ میں واقع ہے) کے رہنے والے تھے۔قصبہ بنبان کی طرف نسبت کی وجہ سے سراج الدین بنبانی کے نام سے مشہور ہوئے۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت شہر احمدآباد گجرات میں ہوئی، وہیں نشوونما ہوئی۔علمائے وقت سے علوم متداولہ و دینیہ میں تعلیم حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں کامل وفاضل ہوئے۔

بیعت وخلافت: فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت غوث الاولیاء محمد غوث گوالیاری قدس سرہ کے حلقۂ ارادت میں شریک ہوئے اور علوم باطنی سے بہرہ ور ہونے کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔آپ کا سلسلہ شطاری[1] تھا۔

برہان پور میں آمد وسکونت: آپ ۹۸۲ھ میں احمدآباد سے روانہ ہوکر

---

(۱) سلسلہ شطاریہ کا تعارف مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں اس طرح کراتے ہیں:

طریقۂ شطاریہ کے بانی شیخ عبداللہ شطار خراسانی ہیں جو غالباً نویں صدی کے اوائل میں ہندوستان تشریف لائے، اور مانڈو میں سکونت اختیار کی، ۸۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی، مانڈو میں اندرون قلعہ مدفون ہوئے۔وہ امیرانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے، صاحب جذب قوی تھے، خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا اور تیزی سے ان کا سلسلہ ہندوستان میں پھیل گیا۔(تاریخ دعوت وعزیمت: ج۴/ص۳۸)

برہان پور تشریف لائے، اور موضع زین آباد میں جو برہان پور سے متصل ہے اور تاپتی ندی کے بائیں جانب واقع ہے، سکونت پذیر ہوئے، یہیں عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے اور تقریباً ۳۰ر سال تک طالبین کو درس و تلقین سے فیضیاب کرتے رہے۔

تصانیف: آپ عالم و فاضل تھے، آپ نے مختصر رسالوں کے علاوہ شیخ نظامی گنجوی کی کتاب ''مخزن الاسرار'' کی ایک عمدہ شرح حقائق آمیز لکھی اور اس کی مشکل مشکل عبارتوں اور مضامین کو عمدہ اور سہل طریقہ سے حل کر کے اہل علم کو فیضیاب فرمایا۔

وفات: ماہ شعبان سنہ ۱۰۱۰ھ میں آپ وفات پاگئے۔ آپ کا مزار زین آباد برہانپور میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور ج ر ا ص ر ۳۴۵)

حضرت قاضی عبدالقادر پانی پتیؒ المتوفیٰ ۱۱۰۱ھ

نام ونسب: نام عبدالقادر، والد کا نام قاضی محمود ابن حاجی عبدالصمد ہے۔

تعارف: آپ شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے خلیفہ تھے جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ آپ نے علم تصوف کی تحصیل شیخ امان اللہ کی خدمت میں رہ کر کی، جوانی شروع ہوتے ہی آپ نے سیاحی شروع کر دی۔ چنانچہ تین دفعہ حرمین شریفین اور بیت المقدس کی زیارت کر کے سعادت پر سعادت سے بہریاب ہوئے۔ اور سفر میں کسی جگہ توشہ اور زادراہ کو ہاتھ نہیں لگایا راستہ میں قدم عاشقانہ رکھ کر تمام دریاؤں اور جنگلوں کو چھان مارا اس کے بعد اجین مالوہ میں آ کر چند سال گوشہ میں بیٹھے۔ بالآخر ائیزوں کی عاجزی اور خواہش کے مطابق سارنگ پور مالوہ میں آپ نے اقامت اختیار کیا، آپ کے عم مکرم سارنگ پور کے قاضی تھے ان کی رحلت کے بعد منصب قضا آپ کے نام ہو گیا تھا لیکن آپ کے دل سے بدستور وارستگی اور آزادی جوش کرتی رہی اس سبب سے کئی دفعہ مسند قضا چھوڑ کر آپ کہیں چلے گئے تھے مگر دس سال کے بعد دوست اور احباب بہت کچھ جستجو کر کے دور دراز ملک سے آپ کو لائے تھے۔ القصہ کسی چیز کے ساتھ ذرہ برابر بھی دلبستگی کی علامت پر نشان نہیں پایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کے سوا کسی شئی کی طرف آپ کی ہمت کا رخ نہیں تھا۔

علمی کمالات: قدماء کے ادبی اور فارسی اشعار جو صوفیہ کی عبارتوں کے ساتھ

آراستہ اور آشنا ہوئے تھے، فصیح البیانی کے ساتھ ان کی ایسی توجیہ کیا کرتے تھے کہ سننے والے وجد اور سلوک میں گرم ہو جایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں جس طرح آنے کے وقت آپ بہمہ نوع مجرد (خالی) آئے تھے اسی طرح بازگشت (واپسی) کے وقت دل کو دنیوی تعلق اور خیال سے سبکدوش کر کے عالم قدس کو روانہ ہو گئے۔ شیخ عثمان پسر شاہ منجھن بیان کرتے تھے کہ تفسیر کا علم حفظ تھا، متشابہات کی تاویلات، ناسخ ومنسوخ کی تقدیم وتاخیر، مشکلات کا حل، مجملات کا بیان، ا ااب کی تخصیص وتعمیم اور وجوہ حقیقت ومجاز اور شان نزول اور آیت قرآن کی عبارات اور استعارات کو خوب جانتے تھے۔ ہر جمعہ کے روز جامع مسجد میں تفسیر قرآن بیان فرمایا کرتے تھے جس میں مفسروں کے بہت سے اصول وقوانین کی رعایت رکھتے تھے۔ رحلت کے روز بھی حسب عادت مقررہ سورۂ مزمل کی تفسیر بیان کی، آپ کے بدن میں لرزہ پیدا ہوا تھوڑی دیر وصیت فرمائی، اس کے بعد انتقال ہو گیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

ف: ان باتوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے مشائخ صرف علم سے مناسبت ہی نہیں بلکہ اس میں مہارت وکمال رکھتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو بھی ظاہری وباطنی، علمی وعملی کمالات سے مشرف فرمائے۔ آمین (مرتب)

وفات: آپ کا انتقال ۱۰۱۱ھ میں ہوا۔ ''قاضی زندہ دل'' رحلت کی تاریخ ہے۔ نور اللہ مرقدہ (گلزار ابرار ص ر ۴۶۱)

نزہۃ الخواطر میں مذکور ہے کہ آپ کی پانی پت میں پیدائش ہوئی اور شہر اجین میں انتقال ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون (ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/ ۵ ص/ ۳۲۷)

حضرت مولانا صبغۃ اللہ بن روح اللہ بھروچیؒ المتوفی ۱۰۱۵ھ

(مرتبہ: مولانا اقبال ٹنکاروی سلمہ)

نام ونسب: آپ کا نام صبغۃ اللہ بن روح اللہ بن جمال اللہ حسینی کاظمی بھروچی ہے۔ یہ اصفہانی الاصل ہیں۔ اصفہان سے ان کے دادا نے ہندوستان کا سفر کیا اور گجرات کے قدیم شہر بھروچ میں سکونت اختیار کی۔

ولادت: شہر بھروچ میں ۹۵۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب سترہویں پشت میں سید موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے جو حضرت جعفر صادقؒ کے فرزند ہیں۔

تعلیم وتربیت: آپ سید کمال الدین قزوینیؒ کے نواسے ہیں۔ پہلے نانا سے علوم حاصل کئے، پھر احمد آباد میں واقع علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ العلویؒ گجراتی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور اُنہی سے کسب فیض کیا اور طریق تصوف کی تکمیل کی، حتی کہ اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، بعد میں ان کے فضل وکمال کی شہرت دور دور تک پہنچی اور لوگوں نے اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مدتوں بھروچ میں علوم وفنون کی اشاعت کی اور اپنے نانا کے مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر حج بیت اللہ کیا، اور وہاں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر دو سال کے قیام کے بعد وہاں سے واپس ہوئے اور بھروچ میں علوم کی اشاعت میں مشغول ہو گئے۔

سفرحج: اس کے بعد ۹۹۹ھ میں مالوہ (خاندیش) پہنچے، اور وہاں سے چل دیئے اور احمد نگر کے امیر کو اپنے ئم سے مطلع کیا اور ایک سال وہاں امیر برہان شاہ کے یہاں ٹھہرے، پھر حرمین شریفین کے قصد سے وہاں سے روانہ ہوئے اور بیجاپور پہنچے، وہاں پانچ سال قیام کیا، پھر حج کے لئے نکل پڑے پھر بیجاپور کے بادشاہ عادل شاہ نے انہیں اسباب سفر عطا کیا اور اپنی ایک خاص کشتی عطا کی، جس میں شیخ مع اصحاب واتباع سفر کر کے حرمین شریفین پہنچے اور ۱۰۰۵ھ میں حج بیت اللہ سے سرفراز ہوئے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچے اور جبل احد پر قیام فرمایا، یہاں تعلیم وتزکیہ میں مشغول ہوئے، لوگوں نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کے فضل وکمال سے پورا فائدہ اٹھایا، اور مستفیض ہوئے۔

تصانیف: آپ کی تصنیفات میں تفسیر بیضاوی پر حاشیہ ہے جو بلاد روم تک مشہور ہوا اور لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، نیز کتاب الوحدة اراءة الدقائق فی شرح مرآة الخلائق بھی لکھی ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیریؒ کی ''جواہر خمسہ'' کی تعریب بھی کی۔ اور بھی کئی تصانیف ہیں جو آپ نے علماء اَب کی فرمائش پر لکھی ہیں۔

محمد بن فضل اللہ محبی نے ''خلاصہ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر'' میں اس کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے، اور شیخ نجم الدین ۂی نے لطف السمر وقطف الثمر'' میں ان کی بڑی مدح وثناء کی ہے۔

اولاد: آپ کا نکاح بھروچ کے امیر نواب چنگیز خاں کی دختر سے ہوا تھا، آپ

کی اولاد میں تین بیٹے ہیں: سید عبدالعلی، سید عبدالاعلی، سید عبدالاکبر۔ آپ کی دینی خدمات جلیلہ دیکھ کر بحکم شاہی آپ کو بھروچ کی مشرقی سمت میں دریائے نربدا کے کنارے واقع ''وڈوا'' ضلع بھروچ گجرات کی زمین عطیہ دی گئی۔

(یاد ایام ص ر ۱۰۱، تاریخ گجرات: ۵۹)

فضل وکمال: محبی نے ''خلاصۃ الاثر'' میں اور نوی نے لطف السمر میں لکھا ہے کہ ''شیخ صبغۃ اللہؒ نماز پنجگانہ جماعت کے ساتھ بالالتزام حجرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرقی جھروکے کے پاس پڑھتے تھے''، نوی کہتے ہیں کہ میں نے ان کی زیارت وہیں کی اور دعاء کی درخواست کی تو فرمایا کہ نہیں، آپ دعاء کیجئے، آپ حاجی ہیں، میں آمین کہتا ہوں۔ میں ان کا حکم بجالایا، میں نے دعاء کی اور وہ آمین کہتے رہے۔ نوی کہتے ہیں کہ ان کی رنگت سفید اور چہرہ روشن تھا، ان کے چہرہ سے عبادت کا نور اور علم کا دبدبہ ظاہر ہوتا تھا۔

شیخ نہایت فیاض اور سخی تھے۔ دور دور سے ان کے پاس پورے سال ایک لاکھ قرش کی مقدار میں ہدایا آتے تھے، وہ سارے کا سارا فقراء پر صرف کردیتے تھے، اپنے پاس کچھ باقی نہیں رکھتے تھے۔ (اعیان الحجاج: ۲۲۵)

ف: کیسی جود وسخا کی صفت تھی جو اہل اللہ کی خاص صفت ہوتی ہے، اللہ تعالی ہم سبکو اس کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔ (مرتب)

ارشادات

حج سے زیادہ صدقہ کا ثواب ہے: کتاب تجلیات کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ایک دن آپ ابراہیم پورہ کی مسجد میں بیٹھے تھے کہ آپ کا ایک مرید عبدالصمد

نامی آیا اور کہا کہ بیت اللہ کی رخصت کیلئے حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تو قرض سے فارغ ہے، اور خرچ راہ موجود ہے؟ اس نے جواب دیا: قرض سے فارغ ہوں اور خرچ راہ موجود ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں مستحقین ہیں کچھ رقم ان کو دیدے، اللہ تعالیٰ حج کا ثواب دے گا۔ عبدالصمد نے رقم ساری اسی وقت تقسیم کردی، آپ نے ظہر کی نماز ادا کی، عبدالصمد بھی نماز میں تھا، کعبہ روبرو نظر آیا جب عبدالصمد گھر آیا رات کو خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھکو ستر (۷۰) حج کا ثواب عطا فرمایا، صبح حضرت سے بیان کیا، حضرت مسکرا کے خاموش ہو گئے۔

ف: کاش کہ ہم سب کو بھی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا ایسا ہی کامل یقین ہوتا تو ہم سب بھی اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم کے مورد ہوتے۔ واللہ الموفق (مرتب)

محبت مدینہ: آپ مدینہ سے کہیں باہر نہیں جاتے تھے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدینہ کے باہر انتقال ہو جائے، آپ نے شریف مکہ سے کبھی اختلاط نہ کیا، مریدوں نے عرض کیا کہ آپ یہاں رہتے ہیں اس لئے شریف سے ملنا چاہئے، آپ نے فرمایا کہ میں یہاں مرنے کیلئے آیا ہوں، مجھ کو شریف مکہ سے کچھ غرض نہیں۔ (محبوب التواریخ، تذکرہ اولیاء دکن: ص/۲۶۸)

وفات: شیخ کی وفات ۱۰۱۵ھ میں ہوئی، مزار بقیع الغرقد مدینہ منورہ میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ (اعیان الحجاج: ۲/۲۲۵)

حضرت سید جمال الدین ؒ خواجہ داناسورتی ؒ المتوفی ۱۰۱۵ھ

نام ونسب: نام سید جمال الدین ،لقب خواجہ دانا ،والد کا نام سید خواجہ بادشاہ پردہ پوش ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت جونک ہاجنوق نامی گاؤں میں جو بخارا میں خوارزم سے کچھ ہی دور ہے وہیں ولادت ہوئی ،آپ کے آباء واجداد یہاں قیام پذیر تھے۔

بچپن کے صدمات: ایام طفولیت میں ہی آپ کے سر سے ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا، ۴/ماہ کی عمر تھی ،آپ کے والد ماجد حضرت سید بادشاہ پردہ پوش ؒ نے جامِ شہادت نوش کیا، شاہ اسمٰعیل صفوی کی جنگ میں شریک تھے۔

تعلیم وتربیت: آپ کے والد ماجد ؒ کے حکم کے مطابق جو انہوں نے عالم رویا میں دیا تھا، حضرت خواجہ سید حسن عطا ؒ نے آپ کو ابتدائی تعلیم دی اور آپ کی تربیت پر کافی دھیان دیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت خواجہ سید محمد کو آپ کے والد ماجد ؒ نے عالم رویا میں حکم دیا کہ وہ حضرت کو تعلیم وتربیت دیں۔ چنانچہ انہوں نے چھ سال تک تعلیم دی۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن لوٹ گئے۔

عبادت وریاضت: حضرت خواجہ سید محمد ؒ کے چلے جانے کے بعد آپ جنگل میں تن تنہا رہتے تھے اور عبادت کرتے تھے، آپ کی عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ایک وسیع دائرہ کے بیچ میں بیٹھتے تھے اور آپ کے چاروں طرف جنگلی جانور ہوتے تھے، آپ جب اللہ کہتے تو جنگلی جانور بھی نقل کرنے کی کوشش کرتے ، اس

طرح سارا جنگل اللہ اللہ کے ذکر سے گونج اٹھتا تھا۔

ف: سبحان اللہ! ذکر اللہ کا کیا مبارک سماں تھا۔تو کیا اگر ہم لوگ حلقہ بنا بنا کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا نزول نہ ہوگا، مگر افسوس اب یہ ذکر کے حلقے نایاب ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو حضرت مجددؒ کے ارشاد کے مطابق حلقۂ ذکر گرم دارند پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین (مرتب)

شہری زندگی کی طرف میلان: آپ جنگل کی قدرتی زندگی پسند فرماتے تھے، جس میں کوئی تصنّع یا بناوٹ نہ تھی، جانوروں سے مانوس اور انسانوں سے دور رہ کر آپ جنگل میں اللہ اللہ کرنے میں خوشی پاتے تھے، انسان کو دیکھ کر آپ بھاگتے تھے، شہری زندگی سے آپ نابلد اور ناآشنا تھے، پس اگر اسی طرح آپ زندگی گزارتے اور اسی طرح جنگل میں رہتے تو مخلوق آپ سے کیسے اور کس طرح مستفید ہوتی۔اس لئے اللہ کی مشیت سے بابا چوپال سے جنگل میں ملاقات آپ کی زندگی میں کایا پلٹ کا باعث ہوئی۔آپ نے بابا چوپال کو دیکھ کر بھاگنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ انسان کا انسان سے بھاگنا چہ معنی؟ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور تم میری طرح ایک انسان ہو۔یہ سن کر آپ وہیں ٹھہر گئے، اتنے میں ایک درویش جن کا نام بابا مجذوب ترکستانی تھا، وہاں آپہنچے، تینوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔

حضرت چوپالؒ نے اپنی بغل میں سے تیس گرم گرم روٹیاں نکالیں اور ان کو (حضرتِ خواجہ داناؒ اور حضرت مجذوب ترکستانیؒ) کے سامنے رکھ دیں پھر ان میں سے ایک روٹی اٹھا کر اس کے تین ٹکڑے کئے، ان تین ٹکڑوں میں سے ایک تو انہوں نے خود کھایا اور ایک حضرت کو پیش کیا اور ایک حضرت مجذوب

ترکستانی کو دیا۔سب نے خوشی خوشی وہ ٹکڑے کھائے۔

حضرت چوپال کا دیا ہوا ٹکڑا کھا کر حضرت کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہوئی، اب آپ شہری زندگی کی طرف مائل ہوئے،شہری زندگی سے نفرت دور ہوئی اور جنگل کی زندگی سے لگاؤ ختم ہوا۔آپ نے جنگل چھوڑ کر شہر میں رہنا شروع کیا۔

بلخ میں آمد: بلخ کے قیام کے دَوران حضرت خواجہ محمد پارسا ؒ کے پوتے اورحضرت خواجہ عبدالہادی کی بیوی شاہ بیگم آپ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں، محبت اورعقیدت کے ساتھ ساتھ وہ حضرت کی خدمت کو اپنے لئے باعثِ فخر اور باعثِ سعادت وعظمت سمجھتی تھیں۔شاہ بیگم حضرت کو ہر طرح کا آرام پہنچانے میں مشغول رہتی تھیں،وہ حضرت کو کھانا اپنے ہاتھوں سے کھلاتی تھیں،حضرت بلخ کے قیام کے دَوران حضرت خواجہ عبدالہادی کے یہاں مہمان رہے۔

جس وقت کہ حضرت بلخ میں رونق افروز تھے مولانا سعید ترکستانی بھی وہاں آئے، حضرت نے ان کو ایک دن بلخ کے بازار میں بکریوں کے ساتھ دیکھا، بلخ میں حضرت کو حضرت خواجہ سلام جوئبار نقشبندی سے ملنے کا موقع ملا ،حضرتِ خواجہ سلام جوئبار نقشبندی حضرت کے ساتھ بہت محبت وشفقت واحترام سے پیش آئے، وہ حضرت کو اپنے گھر لے گئے اور حضرت کو علمِ ظاہری اور باطنی سے مالا مال کیا۔

بیعت وخلافت: حضرت نے حضرت خواجہ سید حسن عطا ؒ سے دولت ونعمت پائی ،حضرت خواجہ سید حسن عطا ؒ نے آپ کی تعلیم وتربیت ورُوحانی نشوونما پر کافی توجہ کی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت کے والد ماجد کے حکم کے مطابق

حضرت خواجہ سید محمدؒ نے آپ کی تعلیم ورُوحانی تربیت کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔

حضرت خواجہ سلام جوئبار نقشبندیؒ سے حضرت نے خلافت پائی، حضرت خواجہ عبداللہ اشراقیؒ سے حضرت کو اویسیہ فیض پہنچا، حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی روحانیت سے بھی حضرت مستفیض ہوئے۔

حضرت خواجہ سید حسن عطار رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوکر آپ نقشبندی سلسلہ سے منسلک ہوئے۔

ہندوستان میں آمد: بلخ سے آپ مع اپنی زوجہ اور چند رفیقوں کے ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے، ٹھٹھ پہنچ کر وہاں کچھ دن قیام کیا، پھر آگرہ میں رونق افروز ہوئے، اور وہاں ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ آگرہ میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد آپ بڑودہ روانہ ہوئے۔

بڑودہ میں مولانا نظیر بدخشی نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور حضرت کو چند دن منت وسماجت کر کے روکا، بڑودہ میں ڈاکوؤں نے حضرت کا سامان لوٹ لیا۔ حضرت بجائے رنجیدہ ہونے کے خوش ہوئے اور فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ امانت امانت والوں کو مل گئی۔

سورت میں تشریف آوری: بڑودہ سے حضرت سورت میں رونق افروز ہوئے۔ حضرت کو سورت بہت پسند آیا، اس وقت سورت بندرگاہ تھا اور یہاں سے لوگ حج کو جاتے تھے، سورت باب المکہ کہلاتا تھا، حضرت کی سورت سے وابستگی اور دلچسپی حضرت کے ان فارسی اشعار سے ظاہر ہے۔

کرد تحریرِ مصورِ قدرت　　باد آباد بندِ سُورت

پیٔ امداد کشتی ہائے ایں بحر وطن داریم اندر کنج ایں شہر
بریں خدمت زحق گشتیم مامور چہ خوش گفتند المامور معذور

ترجمہ:۔ مصوّرِ قدرت نے تحریر کیا ہے کہ سورت آباد ہے اور آباد رہے گا، یہاں کی کشتیوں کی امداد کے لئے، میں نے اس شہر کے گوشہ میں اپنا وطن بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں بڑی خدمت پر مامور ہوا ہوں۔ کیا اچھا کہا ہے معذور اور بیکسوں کی خدمت کرنے کے لئے مقرر ہوا ہوں۔

برھان پور کو روانگی: سورت میں کچھ دن قیام کر کے آپ برھانپور تشریف لے گئے، وہاں سے پھر آپ سورت واپس تشریف لائے۔

سورت میں قیام: سورت میں آپ کا مستقل قیام رہنے لگا، سورت میں آپ رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین فرماتے اور نقشبندیہ سلسلے کو پھیلاتے تھے، نقشبندیہ سلسلہ کو سورت میں کافی فروغ ہوا۔

ف: دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سلسلہ چشتیہ کے ساتھ ہی ساتھ سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت کی بھی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

سیرت: آپ رات کو جاگتے تھے اور عبادت اور نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، مخلوق سے بے نیاز رہتے تھے، غریبوں، مسکینوں اور معذوروں کی ہر طرح امداد کرتے تھے، آپ کو کھیتی باری کا بہت شوق تھا، زمین جوتتے اور جو اس سے آمدنی ہوتی، وہ ان کاشتکاروں میں تقسیم کر دیتے تھے جن کو کھیتی میں نقصان ہوا ہوتا۔

آپ سخاوت کے لئے مشہور تھے، سائل کو خالی نہ لوٹاتے تھے، اتباعِ سنت کے سخت پابند تھے، میلاد النبی اور معراج النبی بڑی شان وشوکت سے مناتے

تھے، لوگوں کو کھانا تقسیم کرتے تھے اور اعلیٰ قسم کا عطر مہمانوں کو بطور تحفہ دیتے تھے، علمی جلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے اور مشکل علمی نکات کو بہ آسانی حل کر دیتے تھے۔

آپ کو شہر سے زیادہ جنگل پسند تھا، روزانہ بلا ناغہ جنگل میں جاتے تھے اور قدرتی مناظر، صاف آب و ہوا، اور وہاں کے سکوت اور خاموشی سے لطف اندوز ہوتے تھے، جنگل کے جانور اور پرندے آپ سے ملے جلے رہتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ پرندوں کی زبان میں پرندوں کے گانے گاتے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ جانوروں اور پرندوں کی بولی سمجھتے تھے، جانوروں اور پرندوں پر زیادتی یا ظلم کرنا آپ کے نزدیک قہر خداوندی کو دعوت دینا ہے۔

مزدوروں کا آپ خاص طور سے خیال رکھتے تھے، جب کوئی عمارت بناتے تو اس کو کئی کئی مرتبہ گروا دیا کرتے تھے، تاکہ مزدوروں کو زیادہ مزدوری ملے۔

ف: جب یہ صفات حسنہ عالیہ اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا تو اس کے صلہ میں جتنی بھی کرامات و انعامات سے مشرف فرمائیں تو کیا تعجب ہے، جیسا کہ علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ چونکہ جماعت صوفیہ متابعت سنت میں مبالغہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی کرامات میں مبالغہ فرماتے ہیں۔ وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

وصال: برہان پور سے سورت واپس آ کر بیمار ہو گئے، ایک دن ایسے بے ہوش ہوئے کہ سب رونے لگے۔ ہوش آیا تو آپ نے سورہ یٰسین بلند آواز سے پڑھی، پھر کلمہ پڑھتے پڑھتے آپ رحمتِ حق میں پیوست ہو گئے، یہ واقعہ ۵/صفر ۱۰۱۵ھ کا ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار سورت میں فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے۔ نور اللہ مرقدہ (تاریخ صوفیائے گجرات: ص/۱۰۹)

حضرت شاہ علاء الحق قادری بیجاپوری المتوفی ۱۰۲۱ھ

نام ونسب: آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے منتہی ہوتا ہے، آپ سید صحیح النسب ہیں۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء

فضل وکمال: آپ جامع علوم ظاہری، حاوی فضائل صوری ومعنوی، درویشی وخداشاسی کی مسند پر متمکن تھے، طالبین ومریدین کو ہدایت فرماتے تھے، آپ نے عمر کا بڑا حصہ عرب وعجم کی سیاحت میں گزارا۔ اکثر شیوخ کرام سے ملے ہیں اور استفادہ کیا۔ تارک الدنیا تھے۔ مقام تجرید وتفرید میں مستغرق ومرتبہ فنافی اللہ میں محو تھے، مدت العمر شادی نہیں کی، عالم تجرید میں رہے، کسی بزرگ قادریہ کے مرید وخلیفہ تھے۔

حضرت شاہ صبغۃ اللہ الحسینی المدنی البھروچی سے طریقہ ہدایت وتلقین حاصل کیا۔ شاہ موصوف کے ملفوظ میں مذکور ہے کہ میر علاء الحق درویش مجرد محبت حق میں مستغرق تھے، کبھی شادی کا ارادہ نہیں کیا۔ انتہی کلامہ۔

ایک روز آپ شاہ صبغۃ اللہ کے حلقۂ درس میں گئے، اس وقت تفسیر بیضاوی کا درس ہو رہا تھا، شاہ صاحب ایک مشکل مسئلہ کے جواب میں فکر کر رہے تھے، آپ نے اشکال کا جواب بیان کیا، شاہ صاحب نے دل میں خیال کیا کہ جواب کا تکملہ ہونا چاہئے، تاکہ جواب کامل ہو جائے، آپ نے ایک ساعت کے بعد جواب کا

تکملہ بھی بیان فرمایا جواب درست ہوا، شاہ صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے علم ظاہری سے فراغت پائی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! مگر آپ ظاہر میں عوام کی طرح رہتے تھے تاکہ فضیلت کا اظہار نہ ہو۔

ف: یہ غایت فنائیت کی علامت ہے۔ اسی فنا ہی سے ملا ہے جس کو ملا ہے۔ (مرتب)

ملفوظات کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ کو شاہ صبغۃ اللہ بھروچیؒ نے نعمت معنوی ایک ہفتہ میں عطا کی۔ شاہ صاحب کی توجہ سے بدونِ ریاضت درجۂ کمال کو پہنچے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

وفات: آپ کی رحلت ۱۰۲۱ھ میں واقع ہوئی۔ آہ شاہ طریقت (۱۰۲۱) رحلت کی تاریخ ہے، بیرون حصار بیجاپور مدفون ہوئے۔ (محبوب التواریخ: ۹/ ۴۹۷)

حضرت شیخ فرید بخاری دہلوی ؒ المتوفیٰ سنہ ۱۰۲۵ھ

نام ونسب: نام فرید، لقب صاحب السیف والقلم اور مرتضیٰ خان ہے۔ والد کا نام احمد ہے، آپ شیخ فرید، شیخ فرید دہلوی اور شیخ فرید بخاری اور نواب مرتضیٰ خان بن احمد بخاری سے جانے جاتے ہیں۔

آپ کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری ؒ تک پہنچ کر تائیس واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے۔

(ماخوذ از نسب نامہ سادات بخاری قلمی کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے زمانۂ قیام لاہور میں ان کے اخراجات کا ظاہری تکفل شیخ فرید بخاری نے کیا۔

(جامع السلاسل قلمی کتبخانہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

مکتوبات امام ربانی میں کئی جگہ اشارات ملتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی ؒ کی خانقاہ دہلی کے بھی اخراجات اور طالبین و مقیمین کی نگہداشت کا شیخ فرید بخاری ؒ سے تعلق تھا۔

علامہ حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی رائے بریلوی ؒ نے شیخ فرید ؒ کے جو حالات تحریر فرمائے ہیں ان میں سے اکثر حصے کا ترجمہ بطور خلاصہ حسب ذیل ہے۔

فضل وکمال: اپنے زمانہ میں سیاست، تدبر اور سخاوت وکرم میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ اہل فضائل سے محبت رکھتے تھے اور اعلیٰ امور کے انجام دینے کی

طرف میلان تھا۔ اکبر بادشاہ کے دربار میں درجۂ امارت پر پہنچے اور ترقی کر کے میر بخشی گری کا عہدہ پایا۔ جہانگیر بادشاہ ہوا تو اس نے ان کے منصب میں اضافہ کیا۔ صاحب السیف والقلم کا خطاب دیا۔ پھر مرتضیٰ خاں کے لقب سے ملقب کیا۔ گجرات کا حاکم بنایا، وہاں چار سال حکومت کی، پھر پنجاب کا حاکم بنایا اور وہاں مدت العمر حاکم رہے۔ شیخ فرید بخاریؒ نے شجاعت وسخاوت کو اس طرح جمع کیا کہ اس وقت ان کا اس جامعیت میں کوئی مساوی نہ تھا۔ خوافی نے مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ:

ان کے دربار کا سائل کبھی نامراد نہیں گیا، اپنے ہاتھ سے فقراء کو درہم ودینار تقسیم فرماتے تھے اور بعض اوقات اپنی قبا، چادر اور جو پاس ہوتا سب دیدیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سائل سات دفعہ ان کے پاس آیا اور ہر دفعہ ان کو عطا فرمایا۔ بیواؤں، متوکلوں اور اہل حاجت کی یومیہ اور سالانہ ہر طریقے پر امداد کرتے تھے۔ وظائف، فقراء کی حاضری اور غیر حاضری ہر دو صورتوں میں پہنچتے تھے۔ یتیموں کی کفالت اور پرورش اس طرح کرتے تھے جس طرح باپ پرورش کرتا ہے۔ یتیموں کے لئے معلمین مقرر کئے تھے۔ جب یتیم بچے شیخ فریدؒ کی گود میں کھیلتے تھے تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔

تعمیری یادگار: گجرات میں کئی عمارتیں ان کی یادگار ہیں، ان میں سے احمد آباد میں ایک جامع مسجد ہے جو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے مقبرے کے پاس ہے۔ اور ایک محلہ ہے جو بخارا محلہ کے نام سے موسوم ہے۔ دہلی کے قریب فرید آباد ان ہی کا بسایا ہوا ہے، اس میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائی تھیں اور سرسبز

وشاداب باغات لگوائے تھے۔ لاہور میں بھی ان کا آباد کیا ہوا ایک محلہ ہے اور ایک حمام۔ علاوہ ازیں بیشمار سرائیں مختلف شہروں میں بنوائی تھیں۔ ان کے دسترخوان پر روزانہ پندرہ سو آدمی کھانا کھاتے تھے۔ علاوہ ازیں اپنے سامنے اَیبوں کو راشن تقسیم کراتے اور ان کے شور وغل سے تنگدل نہ ہوتے تھے۔ اور جو کچھ لکھا گیا ہے ان کے فضائل کثیرہ میں تھوڑا ہے، اگر تفصیل درکار ہو تو مآثر الامراء کا مطالعہ کیا جائے۔ (ترجمہ نزہۃ الخواطر ج ر ۵ ص ر ۵۲۲)

کتب تاریخ وتذکرہ میں شیخ فرید، شیخ فرید دہلوی اور شیخ فرید بخاری تینوں طرح سے مشہور ہیں۔ اکبر نامہ میں ''شیخ فرید بخشی بیگی'' انہی کو کہا گیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعدد مکتوبات آپ کے نام ہیں اور سب اہم ہیں ان میں سے چند مکتوبات نقل کئے جاتے ہیں۔ (حاشیہ تجلیات ربانی ج ر۱ ص ر۵۶)

حضرت مجدد صاحبؒ کا پہلا مکتوب

[علماء وطلباء علوم دین کی قدر ومنزلت میں]

اللہ تعالیٰ دشمنوں کے مقابلے میں آپ کی مدد کرے بحرمۃ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرحمت نامہ گرامی جو فقراء کو بھیجا گیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ مولانا محمد قلیج کے خط میں آپ نے لکھا تھا:

کچھ خرچ طالب علموں اور صوفیوں کے لئے بھیجا گیا۔ اس عبارت میں طالبعلموں کی تقدیم، صوفیوں پر بہت زیبا معلوم ہوئی۔ الظاھر عنوان الباطن (یعنی ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے) کے اعتبار سے امید ہے کہ آپ کے باطن میں بھی طلباء علم دین کی جماعت تقدیم رکھتی ہوگی۔ کوزے سے وہی چیز ٹپکتی

ہے جو اس میں ہوتی ہے۔ ع ازکوزہ بروں ہماں تراود کہ دروست

شریعت کی تقدیم تصوف پر: طالبعلموں کے مقدم رکھنے میں شریعت کی ترویج پوشیدہ ہے۔ حاملان شریعت یہی لوگ ہیں۔ ملت مصطفویہؐ اسی جماعت کے ذریعے قائم ہے۔ قیامت میں شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا، تصوف کے متعلق نہیں۔ جنت کا داخلہ اور آتش دوزخ سے نجات شریعت ہی کی پابندی سے وابستہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو کہ بہترین کائنات ہیں انھوں نے شرائع کی دعوت دی ہے اور مدار نجات اسی پر ہے، اور انبیاء کی بعثت کا مقصد بھی تبلیغ شرائع ہی ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی ترویج شریعت میں سعی کرنا اور اس کے احکام میں سے کسی حکم کا زندہ کرنا ہے، بالخصوص ایسے زمانے میں کہ شعائر اسلام منہدم ہو گئے ہوں۔

مسئلہ شرعیہ کو رواج دینے کی فضیلت: راہ خدا میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنا بھی مسائل شرعیہ میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ شرعی کے رواج دینے میں انبیاء کی اقتداء اور پیروی اور ان کے کار تبلیغ میں مشارکت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مخلوقات میں بزرگ ترین ہیں اور کامل ترین حسنات انھیں کے لئے ثابت و مسلم ہیں۔ کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو انبیاء کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ادائیگی شریعت میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہوتی ہے، اس لئے کہ شریعت برخلاف نفس واقع ہوئی ہے، لیکن مال کے خرچ کرنے میں کبھی نفس، موافقت بھی کر لیتا ہے۔

ہاں تائید شریعت اور ترویج ملت کے لئے مال خرچ کرنا بہت بلند مرتبہ

رکھتا ہے، ایک جیتل (پیسہ) کو ترویج واشاعت دین کی نیت سے خرچ کرنا بغیر نیت کے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے برابر ہے۔ وہ شخص جس سے بہت سوں کی نجات وابستہ ہو، ظاہر ہے کہ اس شخص سے بہتر ہوگا جو اپنی نجات ہی کی فکر رکھتا ہو۔ البتہ وہ صوفی جو "فناوبقا" کے بعد اور سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے مقام طے کرنے کے بعد عالم میں گشت لگائے اور دعوت خلق کی طرف متوجہ ہو کر مقام نبوت سے حصہ رکھتا ہو۔ داخل مبلغان شریعت ہے اور وہ حکم علمائے شریعت کا حکم رکھتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم۔ (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ بڑے فضل والا ہے)۔ (تجلیات ربانی: ص ر ۶۳/۱)

ف: بہت ہی مفید و بصیرت افروز مکتوب ہے، بغور پڑھیں۔ (مرتب)

دوسرا مکتوب: [مذمت دنیا میں]

حق سبحانہ وتعالیٰ ماسوا کی غلامی سے آزادی عطا فرما کر بس اپنا ہی پابند بنا لے۔ بحرمۃ سید البشر ﷺ۔ دنیا بظاہر شیریں ہے اور صورۃً تازگی رکھتی ہے لیکن فی الحقیقت ایک زہر ہے قاتل۔ اور ایک متاع ہے باطل۔ اور ایک گرفتاری ہے بے سود۔ اس کا مقبول خوار ہے، اور اس کا فریفتہ مجنوں۔ یہ سونے کے ورق سے لپٹی ہوئی نجاست کے مانند ہے اور ایسے زہر کی مثل ہے جس میں شکر آمیختہ ہو۔ عاقل وہ ہے جو اس کھوٹی پونجی پر نہ ریجھے اور خراب مال میں گرفتار نہ ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال عاقل زمانہ کو دینا۔ تو ایسے شخص کو وہ مال دیا جائے جو دنیا کی طرف راغب نہ ہو، اور یہ بے رغبتی اس کی انتہائی عقلمندی کی دلیل ہے۔ (تجلیات ربانی: ص ر ۶۸/۱)

تیسرا مکتوب: حق سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے وجود شریف کے ذریعے ارکان شریعت اور احکام ملت قوت گیر اور رواج پذیر ہوں۔

ع کار این است وغیر ایں ہمہ ہیچ

آج ضعفاء اہل اسلام کو اس زبردست طوفان گمراہی میں امید نجات، اہل بیت خیر البشر سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک" (میرے اہل بیت کی مثال کشتیٔ نوح کی سی ہے جو شخص اس پر سوار ہوا وہ نجات پاگیا اور جس نے اس سے کنارہ کشی کی وہ ہلاک ہوگیا)۔

آپ اپنی ہمت عالی کو تمام تر اس جانب لگائیں کہ اس سعادت عظمیٰ (امداد واعانت دین کی دولت) کو حاصل کرلیں۔ اللہ کی عنایت سے آپ کو جاہ وجلال اور عظمت وشوکت سب کچھ میسر ہے۔ اگر شرف ذاتی کے ساتھ ساتھ ترویج شریعت بھی آپ کے ذریعے ہوگی تو آپ بوسیلۂ چوگانِ سعادت گوئے سبقت لے جائیں گے۔ (تجلیات ربانی: ص/۲۸/۱)

ف: سبحان اللہ! کیسی نصیحت فرمائی جو ہر شخص نہیں کرسکتا۔ اور شیخ فرید کا کمال ہے کہ ایسی نصیحتوں کو قبول فرماتے تھے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (مرتب)

چوتھا مکتوب: [نفس امارہ کی مذمت میں]

آپ نے ازروئے مہربانی جس مرحمت نامۂ گرامی سے اس دعا گو کو ممتاز فرمایا تھا اس کے مطالعے سے مشرف ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے، آپ کی ئت میں اضافہ کرے۔ آپ کو شرح صدر نصیب کرے اور آپ کے

کاموں کو آسان کر دے، بحرمۃ نبی کریم ﷺ۔ اور ہم کو آنحضرت ﷺ کی ظاہری و باطنی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو اس دعا پر آمین کہے۔

چند فقرے ایک مصاحب بدذات اور ندیم بدخو (یعنی نفس امارہ) کی مذمت میں لکھے جاتے ہیں، امید کہ قبولیت کے کانوں سے سنے جائیں گے۔

مخدوما! انسان کا نفس امارہ حب جاہ و ریاست پر مخلوق ہوا ہے، اور اس کی تمام تر توجہ یہ ہے کہ اپنے اقران و اماثل پر بلندی حاصل ہو جائے، وہ یہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی محتاج و مطیع ہو اور وہ خود کسی کا محتاج و محکوم نہ ہو (درحقیقت) یہ نفس کی طرف سے ایک قسم کا دعویٰ الوہیت ہے، اور خدائے بے ہمتا جل شانہ کے ساتھ شرکت ڈھونڈھنا ہے۔ بلکہ یہ نفس بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو اور سب صرف اس کے محکوم ہوں۔ لہذا نفس کے مرادات، جاہ و ریاست وغیرہ حاصل کرا کے اس کی پرورش کرنا فی الحقیقت، دشمن خدا کی امداد کرنا ہے اور اس کو تقویت دینا ہے۔ اس امر کی قباحت اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے۔ "الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فی شیءٍ منھما ادخلتہ فی النار ولا ابالی" (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ برتری میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میری ازار ہے پس جو کوئی مجھ سے ان دو چیزوں کے بارے میں منازعت کرے گا میں اس کو آتش دوزخ میں داخل کروں گا اور کچھ پرواہ نہ کروں گا) دنیا اسی بنا پر اللہ کے نزدیک ملعون

ومبغوض ہے کہ اس کا حاصل ہونا نفس کی مرادوں کے حصول کا معاون ہے۔ پس جو دشمن کو مدد دے گا یقیناً لعنت کا مستحق ہوگا۔

فقر اختیاری جس کو آپ نے فخر سے اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فقر میں نامرادی نفس اور عاجزی نفس حاصل ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اور تکلیفات شرعیہ کی حکمت بھی نفس امارہ کو عاجز اور خراب وخستہ کرنا ہے۔ شریعتیں ہوائے نفسانی کو دور کرنے کے واسطے وارد ہوئی ہیں۔ جو شخص جتنا مقتضائے شریعت پر عمل کرے گا اسی قدر خواہش نفسانی کو زائل کرے گا۔ اسی بنا پر ہوائے نفسانی کے ازالے کے لئے احکام شرعیہ میں سے کسی ایک حکم کا بجالانا ایسے ہزار سالہ ریاضات ومجاہدات سے بہتر ہے جو اپنی رائے سے کئے جائیں۔

ریاضت شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے: ایسے ریاضات ومجاہدات جو شریعت کے تقاضے کے مطابق نہ ہوں، ہوائے نفسانی کو تقویت دیا کرتے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضات ومجاہدات میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے مگر ان کو فائدہ کچھ بھی نہ ہوا، (البتہ نفس کو تقویت ضرور حاصل ہوگئی)۔ شریعت کے مطابق تھوڑی سی رقم (باقاعدہ) زکوٰۃ میں نکالنا نفس کو پامال کرنے کے لئے اتنی مفید ہے کہ اپنی رائے سے یوں ہی ہزار دینار خرچ کردینا اتنا مفید نہیں ہے۔ خواہش نفس توڑنے کے لئے حکم شریعت کے ماتحت عید الفطر کے دن کھانا کھالینا اپنی مرضی سے سالہا سال نفلی روزے رکھنے سے بھی زیادہ نافع ہے۔ اور صبح کی دو رکعت نماز جماعت سے ادا کرنا ایک مستقل سنت انجام دینا ہے اور یہ عمل ثواب میں اس سے کہیں زیادہ ہے کہ تمام رات صلوٰۃ نافلہ ادا کرتا رہے اور صبح

کی نماز بے جماعت ادا کرے۔ حاصل کلام یہ کہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہوگا اور اس کے اندر سے تکبر کا مالیخولیا نہ جائے گا۔ نجات محال ہے۔ اس مرض کے ازالے کی فکر بہت ضروری ہے تا کہ بات موت ابدی تک نہ پہنچے۔ کلمہ طیبہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' جو تمام آفاقی وانفسی معبودان باطل کی نفی کے واسطے وضع کیا گیا ہے، نفس کے لئے تزکیہ اور تطہیر کے حق میں بہت نافع اور مناسب ہے۔ اکابر طریقت نے تزکیۂ نفس کے لئے اسی کلمہ طیبہ کو اختیار کیا ہے۔

تا بجاروب ''لا'' نروبی راہ   نہ رسی در سرائے ''الا اللّٰہ''

جب بھی نفس، مقام سرکشی میں آئے اور نقض عہد کرے تو اس کلمے کی تکرار سے تجدید ایمان کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کہہ کر اپنے ایمان کو تازہ کرلیا کرو۔ بلکہ اس کلمے کی تکرار ہمہ وقت ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ نفس امارہ برابر خباثت پر اترا رہتا ہے۔ حدیث میں اس کلمے کی فضیلت میں آیا ہے کہ اگر تمام زمینیں ایک پلے میں رکھی جائیں اور کلمہ طیبہ کو دوسرے پلے میں رکھیں تو یقیناً کلمے والا پلہ جھک جائے گا۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ الہ الصلوات والتسلیمات۔ (تجلیات ربانی: ص ۶۸)

وفات: ۲۵۰۱ھ میں انتقال ''پٹھان'' نامی گاؤں میں ہوا، مگر لوگوں نے ان کے جنازہ کو دہلی منتقل کردیا اور ان کے اسلاف کے مقبرہ میں دفن کیا، جیسا کہ مآثر الامراء میں ہے۔ (ترجمہ نزہۃ الخواطر)

حضرت مرزا عبدالرحیم خانخاناں دہلویؒ المتوفی ۱۰۲۶ھ

نام ونسب: نام عبدالرحیم،لقب خانخاناں بمعنی امیر الامراء، والد کا نام بیرم خاں ہے۔زبردست سپہ سالار تھے۔

ولادت: ۴ رصفر ۹۶۴ھ کو لاہور میں امیر جمال خاں میواتی کی صاحبزادی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: چار سال کی عمر تھی کہ آپ کے والد پٹن گجرات میں قتل ہو گئے۔آگرہ میں ان کی پرورش ہوئی۔تعلیم مولانا محمد امین اندجانیؒ ، قاضی نظام الدین بدخشیؒ،حکیم علی گیلانیؒ اور علامہ فتح اللہ شیرازیؒ سے حاصل کی۔گجرات پہنچ کر شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ سے بھی اخذ علوم کیا۔فارغ التحصیل ہونے کے بعد اولاً اکبر بادشاہ نے ان کو جہانگیر کا اتالیق مقرر کیا، پھر یہ برابر ترقی کرتے رہے۔بلاد گجرات،بلاد سندھ اور اقطاع اقلیم دکن انھیں کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔

فضل وکمال: عربی،فارسی،ترکی اور ہندی چاروں زبانوں کے ماہر تھے اور فصاحت کے ساتھ ان زبانوں میں اپنا مافی الضمیر ادا کرتے تھے۔شعر گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔علم ادب اور فن تاریخ میں خاص ملکہ تھا۔تزک بابری جو ترکی زبان میں تھی اس کا ترجمہ سب سے پہلے انھوں نے ہی ۹۹۷ھ میں کیا۔مطالعۂ کتب کا اتنا شوق تھا کہ گھوڑے کے پشت پر عین میدان جنگ میں بھی کتاب ہاتھ میں رہتی تھی،اور حد یہ ہے کہ غسل کرتے وقت بھی غسل خانے سے باہر ایک خادم کتاب کے اجزاء ہاتھ میں اٹھائے کھڑا رہتا تھا۔ان کے

یہاں علماء کا اتنا مجمع رہتا تھا کہ کسی بادشاہ یا امیر کے یہاں اتنا نہیں پایا گیا۔ علماء کا انتہائی اعزاز واکرام کرتے تھے۔ اموال وصلات سے سراً وجہراً ان کی خدمت کرتے تھے۔ ان کی امداد دور دراز علاقوں تک علماء کے پاس پہنچتی تھی۔ شعراء کا بھی ایک بڑا گروہ ان کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا۔ الغرض یہ علم وادب، حلم وتواضع اور شجاعت وکرم کا مرقع (نقشہ) تھے۔ علامہ حکیم سید عبدالحی حسنیؒ نے نزہۃ الخواطر جلد خامس میں ماثر الامراء اور خزانہ عامرہ کے حوالہ سے ان کے مفصل حالات لکھے ہیں اور فرمایا ہے۔ "لم ينهض من الهند احد مثله ولا من غيره من الاقاليم السبعة من يكون جامعا لاشتات الفضائل" یعنی ہندوستان بلکہ ہفت اقلیم میں ایسا جامع فضائل امیر پیدا نہیں ہوا۔

ف: الحمدللہ کہ ہندوستان میں ایسے ایسے باکمال حضرات پیدا ہوئے جو ہمارے لئے موجب افتخار ہیں۔ مگر غور کریں کہ کتابوں کا کس قدر مطالعہ فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں سعی بلیغ کرتے تھے یقیناً اللہ تعالیٰ محنت کرنے والوں کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے۔ مگر افسوس کہ کتابوں کے پڑھنے کا اپنے لوگوں میں بہت کم رواج ہے۔ کتب خانے موجود ہیں ایک سے ایک مفید کتابیں الماریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں، مگر ان کو پڑھنے والے نادر الوجود ہیں۔ اس لئے ہماری نسل اپنے علماء ومشائخ کے اقوال واحوال اور علوم ومعارف سے نابلد ہیں تو پھر ان کے علم وعمل سے کیسے منتفع ہوں گے۔ (مرتب)

وفات: ۱۰۳۶ھ میں وفات پائی اور دہلی میں ہمایوں کے مقبرہ کے سامنے مدفون ہوئے۔ حضرت مجدد صاحب الف ثانیؒ کے متعدد مکتوبات ان کے نام ہیں جو مکتوبات وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (تجلیات ربانی ج ۱ ص ۴۱)

حضرت شاہ محمد ابن فضل اللہ برہان پوریؒ المتوفی ۱۰۲۹ھ

نام ونسب: نام شیخ محمد، عُرف شاہ محمد، لقب نائب رسول اللہ، والد کا نام شیخ فضل اللہ ہے، آپ کا سلسلہ نسب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔

خواجہ احمد عیسیٰؒ تاج، جو آپ کے جد اعلیٰ تھے، دہلی کے مشاہیر اکابر علماء میں سے تھے، جب امیر تیمور نے ۸۰۰ھ مطابق ۱۳۹۸ء میں دہلی پر حملہ کیا تو وہاں بہت ہی فتنہ وفساد پھیلا، جس کی وجہ سے لوگوں کی جانیں غیر محفوظ ہوگئیں تو خواجہ احمد عیسیٰ نے دہلی کو خیرباد کہا اور مع اہل وعیال جونپور چلے گئے، اور پھر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، جن کا مفصل تذکرہ اقوال سلف جلد چہارم میں آچکا ہے جو چاہے اس کا مطالعہ کرے۔ نہایت بصیرت افروز ہے۔

آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ شیخ فضل اللہ علوم ظاہر و باطن میں کامل اور علوم حدیث وشریعت میں فاضل تھے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ ان کی کتاب ''تحفۂ محمدیہ'' علم تصوف میں ہے، جو کتب خانہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔

آپ بیت اللہ شریف کو جاتے ہوئے ۹۴۸ھ میں اسیر گڈھ میں قیام پذیر ہوئے تھے جہاں ان کے ہاتھ پر بہت سے بزرگواروں نے بیعت کی تھی۔

ولادت اور تعلیم وتربیت: حضرت شاہ فضل اللہ ایک مدت تک احمد آباد گجرات میں رونق بخش رہے۔ چنانچہ شاہ محمد کی ولادت باسعادت تقریباً ۹۴۳ھ میں احمد آباد میں ہوئی، یہیں آپ کا نشوونما ہوئی۔ والد بزرگوار کے زیر عاطفت

ابتدائی تعلیم وتربیت حاصل کی۔آپ ابھی کم سن ہی تھے کہ آپ کے والد اس جہاں فانی سے انتقال کر گئے۔لیکن ا ئہ کے سایہ رحمت میں رہ کر علوم فقہ وحدیث اور دیگر علوم متداولہ میں کامل وفاضل ہوئے۔

بیعت وخلافت اور حج بیت اللہ: آغاز شباب میں حضرت مولانا شیخ صفی الدین گجراتی سے بیعت کی اوران کی خدمت میں رہ کر خرقہ اجازت حاصل کی اور مرشد کے ارشاد کے مطابق حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔اور مکہ معظمہ میں بارہ سال تک قیام پذیر رہے اور قیمتی اوقات حضرت شیخ علی متقی جونپوری ثم برہان پوری کی صحبت میں گزارے اور مستفید ہوئے،پھر مکہ شریف سے مراجعت کر کے وطن مالوف احمدآباد میں پہونچے اور ا ئہ کے اصرار سے عقدنکاح فرمایاباوجود اس کے ذکر وشغل اورعبادت الٰہی میں سستی نہیں فرماتے تھے،اسی زمانہ میں حضرت شیخ وجیہہ الدین گجراتی کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری کی تحصیل میں ۱۲رسال تک مشغول ومصروف رہے،ان ہی ایام میں حضرت شیخ ماہ جونپوری ابن شاہ صفی گجراتی جب احمدآباد میں آ کر قیام پذیر ہوئے تو آپ ان کی صحبت میں بھی آمدورفت فرماتے تھےاور طریقت میں ان کے مرید وخلیفہ ہوئے۔اس کے بعد کچھ دنوں آس گڈھ میں قیام فرمایا۔

برہان پور میں مستقل سکونت: کچھ ئمہ کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہوکر برہان پور تشریف لائے اور اس وقت یہاں میراں محمد شاہ ابن مبارک شاہ برسرحکومت تھا،آپ نے برہانپور کو اپنا وطن قرار دیا اور محلہ حمید پورہ میں قیام پذیر ہوگئے،جہاں آپ نے ایک مسجد اور خانقاہ بنوائی اور طالبین کو حدیث وتفسیر ودیگر

علوم دینی کا درس دینے لگے ،سیکڑوں طالب آپ کی رہنمائی کی برکت سے حق شناسی کے درجہ کو پہونچے ،شاہان وقت بھی آپ کے معتقد و مرید تھے۔

نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقب ہونے کی وجہ: چونکہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والہ و شیفتہ تھے، ہر سال زیارت کے لئے بے تابانہ جاتے لیکن چند منزل طے کرنے کے بعد عالم رویا میں آنحضرت کے ارشاد کے مطابق واپس ہو جاتے، آپ اشاعت اسلام میں کوشاں رہتے اور طالبین کی رہنمائی کرتے اسی لئے آپ کو نائب رسول اللہ کہا جاتا ہے۔

عادات واخلاق: آپ سنت نبوی کے پابند اور ظاہری و معنوی علم کے مالک، سالک صراط مستقیم اور مالک توکل و تسلیم تھے، حلیم المزاج و سلیم الطبع اور قناعت پسند تھے ، جو کچھ فتوحات حاصل ہوتی تھیں صرف کر دیتے تھے، بہت مہمان نواز تھے کوئی فقیر آپ کے دروازے سے محروم نہیں جاتا تھا، یتیموں اور نائیبوں سے حُسن سلوک رکھتے اور خلائق کے ساتھ ہمدردی کرتے، آپ ہر شب جمعہ کو قبور پر جاتے اور فاتحہ پڑھتے اور بعد نماز جمعہ مریضوں کی عیادت کرنے جاتے اور دعائے خیر کرتے، آپ نے سلطان وقت و حکام سلطنت کے اصرار کے باوجود معاش کی مدد کے لئے کوئی وظیفہ اور جاگیر قبول نہیں کی۔ آپ متقی پرہیزگار اور عبادت گزار تھے۔ علم فقہ اور تصوف میں بے مثل تھے۔ آپ کا علم عمل کے ساتھ تھا۔

وفات: آپ کا وصال دوشنبہ کی شب میں یکم رمضان المبارک ۱۰۲۹ھ میں ہوا، آپ برہانپور میں مدفون ہیں، نور اللہ مرقدہ۔ (تاریخ اولیاء کرام برہان پور: ص ر ۷۰ ر ۳)

حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہ سندھی برہانپوریؒ المتوفی ۱۰۳۱ھ

نام ونسب: نام عیسیٰ ،لقب جند اللہ ،خطاب مسیح الاولیاء ہے،والد کا نام شیخ قاسم محدث سندھی ہے،آپ کے آباءواجداد صوبہ سندھ کے (جو اب پاکستان میں ہے) رہنے والے تھے،وہاں سے منتقل ہوکر ایلچ پور (اچلپور جس کو اب امراوتی کہا جاتا ہے) میں سکونت اختیار کرلیا۔

ولادت: شیخ عیسیٰ کی ولادت اتوار کی آخر شب ۵/ذی الحجہ ۹۶۲ھ یا ۹۶۳ھ میں شہر ایلچپور (اچل پور) میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے والد بزرگوار کے زیر عاطفت ہوئی۔آپ نے ابتداء میں کلام مجید پڑھا اور ۹ سال کی عمر میں پورا قرآن شریف حفظ کرلیا،اس کے بعد اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی،بعد میں علم تفسیر،فقہ اور حدیث کا درس لیا اور کچھ عرصہ تک اپنے عم بزرگوار کی خدمت میں رہ کر تمام علوم وفنون اور فقہ وحدیث میں کامل مہارت پیدا کرلی۔اور جب آپ برہان پور تشریف لائے تو حضرت شیخ یوسفؒ بنگالی کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر ۵/سال کے عرصہ میں تمام علوم متداولہ میں تعلیم پاکر کامل وفاضل ہوئے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

ف: سبحان اللہ! والد محترم کو اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کا کس قدر اہتمام تھا کہ ان کے صاحبزادے نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگئے اور متعدد علماء کی خدمت میں

رہ کرعلوم کتاب وسنت میں کمال حاصل کیا، اللہ ہم سب کو اولاد کی تعلیم وتربیت کا ایسا ہی ذوق وشوق عطا فرمائے اور اولاد کو بھی ایسی ہی تعلیم وتعلم کا ذوق وجذبہ عنایت فرمائے۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

برہان پور کی سکونت: والد صاحب کی وفات کے بعد آپ نے برہان پور آکر مستقل سکونت اختیار فرمالی تاہم یہاں سے کئی شہروں میں جانا ہوا اور مشائخ کی خدمت میں گئے، اخیر میں آگرہ تشریف لے گئے اور وہاں قاضی جلال الدین ملتانیؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے مگر جب ملا حکیم عثمان صدیقی برہان پور تشریف لائے تو آپ کے عم بزرگوار شیخ طاہر محدثؒ نے آپ کو برہان پور آنے کا حکم دیا، آپ نے تعمیل حکم کیا اور برہان پور آکر ملا عثمان صدیقی سے علم قرأت حاصل کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں فاضل اور کامل ہوئے، باوجودیکہ آپ تحصیل علوم میں منہمک رہے مگر رہنمائے کامل کی خواہش دل میں قائم رہی۔

ارادت وبیعت: چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ انہی دنوں میں ایک چوراہے کے قریب ایک دوکان پر میں بیٹھا ہوا تھا کہ واقف اسرار معارف حضرت شیخ لشکر محمد عارف قدس سرہ اپنے ماموں شیخ ولی محمد کے مکان کو جارہے تھے، جب حضرت شیخ کی نظر مجھ پر پڑی تو اپنے خادموں سے دریافت کیا کہ یہ جوان کون ہے؟ تو ایک شخص نے بتلایا کہ یہ جوان حضرت شیخ محمد طاہر محدث کا برادرزادہ ہے، حضرت شیخ نے یہ سن کر اپنے گھوڑے کی لگام روک لی اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم ہم میں سے ہو پھر ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ یہ کہہ کر حضرت روانہ ہوگئے، دو تین روز کے بعد دل میں یہ خیال گزرا کہ حضرت شیخ عجیب بات کہہ گئے

ہیں، ان سے ایک بار ضرور ملنا چاہئے۔

جب میں حضرت شیخ کی صحبت پُرفیض میں گیا اور وہاں بیٹھا تو اس قسم کی جمعیت وحلاوت میرے دل میں محسوس ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی رونما نہیں ہوئی تھی اور اسی وقت اعتقاد کا شجر میرے چمن دل میں نشونما پانے لگا، مجھے چند مرتبہ حضرت شیخ کی خدمت میں جانا میسر ہوا اور ہر مرتبہ جمیعت ولذت زیادہ حاصل ہوتی گئی، چنانچہ چند صحبتوں کا یہ اثر ہوا کہ ارادت وعقیدت کی کیفیت میرے دل میں غایت درجہ غالب ومستولی ہوگئی اور آخر شرف بیعت سے مشرف ہوا اور سعادت ازلی اور دولت سرمدی سے فیضیاب ہوا اور حضرت شیخ کو اپنا پیر اس لئے قبول کیا کہ بغیر ہادی ورہنما کے یہ سفر پُرخطر طے نہیں کرسکتا تھا۔

چوں گرفتی پیر برہان تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

ترجمہ: جب تم نے اپنے برہان پیر کو پکڑ لیا تو ایسے ہوجاؤ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

تلقین ذکر ونصائح: حضرت شیخ لشکر محمد عارفؒ نے آپ کو مرید کرنے کے بعد ذکر نفی واثبات کی تلقین کی اور یہ نصیحت فرمائی:

پہلی نصیحت: مرید کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے دل کو ذکر نفی واثبات میں مشغول رکھے اور اگر نعوذ باللہ پیر پر اعتراض کا خطرہ، جو کہ مرید کے دل کے لئے زہر قاتل ہے، رونما ہو تو خود سے کہے کہ باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام جو رسول اولو العزم تھے حضرت خواجہ خضر کا معصوم لڑکے کا سر کاٹنا اور لوگوں سے بھری ہوئی کشتی کو ڈبو دینا اور بغیر حکم کے دیوار بغیر اجرت کے بنانے کا حال وہ دریافت نہ کرسکے تو پھر مبتدی میں

اتنی فراست کہاں کہ منتہی کا حال معلوم کر سکے۔ دراصل یہ اعتراض بے حوصلگی کی دلیل ہے۔

ف: اگر اس بات سے یہ وسوسہ دور ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ استغفار پڑھنا شروع کرے، اور دل سے اپنے پیر کی امداد طلب کرے، اس لئے کہ بہت مشہور مقولہ ہے ''من القلب الی القلب روزن'' (یعنی پیر کے قلب سے مرید کے قلب تک ایک راہ ہوتی ہے جس سے نفع پہونچتا ہے) انشاء اللہ اس طرح یہ خطرہ دور ہو جائے گا۔ (مرتب)

دوسری نصیحت: یہ فرمائی کہ مرید کو یہ بھی لازم ہے کہ توبۂ نصوح اختیار کرے اور پیر کی مرضی کے بغیر راہ وروش کا دوسرا مشرب اختیار نہ کرے اور احبابوں کی موافقت میں مستقیم رہے اور جہاں تک ہو سکے ایثار کرے اور اپنا حق طلب نہ کرے بلکہ دوستوں کا حق ادا کر دے اور پیر کی خدمت میں اپنی حرکات وسکنات پر قابو رکھے تاکہ کوئی فعل ناموافق صادر نہ ہو جائے جس سے پیر کے دل پر کچھ غبار آجائے اور مرید کی مشقت وریاضت اور مجاہدہ سب ضائع ہو جائے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحتیں ہیں جو ہر مرید کو پیش نظر رکھنی چاہئے۔ (مرتب)

خلافت: جب آپ فیض معنوی و باطنی سے کامل طور پر مستفید ہو گئے تو آپ کے مرشد نے آپ کو خرقۂ خلافت شطاریہ اور چودہ خانوادوں کی اجازت وخلافت عنایت کی اور ۹۸۷ھ میں خلعت خلافت وافاضہ سے سرفراز کیا۔ آپ کا سلسلہ شطاریہ تھا۔

آپ کو اپنے مرشد حضرت شاہ لشکر محمد عارف قدس سرہ سے بے حد عقیدت اور محبت تھی اسی لیے آپ نے اپنے مرشد شاہ لشکر محمد کی مناسبت سے اپنا لقب جند اللہ، یعنی اللہ کا لشکر اختیار کیا اور بعد میں اسی نام سے مشہور ہو گئے۔

تصانیف: آپ نے فارسی و عربی میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں چند کتب درج ذیل ہیں: عین المعانی، روضۃ الحسنیٰ، انوار الاسرار، ترجمہ چہل حدیث وغیرہ۔

وفات: آخر آپ ستّر سال کی عمر میں ۱۵رشوال المکرم ۱۰۳۱ھ کو برہانپور میں انتقال کر گئے، آپ کی وفات کا قطعہ تاریخ ان فقروں سے برآمد ہوتا ہے:

فیض عالم	ہادی اعظم
۱۰۳۱ھ	۱۰۳۱ھ

مزار: آپ کا مزار شہر برہان پور کے محلہ سندھی پورہ میں واقع ہے، گنبد بنا ہوا ہے، جنوب و مغرب میں مسجد ہے اور مشرقی رخ پر بڑا احاطہ ہے جہاں آپ کے رشتہ دار اور دیگر عمائدین شہر کے مزارات ہیں۔

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور بعد: ۱/ ۳۰۹)

حضرت شیخ نظام الدین بلخی تھانیسری ؒ المتوفی ۱۰۳۶ھ

نام ونسب: نام شیخ نظام الدین، والد کا نام عبد الشکور ہے۔

فضل وکمال: ہندوستان کے اکابر اولیاء کرام میں سے ہیں، صاحب تصرفات ظاہری وجامع کمالات صوری ومعنوی، حنفی مذہب اور چشتی صابری مسلک۔ فاروقی النسل۔ حضرت مولانا جلال الدین تھانیسری کے برادر زادہ، داماد، خلیفہ اور جانشین وصاحب سجادہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے رسمی طور پر تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ بلکہ لدنی علوم سے آپ کو مشرف کر دیا گیا تھا۔ وماذالک علی اللہ بعزیز

آپ نے بہت سی کتابیں تفسیر، حدیث اور تصوف وغیرہ میں تصنیف کیں۔ اس کے علاوہ کیمیا، سیمیا، ہیمیا، لیمیا علوم وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ سلسلہ چشتیہ میں ایک خاص مشرب کے موجد ہیں۔ جب آپ کے تقدس اور کمالات کی شہرت ہوئی تو شاہزادہ سلیم (جو بعد میں شاہ جہانگیر ہوا) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو سلطنت کی بشارت دی۔ بادشاہ ہونے کے بعد اس کے بڑے لڑکے خسرو نے بغاوت کی۔

خسرو حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر باطنی نصرت کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کو ارادۂ بغاوت سے باز رہنے کی ہدایت کی مگر وہ کاربند نہ ہوا۔ اور خواجہ کے بجائے جوگی بیاس کی پناہ لی۔ خواجہ صاحب کے حاسدین نے شاہزادہ کی آمد کو حضرت خواجہ صاحب کی سازش کی دلیل بنا کر بادشاہ سے خواجہ صاحب کی شکایت کر

دی، اور خواجہ صاحب کی پختہ سنیت بظاہر شکایت میں رنگ آمیزی کا سبب بن گئی۔ بادشاہ نے خواجہ صاحب کی جلاوطنی کا حکم صادر کر دیا۔

حضرت خواجہؒ ہندوستان سے حرمین شریفین کی زیارت کو روانہ ہو گئے اور وہاں چند سال قیام کر کے اپنے آبائی وطن ''بلخ'' میں تشریف لے گئے۔

قیام حرمین کے دوران میں آپ نے لمعات کی دو شرحیں ''مکی'' اور ''مدنی'' تحریر کیں۔ بلخ میں آپ کے ارشاد و اصلاح کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ سات سو حضرات نے آپ کی تربیت سے درجات طریقت کی تکمیل کی۔

عجیب و غریب کرامت: امام قلی خاں از بل بلخ کا حکمراں تھا، وہ بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔ آپ کے بڑھتے ہوئے اقتدار پر خود غرض ملاؤں کو رشک ہوا۔ انھوں نے آپ کے برخلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ جمعہ کی نماز میں جامع مسجد میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور اپنی خانقاہ میں علیحدہ جمعہ قائم کر کے تفریق بین المسلمین کا سبب ہو رہے ہیں۔ اس پروپیگنڈہ سے بادشاہ بھی متأثر ہوا، اور اس نے حضرت خواجہ سے حاضری جامع مسجد کی فرمائش کی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ جامع مسجد کا امام رافضی ہے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اس الزام سے شہر میں ہیجان ہو گیا۔ ہزاروں لوگوں نے عہد کر لیا کہ حضرت خواجہ اور بادشاہ دونوں کو نذر شمشیر کر دینا چاہئے۔ (یعنی قتل کر دینا چاہئے)۔

بلوائیوں کا ہجوم شاہی محلات کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ اس اچانک ہنگامہ سے گھبرا کر حضرت شیخ کی خانقاہ میں بھاگ آیا اور شیخ سے التجا کی کہ ہنگامہ فرو کرنے کی صورت پیدا کریں۔

حضرت خواجہ نے بادشاہ کو تسکین دی، اور فرمایا۔ ابھی ہنگامہ فرو ہو جائے گا۔ بادشاہ ابھی خانقاہ میں تھا کہ تقریباً دس ہزار بلوائیوں کے ہجوم نے خانقاہ کا محاصرہ کرلیا۔ امام جامع مسجد تلوار سونت کر حضرت خواجہ کے سامنے آیا اور نہایت سختی سے کہا ''تو ہی کہتا ہے کہ امام جامع مسجد رافضی ہے۔ اب اس بہتان کی سزا چکھ''۔

حضرت خواجہ نے فرمایا بیشک تو رافضی ہے۔ اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کے موزے نکلواؤ اور دیکھو کہ ان میں اس نے کیا رکھا ہے۔

بادشاہ اٹھا۔ امام کے موزے اتارے۔ دیکھا تو کاغذ کے دو پرزے رکھے ہوئے تھے۔ جن پر سیدنا و سیدالمسلمین حضرت صدیق اکبر خلیفہ اول اور حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسماء گرامی درج ہیں۔

برافروختہ ہجوم نے جب امام کی یہ خباثت دیکھی تو حضرت خواجہ کے بجائے امام کو قتل کر ڈالا۔ بادشاہ کی عقیدت اور حضرت خواجہ کے اُوج میں مزید اضافہ کا سبب ہوا۔ اہل بلخ نے آپ کی بہت سی کرامتوں کا مشاہدہ کیا۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج ر ۱ ص ر ۳۶۷)

ف: ماشاء اللہ حضرت شیخ نظام الدینؒ ہمارے ہی حلقہ مشائخ کے اہم کڑی ہیں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، جملہ صحابہ کرام اور سلاسل صوفیہ کے جملہ مشائخ کے طفیل میں ہم سب کو کفار، فجار، یہود و نصاریٰ اور مبتدعین روافض کے شر سے محفوظ فرمائے۔ کچھ اسی قسم کے حالات اس وقت بھی درپیش ہیں اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا پڑھا کریں ''اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم'' یعنی اے اللہ! ہم آپ کو ان کا مدمقابل

ٹھہراتے ہیں اور ان کے شرور سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔ مرتب

آپ کے نام حضرت مجدد صاحبؒ کا مکتوب

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو تعصب و تعسف سے محفوظ رکھے، اور تلہف و تاسف سے نجات دے، بحرمۃ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے اعمال فرائض ہیں یا نوافل۔ مگر نوافل کا فرائض کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں۔ اپنے وقت میں کسی فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نوافل سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ نوافل بہ نیت خالص ادا کئے جائیں۔ کوئی بھی نفل ہو، نفلی نماز ہو، نفلی روزہ ہو، ذکر و فکر ہو یا اس کے مثل ہو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ کسی فرض کی ادائیگی کے وقت سنن میں سے کسی سنت کی رعایت کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے (یعنی ہزار سالہ نوافل سے بہتر ہے) منقول ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز فجر جماعت سے ادا کرنے کے بعد مقتدیوں پر نظر دوڑائی، ایک شخص کو اصحاب میں سے اس وقت نہ پایا، دریافت فرمایا کہ فلاں صاحب جماعت میں نہیں آئے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ رات کے اکثر حصے میں (نفلی نماز ادا کرنے کی وجہ سے) بیدار رہتے ہیں، اس وقت ان کی آنکھ لگ گئی ہوگی۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ: اگر تمام رات وہ سوتے رہتے اور فجر کی نماز باجماعت ادا کر لیتے تو تمام رات جاگنے سے بہتر ہوتا۔ پس کسی سنت کی رعایت (فرائض میں) کرنا اور کسی مکروہ سے اجتناب کرنا، (چاہے مکروہ تنزیہی ہی کیوں نہ ہو، چہ جائے کہ مکروہ تحریمی) ذکر و فکر اور مراقبہ و توجہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہاں اگر یہ امور کسی ادب کی رعایت اور کسی مکروہ سے

اجتناب رکھتے ہوئے کئے جائیں تو عظیم الشان کامیابی کی بات ہے۔ایک دانگ (چھ رتی وزن) زکوٰۃ کا حساب کر کے نکالنا نفلی طریقہ پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ خیرات کر دینے سے کہیں زیادہ افضل ہے اور اس زکاتی دانگ کے تصدق کرنے میں کسی ادب (سنت) کا لحاظ رکھنا۔مثلاً اس کو ایسے فقیر کو دینا جو عزیز قریب ہو اور بھی زیادہ بہتر ہے،لہذا عشاء کی نماز آدھی رات کے بعد پڑھنا اور اس کی تاخیر کو قیام لیل (تہجد) کا ذریعہ بنانا سخت مکروہ بات ہے،اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اس وقت میں عشاء کی نماز مکروہ ہے،ظاہر یہ ہے کہ اس کی کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے،کیونکہ حنفیہ نے نماز عشاء کو نصف لیل تک مباح قرار دیا ہے اور دوسرے نصف میں مکروہ کہتے ہیں،اور وہ مکروہ جو مقابل مباح ہو مکروہ تحریمی ہے۔اور شافعیہ کے نزدیک تو نصف لیل کے بعد نماز عشاء بطور ادا جائز ہی نہیں،بنابریں قیام لیل کے لئے اور حصول ذوق و جمعیت کے واسطے تاخیر نماز عشاء کرنا بہت ہی نازیبا بات ہے۔اس امر (تہجد) کے حاصل کرنے کے لئے تو وتر کی تاخیر ہی کافی ہے،اور تاخیر وتر مستحب بھی ہے۔وتر بھی (نصف لیل کے بعد) اچھے وقت ادا ہوتا ہے،اور قیام لیل نیز بیداری وقت سحر بھی میسر ہو جاتی ہے۔الحاصل یہ عمل (تاخیر عشاء) ترک کرنا چاہئے۔

یہ بھی معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید ان کو سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں،فقط زمین بوسی پر ہی اکتفاء نہیں کرتے۔اس فعل کی خرابی اظہر من الشمس ہے، ان کو سختی سے منع کیجئے۔اس قسم کے افعال سے ہر ایک کو اجتناب کرنا چاہئے،علی الخصوص وہ شخص جو مخلوق کا مقتدیٰ بنے اس کو تو اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا بہت ضروری

ہے۔ ورنہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی اقتداء کریں گے، اور وبال میں گرفتار ہوں گے۔ نیز طبقۂ صوفیاء کے علوم "علوم احوال" ہیں اور احوال اعمال کی میراث ہیں۔ اس شخص کو "علوم احوال" کی میراث ملتی ہے جو اعمال درست کرے اور اعمال کی تصحیح اس وقت میسر ہوتی ہے جب کہ اعمال کو پہچانے اور ہر عمل کی کیفیت جانے۔ اس کا تعلق علم احکام شرعی سے ہے۔ نماز، روزہ اور تمام فرائض کا علم نیز معاملات نکاح وطلاق اور بیع وشراء کا علم اور ہر اس بات کا علم جس کو حق تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور اس کے کرنے کی دعوت دی ہے (ضروری ہے)۔ اور یہ علوم اکتسابی ہیں ان کے سیکھے بغیر چارہ نہیں ہے، اور علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے۔ ایک مجاہدہ علم کی طلب میں اس کے حاصل ہونے سے پہلے، دوسرا مجاہدہ علم کا (صحیح) استعمال اس کے حاصل ہونے کے بعد۔ پس ضروری ہے کہ جس طرح جناب کی مجلس مبارک میں کتب تصوف کا مذاکرہ ہوتا ہے کتب فقہ بھی مذاکرہ میں آئیں۔ کتب فقہ فارسی زبان میں بھی بہت سی ہیں۔ مثلاً مجموعۂ خانی، عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی۔ بلکہ اگر کتب تصوف کا مذاکرہ نہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ تصوف کا تعلق احوال سے ہے قال سے نہیں، اور کتب فقہ کا مذاکرہ نہ کرنا احتمال ضرر رکھتا ہے۔

زیادہ کیا طول دوں "القلیل یدل علی الکثیر" (اس تھوڑے سے میں بہت کچھ ہے)

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

رزقنا اللہ سبحانہ وایاکم اتباع حبیبہ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات

(تجلیات ربانی: ص/۴۵)

وفات: ۸/رجب روز جمعہ ۱۰۳۶ھ وبقولے ۱۰۳۹ھ اور بقولے ۱۰۲۴ھ میں وفات پائی۔ بلخ میں آپ کا مزار ہے۔ (حاشیہ تجلیات ربانی: ص/۴۶ ج/۱)

حضرت شیخ عبدالقادر حضرمیؒ احمد آبادیؒ المتوفی ۱۰۳۷ھ

نام ونسب: نام عبدالقادر، کنیت ابوبکر، لقب محی الدین، والد کا نام شیخ ابن عبداللہ حضرمی ہے۔

ولادت: ۲۰؍ربیع الاول ۹۷۸ھ جمعرات کی شام کو آپ کی ولادت ہوئی، آپ گجرات کے مشہور عالم، مصنف اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ کا کتب خانہ نہایت عالیشان تھا۔

آپ کی والدہ نہایت نیک صالحہ، متواضعہ، بااخلاق اور کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے والی تھیں۔

تعلیم: آپ نے کسی نیک بندے سے قرآن پاک پڑھا اس کے بعد دیگر علوم کی تحصیل میں مشغول ہوئے، اور متعدد فنون کی کتابیں علماء سے پڑھیں، یہاں تک کہ تمام علوم وفنون سے فارغ ہو گئے، اس کے بعد آپ کو کتابیں جمع کرنے کا شوق ہوا، اس لئے دور دور علاقوں سے آپ نے کتابیں منگوا کر جمع کرنی شروع کیں۔

تصنیف: آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، مصر کے علماء نے ان کتابوں کی تعریف کی ہے، اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے ان کتابوں سے نفع اٹھایا۔

(مشائخ احمد آباد: ۲؍۳۲۲)

حضرت مولانا سید عبدالحئی صاحب لکھنویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے اور تصانیف شمار کرائی ہیں، آپ نے بائیس

کتابوں کا نام ذکر کیا ہے۔ مثلاً فتوحات قدوسیه، الحدائق الخضره فی سیرت النبی و اصحابه العشرة، اتحاف الحضرة العزیزة، المنتخب المصطفیٰ فی اخبار ولدمصطفیٰ، کتاب المنهاج الی معرفة المعراج وغیرہ۔ (نزہۃ الخواطر)

تصنیف وتالیف کے علاوہ اصلاح وتزکیہ کے سلسلہ میں بھی آپ نے بہت زبردست کام کیا ہے، بہت سے علماء، ملوک، تجار اور عوام نے آپ سے خرقۂ تصوف وسلوک پہنا۔ اسکے بعد آپ نے ۹۹۷ھ میں احمد آباد سے بھروچ کا سفر کیا اور بھروچ میں ایک سال دو مہینے آپ نے قیام کیا۔ اس کے بعد سورت نیز دیگر مقامات سے ہوتے ہوئے اخیر میں احمد آباد پہونچے۔

وفات: ۱۰۳۷ھ یا ۱۰۳۸ھ میں وفات پائی اور احمد آباد میں اپنے والد کے پاس دفن ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ، ورحمہ اللہ تعالیٰ (مشائخ احمد آباد: ۲/۳۲۶)

حضرت شیخ مولانا محمد طاہر لاہوری ؒ المتوفی ۱۰۴۰؁ھ

نام وولادت: نام محمد طاہر لاہوری، مشہور فاضلوں میں تھے، لاہور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما ہوئی۔

تعلیم وتربیت: حضرت مجدد صاحب ؒ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں، تحصیل علوم کے بعد سب سے پہلے حضرت شاہ اسکندر ابن حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس اللہ سرّ ہما سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے، ایک مدت تک شیخ عبدالاحد ؒ والد ماجد حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرّہ العزیز کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، پھر حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز سے درجۂ تکمیل حاصل کیا، حضرت خواجہ محمد سعید ؒ وخواجہ محمد معصوم ؒ صاجبزادگان حضرت مجدد صاحب ؒ کی تعلیم وتدریس آپ کے سپرد ہوئی، آپ کی زندگی کا ایک عجیب وغریب واقعہ درج ذیل ہے:

حضرت مجدد صاحب ؒ کے حلقۂ تلقین میں سالکان طریقت کا اجتماع ہے، یکا یک حضرت مجدد صاحب ؒ کے چہرۂ مبارک سے آثار کبیدگی ظاہر ہوتے ہیں اور نہایت افسوس کے ساتھ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

عبرتناک واقعہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ حاضرین میں سے ایک شخص طوق کفر گردن میں ڈالے گا، میں اس کی پیشانی پر "ھوالکافر" لکھا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حاضرین مجلس لرزہ براندام ہوگئے، پانچ چھ ماہ بعد دیکھا جاتا ہے کہ یہی شیخ طاہر ایک عورت کافرہ کے عشق میں مبتلاء، زُنّارِ ارتداد گردن میں ڈالے آوارہ

وسرگرداں پھر رہے ہیں، صاجزادگان اور جملہ متوسلین حضرت مجدد صاحب ؒ کو بہت افسوس ہوا، دعا کے لئے حضرت مجدد صاحب سے استدعا کی گئی، حضرت مجدد صاحب ؒ نے جواب دیا:۔

''ہر چہ شدنی بود شُد، کہ درلوح محفوظ بحق اوہمیں مکتوب بود''۔ (جو کچھ ہونا تھا ہوگیا، لوح محفوظ میں ان کے متعلق یہی لکھا تھا۔: (مرتب)

لیکن متوسّلین حضرت مجدد صاحب ؒ اور بالخصوص ہر دو صاجزادگان پھر بھی استدعا اور اصرار کرتے رہے، چنانچہ حضرت مجدد صاحب نے مکرّر دعا فرمائی۔ ''الٰہی! حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی فرمودہ است کہ ہیچ کس را بر قضائے مبرم[1] دست قدرت نیست مگر مراچوں یکے از دوستان خود را ایں مرتبہ عالی کرامت فرمودی من ہم اُمید دارم کہ بواسطہ َ من از شیخ طاہر ایں بلائے ازلی بگردد۔''

ترجمہ: اے اللہ! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے فرمایا ہے: کسی کو

(۱) حدیث شریف میں وارد ہوا ہے ''لا یرد القضاء الا الدعاء'' قضاء الٰہی کو صرف دعا ہی پلٹ سکتی ہے۔ حضرت مجدد صاحب ؒ نے مکتوب نمبر ۲۱۷ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ و ۲۲۴ پر قضاء کے مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ قضا کی دو قسمیں ہیں۔ قضاء مبرم اور قضاء غیر مبرم، یا قضاء معلق۔ قضاء غیر مبرم میں تبدیلی اور محو واثبات ہوتا رہتا ہے۔ ''یمحو اللہ مایشآء ویثبت وعندہ ام الکتاب'' قضاء مبرم میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ مگر جب حضرت غوث اعظم کی دعا سے اس میں بھی تبدیلی ہوئی تو حضرت غوث اعظم نے فرمایا کہ امت میں میرے سوا کسی کو یہ دسترس حاصل نہیں۔ حضرت مجدد صاحب ؒ کو ابتداء میں معلوم ہوا کہ شیخ طاہر کا کفر قضاء مبرم ہے جس میں تبدیلی نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اپنی دعا میں حضرت غوث اعظم کی دعا کا حوالہ دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل تھا کہ حضرت مجدد صاحب ؒ کی دعا قبول ہوئی، ....بقیہ صفحہ آئندہ

قضائے مبرم پر قدرت حاصل نہیں سوائے میرے، تو جب آپ نے اپنے اولیاء میں سے کسی ولی کو اس شرف کرامت سے نوازا ہے تو پھر میں بھی آپ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ میرے واسطہ سے شیخ طاہر سے یہ بلائے ازلی ٹل جائے۔ (مرتب)

دعائے مجددی کا اثر ظاہر ہوا، داعیۂ صداقت طلبی نے کفر عشق پر غلبہ پایا، گویا شیخ طاہر خواب سے بیدار ہوئے چنانچہ فوراً اُفتاں وخیزاں بارگاہ مجددی میں حاضر ہو کر تائب ہوئے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا مثل اس کے ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔

ف: اس واقعہ سے جیسے حضرت مجدد الف ثانی ؒ کی ولایت و کرامت کا ظہور ہوا ویسے ہی یہ حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ اولیاء اللہ سے رشتہ و تعلق اس قدر موثر و مفید ہے کہ گاہے شقاوت تک مبدل بہ سعادت ہو جاتی ہے اور صاحب تعلق حفرۂ نار سے

حاشیہ ما بقی ۔۔۔ اور آپ پر بھی واضح کر دیا گیا کہ قضاء مبرم کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کارپردازان قضاء وقدر اس کو مبرم سمجھتے ہیں مگر علم الٰہی میں وہ معلق ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ علم الٰہی میں مبرم ہی ہو۔ حضرت غوث اعظم یا حضرت مجدد صاحب کی دعا جس معاملہ میں قبول ہوئی وہ مبرم مشروط تھا۔ اور آخری قسم یعنی جو قضا کہ عند اللہ مبرم ہو، اس میں تبدیلی کسی صورت سے بھی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "مایبدل القول لدی وماانا بظلام للعبید" قضا کی انہیں متفرق قسموں کے باعث اولیاء اللہ کے مکاشفات میں بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ عارف اوقات قضاء مشروط کو قضاء مبرم سمجھ لیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ذاتی مکاشفات میں اگرچہ اس غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر وحی جو منجانب اللہ ہوتی ہے، اس میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ قال اللہ تعالیٰ "لایاتیہ الباطل" واللہ اعلم بالصواب۔ (حاشیہ علماء ہند کا شاندار ماضی: ج ۱ ص ۲۸۷)

نکل کر روضۂ جنت میں پہونچ جاتا ہے، اس لئے ان حضرات سے رابطہ ورشتہ کو غنیمت اور سعادت عظمیٰ سمجھنا چاہئے کیوں کہ دربارگاہ الٰہی کا یہ دستور ہے ۔

می پذیرند بداں را بہ طفیل نیکاں   رشتہ واپس نکند ہر کہ گہر می گیرد

یعنی اللہ تعالیٰ نیکوں کے طفیل بُروں کو بھی شرفِ قبولیت سے نوازتے ہیں، جیسے کہ گہر (موتی) کا خریدار اس کی سلک (یعنی دھاگے) کو واپس نہیں کرتا بلکہ اس کو بھی گہر کے ساتھ خرید لیتا ہے ۔ (مرتب)

چنانچہ عشق مجازی کا ردعمل عشق حقیقی تھا، جس سے شیخ طاہر کو تھوڑے عرصہ میں یہ مرتبہ حاصل ہوا کہ بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء:

''اکثر اوقات وے را الہام می شُد کہ اے طاہر بگو قَدَمِی عَلٰی رَقْبَۃِ جَمِیْعِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی لیکن وے از فرط ادب نمی گفت و عرض کرد: یا رب! ایں درجہ معلّٰی ورُتبہ عالی بحضرت غوث سزاوار است، مرا ہمیں بس است کہ یکے از کمترین مریدان و پیروانِ جناب غوثیہ باشم۔''

ترجمہ: یعنی آپ کو اکثر اوقات الہام ہوتا کہ اے طاہر! کہو کہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ تعالیٰ کے گردن پر ہے ، لیکن وہ غایت ادب سے یہ کلمہ مُنھ سے نہ نکالتے اور فرماتے کہ اے رب! یہ درجۂ علیا تو حضرت غوث اعظم کو زیب دیتا ہے، میرے لئے تو بس یہی کافی ہے کہ ان کی جناب کے جملہ مریدین اور پیروی کنندگان میں سے رہوں ۔ (مرتب)

شیخ طاہر بہت زیادہ مرتاض، جفاکش، صابر اور قانع تھے، درس وتدریس کے ساتھ ذکر وشغل، مُریدوں کی تلقین اور شب بیداری میں ہمیشہ سرگرم رہتے ۔ اغنیاء

اور دولت مندوں کی آمد کا دروازہ بھی بند کر دیا تھا، آپ خود ہی اپنے ہاتھ سے فقہ اور حدیث کی کتابیں لکھتے ،ان پر حاشیہ تحریر فرماتے اور ان کو فروخت کرتے، یہی آپ کا ذریعہ معاش تھا ،خطہ پنجاب کی قطبیت آپ کے سپرد فرمائی گئی۔

حضرت مجدد صاحبؒ کا مکتوب اول مولانا طاہرؒ کے نام احیاء سنت ورد بدعت کی ترغیب میں

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

وہ مکتوب جو حافظ بہاء الدین کی معرفت بھیجا تھا، پہونچا۔ اس نے ”فرحت فراواں“ پہنچائی۔ یہ بھی کیا عجیب نعمت ہے کہ محبان و مخلصان اپنی پوری طاقت سے سنن مصطفویہ میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں اور (ساتھ ہی ساتھ) بدعات نامرضیہ میں سے کسی بدعت کے دور کرنے میں پورے طریقے سے مصروف ہوں۔ سنت اور بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک کے وجود سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرنا دوسرے کو ختم کر دینا ہے۔ سنت کا زندہ کرنا بدعت کا مردہ کرنا ہے اور بدعت کا زندہ کرنا سنت کا مردہ کرنا ہے۔ بدعت کا ”حسنہ“ نام رکھیں یا ”سیئہ“ (وہ تو بہر حال) سنت کے ہٹادینے کو مستلزم ہے۔

شاید ”حسنہ“ کہہ کر اضافی حسن مراد لیتے ہوں، ورنہ حسن مطلق کی تو بدعت میں قطعی گنجائش نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، اور جو چیزیں سنت کی مخالف ہیں وہ شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ بدعتوں کے رائج ہونے کی وجہ

سے میری یہ بات آج بہت سوں پر گراں گزرتی ہے، مگر کل بروز قیامت معلوم ہوگا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا وہ۔ (تجلیات ربانی: ص ر ۱۸۶)

مکتوب دوم:

ذکر اور نماز وتلاوت کے آثار اور ان کی وجہ سے ترقی درجات کا بیان

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس راہ کے مبتدی طالب کے لئے بغیر ذکر کے چارہ نہیں۔ اس لئے کہ اس کی ترقی ذکر ہی سے متعلق ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ذکر کو کسی شیخ کامل ومکمل سے حاصل کیا ہو، اگر یہ شرط ملحوظ نہ رہی تو بسا اوقات وہ ذکر" اوراد ابرار" کے قبیل سے ہوگا، جس کا ثواب تو ملے گا مگر وہ ذریعۂ قرب نہ بن سکے گا۔ اور اس مقام تک نہ پہنچا سکے گا جہاں اس کے ذریعہ مقربین پہنچ جاتے ہیں۔ ویسے (شاذ ونادر طور پر) یہ ہوسکتا ہے کہ فضل الٰہی کسی شیخ کے توسط کے بغیر بھی کسی طالب کی تربیت فرمادے اور تکرار ذکر اس کو مقرب بنادے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر تکرار ذکر کے اس کو مراتب قرب سے مشرف فرمادے اور اپنے اولیاء میں شامل کرلے۔ لیکن یہ شرط (شیخ کامل کی) اکثر کے لحاظ سے ہے اور حکمت وعادت خداوندی کے موافق ہے۔ جب فضل خداوندی سے وہ معاملہ جو ذکر سے وابستہ ہے مکمل ہو جاتا ہے اور ہوائے نفسانی کے جھوٹے معبودوں سے رہائی میسر آجاتی ہے، نیز نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے، اس وقت ذکر سے ترقی حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ذکر" اوراد ابرار" کا حکم رکھتا ہے۔ اس وقت تو مراتب قرب، تلاوت قرآن اور ادائے نماز بطول قرأت سے حاصل ہوتے ہیں، پہلے جو ذکر کرنے سے حاصل ہوتا تھا، اب وہ

تلاوت قرآن سے حاصل ہوتا ہے، خصوصاً جب کہ تلاوت قرآن، نماز کے اندر ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انتہاء میں ذکر اس تلاوت قرآن کا حکم پیدا کرلیتا ہے جو ابتداء میں کی جاتی تھی اور جو (زیادہ سے زیادہ) از قبیلِ اوراد ابرار" تھی۔ اور تلاوت اس ذکر کا حکم پیدا کرلیتی ہے جو ابتداء وتوسط میں مقربات میں سے تھا۔

عجیب معاملہ ہے کہ اس وقت (انتہاء میں) اگر ذکر کی تکرار بعنوان قرأت قرآن ہو اور "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" سے ذکر شروع ہو تو اس سے وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو تلاوت قرآن سے میسر ہوتا ہے۔

ہر عمل کا ایک موقع اور ایک موسم ہے اگر اس موقع وموسم میں اس کو کیا جائے تو حسن وملاحت پیدا کرتا ہے اور اس موقع وموسم میں ادا نہ کیا جائے تو بسا اوقات وہ خطا بن جاتا ہے، اگرچہ نیک عمل ہو، قرأت فاتحہ کو دیکھو۔ تشہد کے موقع پر سورۂ فاتحہ پڑھنی خطا ہے، اگرچہ سورۂ فاتحہ ام الکتاب ہے۔ پس راہنما مرشد اس راہ میں ضروریات سے ہوا اور اس کی تعلیم وہدایت بھی اہم مہمات سے ہوئی۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ ؁ (تجلیات ربانی: ج/ ۳ ص/ ۱۳۱)

وفات: بروز پنجشنبہ بوقت چاشت محرم الحرام ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ء بعمر ۵۶ سال آپ نے رحلت فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالی

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج/ ۱، ص/ ۲۸۶ تا ۲۹۰)

حضرت شاہ ابوسعید نعمانی النوشیروانی گنگوہیؒ المتوفی ۱۰۴۰ھ

نام ونسب: نام ابوسعید، والد کا نام شیخ نورالدین یا شیخ رکن الدین تھا، آپ کی والدہ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کی صاجزادی تھیں، آپ نسباً نعمانی ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تک آپ کا نسب پہنچتا ہے۔آپ سیدنا عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے ہیں۔

ابتدائی حالات: اولاً کچھ دنوں سپہ گری میں آپ نے ملازمت کرلی تھی،لیکن ابتداء ہی سے غلبہ عشقِ الٰہی حاصل تھا، کچھ دنوں اِخفاء کرتے رہے،اس کے بعد حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے،چونکہ حضرت شیخ اپنے ضعف پیری کی وجہ سے اپنے خدام وغیرہ کو حضرت شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما چکے تھے،اس لئے شیخ ابوسعید کو بھی شیخ نظام الدین بلخی کے حوالہ فرمادیا۔ لیکن حضرت شیخ چونکہ بلخ تشریف لے گئے تھے،اس لئے آپ تنہا صدمۂ مفارقت سے بیحد رنجیدہ رہتے تھے اور طولِ مفارقت کے رنج میں اشغال وغیرہ بھی سب چھوٹ گئے۔

بلخ کے لئے روانگی: اتفاقاً ایک مرتبہ اپنے جدامجد حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے روضۂ مبارک پر حاضر تھے کہ شیخ کی خدمت میں بلخ حاضری کی ترغیبی ندا سُنی ،اوراسی طرح تین دن تک سنتے رہے،بالآخر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کی امداد واعانت سے پیادہ (پیدل) بلخ حاضر ہوئے،وہاں مختلف قسم کے مجاہدات

و ریاضاتِ شاقہ کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔

بالآخر شیخ نے تکمیل کے بعد اپنا نائب بنا کر گنگوہ واپس کیا، آپ واپسی کے بعد گمنامی میں ایک عرصہ تک رہے، لیکن شیخ محمد صادق گنگوہی کی بیعت کے بعد سے آپ کی طرف رجوعات زیادہ ہو گئیں۔

وفات: ۲/ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ میں آپ کا وصال ہوا اور گنگوہ میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

آپ کے مشاہیر خلفاء یہ حضرات ہیں: شیخ محمد صادق گنگوہی، شیخ ابراہیم رامپوری، شیخ خواجہ محب اللہ الہ آبادی، (جن کا ذکر ہمارے شجرہ میں ہے) شیخ ابراہیم سہارنپوری، شیخ خواجہ پانی پتی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

(تاریخ مشائخ چشت مؤلفہ حضرت مولانا شیخ زکریا صاحب:۔ ۲۲۵)

حضرت شیخ عبدالهادی بدایونیؒ المتوفی ۱۰۴۰ھ

نام وتعارف: شیخ عبدالہادی بدایونی فضل وصلاح کے متصف لوگوں میں تھے۔آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔آپ نے ابتداءً خواجہ عبدالباقی نقشبندی سے علم طریقت حاصل کیا۔پھران کے شاگرد شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندیؒ کے ساتھ رہنے لگے اور علم طریقت بھی حاصل کیا۔ یہاں تک کہ مشیخت کے مقام کو پہونچ گئے۔

(نزہۃ الخواطر:ص/۳۶۷)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی نے تجلیات ربانی کے حاشیہ پر آپ کا تعارف یوں کرایا ہے۔

بدایوں کے فاروقی النسب بزرگ ہیں۔آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ان مریدوں میں سے ہیں جن کی تربیت باطنی بحکم خواجہ باقی باللہؒ حضرت مجددالف ثانیؒ کے سپرد تھی۔حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے پیرومرشد کو جو مکتوبات تحریر فرمائے ہیں ان میں منجملہ دیگر مسترشدین کی ترقیات کے آپ کی ترقی کا بھی ذکر ہے۔مدت تک حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں رہنے کے بعد تعلیم طریقت کی اجازت سے ممتاز ہوئے۔آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے قدیم خلفاء میں سے ہیں۔

(تجلیات ربانی:ص/۱۹۵)

حضرت مجدد صاحبؒ کا مکتوب حقوق کے بیان میں:

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات

تمہارا مکتوب مرغوب پہنچا بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایام مفارقت کی درازی نے محبت واخلاص پر کوئی اثر نہیں ڈالا (محبت واخلاص بدستور سابق ہے) اس کے باوجود بھی اگر یہاں (سرہند) آجاؤ تو زیادہ مناسب ہے۔ لیکن اللہ جو کرے اس میں خیر ہے۔ تم نے آرزوئے گوشہ نشینی ظاہر کی ہے۔ اچھی بات ہے۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ "حقوق مسلمانان" ہاتھ سے نہ جانے پائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام وعیادة المریض واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتشمیت العاطس" (ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا۔ (۲) مریض کی عیادت کرنا۔ (۳) جنازوں کے ساتھ جانا۔ (۴) دعوت کو قبول کرنا۔ (۵) چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا)۔

دعوت کے قبول کرنے کی چند شرائط ہیں جو احیاء العلوم میں مرقوم ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

اس دعوت کو قبول نہ کیا جائے جس میں شبہ کا کھانا ہو، یا دعوت کی جگہ یا وہاں کا فرش غیر حلال ہو، یا اس جگہ کوئی خلاف شریعت چیز ہو۔ مثلاً ریشمی فرش ہے، یا چاندی کے برتن ہیں، یا کسی جاندار کی تصویر چھت پر یا دیوار پر لگی ہوئی ہے، یا مزامیر بجائے جا رہے ہیں، یا کسی لہو ولعب اور مذاق میں لوگ مشغول ہیں، یا

غیبت، چغلخوری، جھوٹ اور بہتان اور دیگر خرافات ہو رہے ہیں۔ یہ سب امور ہیں جو دعوت قبول کرنے کو منع کرتے ہیں، اور دعوت کے اجابت کے لئے مانع اور موجب تحریم و کراہت ہیں۔ اسی طرح جب کہ دعوت کرنے والا ظالم، بدعتی، یا فاسق یا شریر یا بیجا تکلف اور فخر و مباہات کرنے والا ہو۔

شرعۃ الاسلام میں ہے کہ ایسے طعام کو قبول نہ کیا جائے جو دکھاوے اور سناوے کے لئے تیار کیا گیا ہو۔

محیط میں ہے کہ ایسے دسترخوان پر بیٹھنا جائز نہیں جس پر لہو ولعب اور گانا بجانا ہو رہا ہو، یا ایسی قوم بیٹھی ہو جو غیبت کر رہی ہو۔

مطالب المومنین میں لکھا ہے کہ: اگر یہ رکاوٹیں نہ ہوں تو دعوت قبول کر لینا چاہئے۔ اگرچہ اس زمانہ میں ان رکاوٹوں کا مفقود ہونا دشوار ہے۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ عزلت و گوشہ نشینی اغیار سے ہوا کرتی ہے نہ کہ دوستوں سے۔

ع عزلت از اغیار باید نہ از یار

عیادت مریض سنت ہے، اگر اس مریض کی کوئی شخص خبر گیری اور تیمارداری کر رہا ہو۔ اور اگر کوئی اس مریض کا خبر گیر و تیماردار نہیں ہے تو پھر اس کی عیادت واجب ہے۔ چنانچہ حاشیۂ مشکوٰۃ میں (مرقاۃ کے حوالہ سے) یہی لکھا ہے۔ نماز جنازہ میں حاضر ہونا چاہئے، اور کم از کم چند قدم ہی جنازے کے پیچھے چلنا چاہئے کہ حق میت (کچھ نہ کچھ) ادا ہو جائے۔ اور جمعہ و جماعت پنجگانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے، اس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ باقی اوقات کو ''تبتل و انقطاع'' (گوشۂ عزلت) میں (جی چاہے تو) گذاریں۔ لیکن سب

سے پہلے صحیح نیت کرلیں، گوشہ نشینی کو کسی بغض ونیاوی کے لئے اختیار نہ کریں۔ ذکر الٰہی کے ذریعے جمعیت باطن حاصل کرنے اور لاطائل باتوں سے بچنے کے علاوہ گوشہ نشینی کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ صحیح نیت کرنے میں خوب اچھی طرح احتیاط سے کام لیں، ایسا نہ ہوکہ کوئی بغض نفسانی گوشہ نشینی کے ضمن میں پوشیدہ ہو۔ تصحیح نیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے التجا اور تضرع وزاری بہت کچھ کریں، اور عجز وانکسار کو بھی عمل میں لائیں شاید کہ حقیقت نیت میسر ہو جائے۔ باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام (تجلیات ربانی:ص/۱۹۶)

وصال: آپ کا وصال ۹/شعبان المعظم ۴۰ھ۱ بدایوں میں ہوا۔ وہاں پر مزار خرم شاہ کے تکیہ بدایوں جو صوبہ یوپی میں ہے۔ (تجلیات ربانی:ص/۱۹۶)

حضرت شاہ برہان الدین علوی گجراتیؒ گیارہویں صدی ہجری

نام ونسب: آپ کانام سید برہان الدین علوی ہے۔آپ قاضی سید نصر اللہ کے فرزند اور حضرت شاہ وجیہ الدین علوی احمد آبادی قدس سرہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔آپ کی والدہ بہت عابدہ وزاہدہ تھیں۔اور حضرت قطب عالم کے استاد مولانا شہاب الدین ابن مخدوم مولانا محمود ابن مخدوم مولانا علی شیر کی دختر نیک اختر تھیں۔آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

سید برہان الدین بن قاضی سید نصر اللہ بن سید عماد الدین بن سید عطار اللہ بن قاضی سید معین الدین بن سید بہاء الدین مکی اور اس طرح سید محمد ؒیض کے واسطہ سے آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا امام محمد تقی رضوی المکی تک پہونچتا ہے۔

آباء واجداد: آپ کا خاندان یمنی تھا۔آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ یمن سے مکہ معظمہ پہونچ کر آباد ہو گئے۔اس کے کچھ ؒصہ بعد آپ کے جدامجد سید بہاء الدینؒ مظفر شاہ اول (۷۹۳ تا ۸۱۴ھ) والیٔ گجرات کے عہد میں مکہ شریف سے آکر چانپانیر صوبہ گجرات میں مقیم ہوئے۔اسی جگہ انھوں نے شادی کی، صاحب اولاد ہوئے اور کچھ ؒصہ کے بعد چانپانیر میں ہی انتقال کر گئے۔ان کی اولاد یکے بعد دیگرے قاضی کے منصب پر فائز رہی۔

والد بزرگوار: آپ کے والد بزرگوار قاضی نصر اللہؒ، سلطان محمود شاہ بیگڑا (۸۷۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے عہد حکومت میں چانپانیر ہی میں سکونت پذیر رہے لیکن جب سلطان مظفر دوم (۹۱۷۔ ۹۳۲ھ) برسر حکومت ہوا تو اس نے آپ کے قبلہ

بزرگوار کو چانپانیر سے احمد آباد لایا اور اپنے محل کے قریب ہی ایک مکان رہنے کو دیا۔ چنانچہ انتقال کے بعد وہ وہیں دفن کئے گئے اور مزار پر مقبرہ بنادیا گیا۔

ولادت وتعلیم: آپ کی پیدائش بمقام چانپانیر ہوئی اور سن شعور کو پہونچنے پر آپ نے والد کے زیر تربیت علوم متداولہ میں تعلیم پاکر کافی دسترس حاصل کی اور عالم وفاضل ہوئے۔

بیعت وخلافت: فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ وجیہ الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور احمد آباد میں ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر علوم باطنی حاصل کیا اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا سلسلہ شطاری تھا۔

برہان پور میں سکونت: برادر بزرگ کے انتقال کے بعد وطن سے روانہ ہوئے اور سیر وسیاحت کرتے ہوئے برہان پور آئے اور یہاں کچھ ایسی دلکشی پائی کہ مستقل طور پر یہیں سکونت اختیار کرلی۔ آپ نے ایک عرصہ تک سپاہیانہ لباس پہن کر اپنے حال کو پوشیدہ رکھا۔

عادات واخلاق: آپ کی گفتار وکردار یکساں تھے۔ دنیوی چیزوں سے دلبستگی نہیں رکھتے۔ نقد وجنس کی آپ کے سامنے کوئی قیمت نہیں تھی۔ آپ کی مٹھی کبھی بند نہیں ہوتی تھی۔ نثار وایثار آپ کے ہاتھ سے آشنا ونا آشنا یکساں بہرہ ور ہوتے تھے۔ آپ نہایت مخیر اور باہمت تھے۔ ہمیشہ عبادت الٰہی اور خلوت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

وفات: آپ کا انتقال شہر برہان پور میں گیارہویں صدی ہجری کے عشرۂ اول میں ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص ر ۲۳۷)

حضرت مولانا شیخ نظام برہان پوریؒ گیارہویں صدی ہجری

نام و تعلیم و تربیت: نظام نام، برہان پور (گجرات) وطن تھا، ابتدائی حالات اور خاندان کے متعلق تذکروں میں کوئی تصریح نہیں ہے۔

قاضی نصیر الدین برہان پور کے متبحر اور متبع سنت عالم تھے، زیادہ تر انہی کی خدمت میں شیخ کی تعلیم و تربیت ہوئی اور استاذ کی توجہ اور نسبت سے خود بھی بڑے وسیع العلم متبحر عالم ہوئے۔

عالمگیر بادشاہ سے ملاقات: عالمگیر کو شہزادگی کے زمانہ میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامن دولت سے وابستہ کرلیا، اور پھر آخر وقت تک جدا نہیں کیا، شیخ نے اپنی استعداد و قابلیت سے حکومت کے بڑے سے بڑے عہدے اور مرتبے حاصل کئے۔

عالمگیر کی کوئی علمی و سیاسی مجلس مشکل سے شیخ نظام کی شرکت سے خالی ہوتی تھی، صاحب مآثر عالم گیری نے متعدد جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے۔ عالمگیر ان کا اتنا احترام کرتا تھا کہ آداب و تسلیم کی پابندی سے وہ مستثنیٰ تھے۔

محبوب الاحباب میں ہے۔ دربار کے آداب اور تسلیم اور ملازمت کی بندش سے آزاد تھے۔

فتاویٰ عالمگیری کی خدمت: جب فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تالیف کے لئے علماء کی ایک جماعت منتخب ہوئی تو اس کی صدارت شیخ نظام کو تفویض

ہوئی۔عالمگیر نامہ کا مصنف ''فتاویٰ عالمگیری'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

وسرکردگی واہتمام ایں مہم صواب انجام بہ فضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول ومنقول است تفویض یافت۔(ص؍۱۰۸۷)	یہ کام فضیلت مآب شیخ نظام جو معقول ومنقول کے فضائل کے جامع تھے ان کی سرکردگی میں شروع ہوا۔

مرآۃ العالم اور مآثر عالمگیری میں ہے۔

وسرکردگی ایں مہم اہم بقدوۃ انام شیخ نظام تفویض یافت۔ (ص؍۲۷۴)	یہ اہم کام قدوۃ انام (ساری مخلوق کے مقتداء) شیخ نظام کی نگرانی میں شروع ہوا۔

تذکرہ علماء ہند میں ہے۔

درفتاویٰ عالمگیری سعی فراواں نمود۔	فتاویٰ عالمگیری کی تکمیل میں پوری محنت صرف کی۔

شیخ عبدالرحمٰن بحراوی جن کی تصحیح کے بعد تیسری بار فتاویٰ عالمگیری سنہ ۱۳۱۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اپنے مختصر مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

وجعل رئیسھم فی ذالک المولیٰ الھمام الشیخ النظام۔	اور شیخ نظام اس کے صدر مقرر ہوئے۔

وفات: زمانۂ وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسی برس سے زیادہ کی عمر پائی۔

(فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص؍۳۰۔ مؤلفہ مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ)

تذکرہ نگاروں نے گیارہویں صدی ہجری کے لوگوں میں آپ کا ذکر کیا ہے، امید ہے کہ اسی صدی ہجری میں آپ کی وفات ہوئی ہوگی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت شیخ نصیر خان گجراتیؒ برہانپوری اوائل گیارہویں صدی ہجری

نام ونسب: نام شیخ نصیر خان والد کا نام قریش خان گجراتی۔آپ کے آباء کرام کا پیشہ سپہ گری تھا۔اور گجرات کے باشندے تھے۔

ولادت وتعلیم: آپ کی پیدائش شہر احمد آباد گجرات میں ہوئی۔وہیں علمائے وقت سے علوم دینی ودنیوی میں کامل طور پر تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد سپہ گری کا آبائی پیشہ اختیار کیا۔

برہان پور میں آمد ورفت: جب اکبر بادشاہ نے (۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء میں) صوبہ گجرات فتح کرلیا تو آپ اسی سال احمد آباد سے روانہ ہوکر صوبہ خاندیس میں آئے اور شہر برہان پور میں سکونت اختیار کی۔

بیعت وخلافت: برہان پور آنے کے بعد آبائی پیشہ ترک کیا اور درویشی کی راہ میں قدم رکھا اور آہستگی کے ساتھ ترک وتجرید میں کمال پیدا کرکے توکل کی زندگی اختیار کی۔چنانچہ کسی بھی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے اور کسی بھی معاملہ میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔نیستی اور فقر وفاقہ سے دل میں فروغ پاتے،اور حرص وطمع کا دروازہ آشنا وبے گانہ پر مقفل رکھتے تھے۔آخر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میاں جموجیؒ کی خدمت میں پہنچے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی خدمت میں رہ کر ذکر وتلقین میں مشغول ہوئے اور ایک عرصہ کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا سلسلہ قادریہ معلوم ہوتا ہے۔

آپ کا رشتۂ نکاح: میاں جموجیؒ آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔آپ کے اوصاف حمیدہ دیکھ کر آخر اپنی دختر نیک اختر آپ کے عقد میں دے کر اپنی دامادی کا شرف بخشا اور آپ انھیں کے ساتھ رہنے لگے۔

ترک دنیا کا سبب: آپ عالم وفاضل اور احیاء العلوم کے مطالعہ کے عاشق تھے اور اسی پیمانہ پر اپنے اندرونی اعتقاد اور بیرونی اعمال کو جانچ لیا کرتے تھے۔

عادات واخلاق: آپ توکل کی زندگی بسر کرتے اور فقر وفاقہ میں راحت محسوس کرتے، حرص وہوس اور دنیا سے دور رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

وفات: آپ کا انتقال گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں شہر برہان پور میں ہوا۔آپ کی وفات کے روز شیخ محمد بہاء الدین برادر زادۂ حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی نے فرمایا تھا کہ:

”امروز شیخ علی متقی از جمال عالم تقوی بگور برد“

یعنی آج شیخ علی متقی جمال عالم سے تقویٰ کی قبرستان چلے گئے۔

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ج ر اص ر ۳۴۵)

ف: اس سے کس قدر حضرت نصیر خاں گجراتیؒ کے علم وتقویٰ اور توکل کا پتہ چلتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے اکابر علماء ومشائخ کی صفات حسنہ سے متصف فرمائے۔وباللہ التوفیق (مرتب)

حضرت مولانا یونس مفتی سندھیؒ برہانپوری گیارہویں صدی ہجری

نام ونسب: آپ کا نام شیخ یونس ہے، علم حدیث وتفسیر اور دیگر دینی علوم میں نہایت کامل وفاضل تھے اس لئے مفتی کہلاتے تھے۔ چنانچہ آپ مولانا یونس مفتی کے نام سے مشہور ہیں۔آپ سندھ (پاکستان) کے ایک مشہور قبیلہ لاکہ سے متعلق ہیں۔

علم وفضل: آپ نے تمام علوم وفنون اپنے وطن میں علمائے وقت سے حاصل کیا اور عالم وفاضل ہوئے۔اور اپنے وقت کے علامہ کہلانے لگے۔

احمد آباد میں آمد: آپ وطن سے روانہ ہو کر احمد آباد گجرات آئے اور حضرت وجیہ الدین علوی احمد آبادی اور قاضی علاؤ الدین عیسیٰ احمد آبادی کی خدمت میں رہ کرفہم وفراست میں کمال حاصل کی۔آپ کا سلسلہ شطاری تھا۔

برہان پور میں آمد وسکونت: احمد آباد سے روانہ ہو کر برہان پور تشریف لائے، آخر دم تک یہیں مقیم رہے۔قاضی عبدالغنی سید ابراہیم بھکریؒ، شیخ نظامؒ، شیخ کبیرؒ، ملا طیب سندھیؒ، قاضی اسحاق آسیریؒ آپ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔

وفات: آپ کی وفات گیارہویں صدی ہجری کے عشرۂ اول میں ہونا معلوم ہوتی ہے، آپ کی خواب گاہ برہان پور میں ہے۔نور اللہ مرقدہ

(تاریخ اولیاء کرام برہان پور ص/۳۲۸)

حضرت شیخ محمد احمد آبادیؒ المتوفی ۱۰۴۱ھ

نام ونسب اور ولادت: نام شمس الدین، لقب محمد اور قطب ہے، والد کا نام حسن محمد ہے۔ آپ کی ولادت ۹۵۶ھ میں احمد آباد میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی، صرف ونحو، تفسیر، حدیث اور فقہ اور دیگر علوم ظاہری کے اکتساب سے فارغ ہو کر علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔

بیعت وخلافت: آپ نے اپنے والد ماجد حضرت حسن محمد کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان ہی سے خرقہ خلافت پا کر صاحب اجازت ہوئے۔

(تاریخ صوفیائے گجرات: ۳۰۴)

آپ کے بہت سے خلفاء تھے ان میں سے مشہور ترین آپ کے نبیرہ حضرت شیخ یحییٰ مدنی بن شیخ محمودؒ ہیں۔

علمی ذوق: آپ نے ایک تفسیر لکھی جس کا نام تفسیر محمدی ہے۔ حضرت والد شیخ محمدؒ نے آپ سے فرمایا کہ "لوگ اس تفسیر کا چرچا کریں گے اور اس کی تعریف کریں گے اور تم سے محبت کریں گے؛ لہٰذا تم سے کہیں گے اور چاہیں گے کہ ان کا ذکر اس تفسیر میں کرو تم اس سے ہوشیار رہنا، یعنی ہرگز اس تفسیر میں کسی اہل دنیا یا بادشاہ کا نام درج نہ کرنا، تم نے حق تعالیٰ کے لئے ایسا کیا ہے اور حق تعالیٰ کے لئے ہی ایسا ہونا چاہئے کیونکہ یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض ہے"۔

ف: سبحان اللہ کیسی پتے کی بات ارشاد فرمائی جو مصنفین کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

ارشادات

آپ اپنے رسالہ ''الہامات'' میں فرماتے ہیں کہ: ''طالب کو چاہئے کہ جب یادِ حق میں اس کو لذت محسوس ہو، اسی میں کوشش کرتا رہے، اور یہ سمجھے کہ یادِ حق میں لذت انعام باری تعالیٰ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور شیخ کی برکت سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ اس کے کسب و عمل سے، اور یہ سمجھتا رہے کہ اگر ساری عمر اس لذت کی طلب میں صرف کرتا جب بھی یہ حاصل نہ ہوتی۔ یہ محض بفضل حق و برکتِ شیخ حاصل ہوئی ہے''۔

آپ فرماتے ہیں کہ: طالب کو چاہئے کہ توحید حاصل کرے یعنی دل کو غیر حق تعالی سے خالص کرے، یعنی اس بات میں کوشش نہ کرے کہ مجھ کو طلبِ حق تعالی حاصل ہو یا اس کی ارادت حاصل ہو یا معرفت حاصل ہو یعنی

امورخود بہمہ بوئے تسلیم کند انچہ خواہد ہمان کند

ترجمہ: اپنے جملہ امور کو اسی کو یعنی اللہ تعالیٰ کو سپرد کرنا چاہئے وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

ف: یقیناً یہی توحید ہے کہ کوئی آرزو سوائے اللہ تعالی کے اور اس کی رضا کے باقی نہ رہے۔ چنانچہ خواجہ نقشبند کی یہ دعا اسی معنی میں ہے۔ ؎

الٰہی مقصود من توئی ورضائے تو محبت و معرفت خود بدہ

(مرتب)

آپ فرماتے ہیں کہ یہ بات ضروری ہے کہ: ''طالب شعورِ دل کو غیر حق سے دور کرے''۔

آپ فرماتے ہیں کہ: ''طالب کو چاہئے کہ اگر مجاہدہ میں کوئی چیز ظاہر ہو تو اس پر اکتفانہ کرے بلکہ اس سے اعلیٰ حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور جو کچھ ظاہر ہوا اس کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ البتہ اپنے پیرومرشد سے اس کا ذکر کرسکتا ہے۔''

ف: سبحان اللہ! کیسی مفید نصیحت ہے جو مرشد کامل ہی کرسکتا ہے، کسی نے خوب فرمایا ہے کہ ؎

اے برادر بے نہایت درگہ ایست ہر کہ بروے می رسی بروے مایست

ترجمہ: اے برادر وہ دربار بے انتہاء ہے تم جس مقام تک پہنچو اس پر نہ ٹھہرو۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

''عشق کی علامت یہ ہے کہ غیر حق تعالیٰ جل جائے اور وہ اس حد تک کہ طالب کی ذات بھی جل جائے، یعنی وہ بھی فراموش ہو جائے سوائے حق تعالیٰ کے''

ف: سبحان اللہ! توحید پر کس قدر مختصر جامع ملفوظات وارشادات ہیں جو ہر مومن کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہیں۔ اس لئے کہ توحید راس الطاعات ہے۔ (مرتب)

وفات: آپ بروز یکشنبہ ۲۹؍ربیع الاول ۱۰۴۱ھ کو جوار رحمت میں داخل ہوئے، آپ کا مزار احمد آباد میں ہے، نور اللہ مرقدہ۔ (تاریخ صوفیاء گجرات: ص؍۳۰۵)

حضرت مولانا سید حبیب اللہ صبغۃ اللہ بیجاپوریؒ المتوفی ۱۰۴۱ھ

نام ونسب: مولانا حبیب اللہ نام اور صبغۃ اللہ لقب ہے، آپ مولانا احمد بن مولانا خلیل اللہ کے صاحبزادے ہیں، نجیب الطرفین صحیح النسب والحسب ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت شب عید الفطر ۹۷۹ھ میں بیجاپور میں واقع ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے نشوونما کے بعد اولا مخدوم قاضی علیؒ سے جو جامع علوم عقلی ونقلی تھے کسی قدر کتب ابتدائیہ کی تحصیل کیا، پھر میاں حبیب اللہ شہر استاذؒ کی خدمت میں مطول تک کتب درسیات ختم کیا۔

اور مولانا شیخ حسن نجفیؒ سے جو علامہ وحکیم تھے، شرح حکمت العین پڑھی، پھر آپ نے ملاّ حبیب اللہ شہر استاذ کے فرمانے سے درس وتحصیل کو موقوف کر کے بیجاپور سے سفر اختیار کیا۔ پھر حضرت قاضی محمد کلیانیؒ کی خدمت میں گئے۔ قاضی صاحب عالم فاضل وعارف کامل تھے، قاضی صاحب نے آپ کی خاطر داری ومدارات کی اور باہم عہد ومواخات قائم کیا۔

اور فرمایا کہ مجھ کو قیامت کے دن اپنے ہمراہ رکھئے گا، اور آپ کو کتاب براہین کے دو تین سبق پڑھایا، اور فرمایا کہ باہم یہ نسبت قائم رہنا چاہئے، پھر آپ نے موضع مذکور سے وطن میں مراجعت کی اور کتب متداولہ کی تدریس شروع کی اور آپ ہمیشہ مطالعہ میں مصروف رہتے تھے، آپ کی طبیعت میں ذکاوت وفراست موجزن اور فطانت وکیاست شعلہ زن تھی، شہر میں آپ کے کمالات کی

بڑی شہرت تھی، لوگ آپ کو نفس قدسیہ سے تعبیر کرتے تھے، شہر میں آپ کے درس وتدریس کا بازار گرم تھا، شہر آپ کے فیضان نعمت سے معمور وآباد تھا، اور آپ نے حضرت شاہ محمد میرزا المشہور میران صاحب بابا نگری کی خدمت میں فیض پایا ہے، اور بہت سے علماء وفضلاء وفقراء اور [illegible] سے مثلاً شاہ تاج الحقؒ وعبدالوہاب [illegible] شیخ بابو جیؒ، خلیفہ شاہ حسنؒ وغیرہم۔

ف: تعلیم علوم وتزکیۂ نفوس کی خدمت کے ساتھ ہمارے مشائخ درس وتدریس کے بازار کو گرم رکھتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ حضرات کتاب وسنت سے اقتباس کر کے ہی باطنی خدمت انجام دیتے تھے، اس لئے صحیح معنوں میں نائب رسول اور وارث نبی ہونے کے شرف سے مشرف تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جامعیت سے نوازے۔ آمین (مرتب)

آپ کی قدرومنزلت سلاطین کی نظر میں: ابراہیم عادل شاہ بادشاہ بیجاپور آپ کی بڑی [illegible] ت وتعظیم کرتے تھے، ہمیشہ آپ سے اپنی نیابت ووکالت کی درخواست کرتے تھے، مگر آپ نے کبھی قبول نہیں کیا۔

آپ دنیا ومافیہا سے نفرت کرتے تھے۔ امراء وسلاطین کی صحبت سے دور رہنا چاہتے تھے، اکثر امراء آپ کے دروازہ پر حاضر ہوتے تھے۔ اور دنیوی ودینی فوائد سے مستفید ہوتے تھے، بیجاپور میں جب کوئی جدید عالم فاضل وارد ہوتا تھا تو بادشاہ آپ کو علماء کی مہمانی وپذیرائی کے لئے مقرر کرتا تھا، آپ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے، اور علماء کا ا [illegible] واحترام پورے طور سے ادا فرماتے تھے، اور بادشاہ کی خدمت میں ہر ایک عالم وفاضل کے متعلق کلمۂ خیر کہتے تھے، بادشاہ آپ

کے ارشاد کے موافق عمل کرتا تھا، اکثر علماء آپ کے ذریعہ سے کامیاب اور فائز المرام ہو کر اپنے اپنے وطن کو مراجعت فرماتے تھے۔

مشکوۃ النبوۃ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ۹۹۹ھ میں آپ کے دل میں ایسا خیال پیدا ہوا کہ تمام روئے زمین کا سفر کروں تاکہ کوئی ولی کامل ملے، آپ اس سفر کے لئے میران صاحب بابا نگری کی خدمت میں گئے، میران صاحب سے اپنا عزم وارادہ بیان کیا، میران صاحب نے آپ کا قصہ سنا اور آپ کو ایک میل کے فاصلہ پر صحرا میں لے گئے اور فرمایا کہ عنقریب ایک کامل بزرگ یہاں آنے والے ہیں، آپ صبر کریں، مولانا نے سفر کا ارادہ فسخ کر دیا۔ آخر سنہ ۱۰۰۰ھ میں حضرت شاہ صبغۃ اللہ صاحب قدس سرہ بیجاپور میں آئے، تمام امراء وفقراء آپ کی خدمت سے فیضیاب ہوئے، حضرت نے اہل شہر کے علماء وفضلاء کی نسبت استفسار کیا، اور شہر کی حالت دریافت کی، حاضرین نے عرض کیا: ملا حبیب اللہ بن احمد فاضل وکامل ہیں، حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ اس کو میرا اسلام کہو کہ وہ یہاں آئے، آپ سنتے ہی سوار ہوئے اور خدمت میں حاضر ہوئے، ملا حبیب اللہ آپ کی تقریر سن کر حیران ہوئے پھر حضرت کی خدمت میں از سر نو پڑھنا شروع کیا، چند ہی روز میں درجۂ کمال کو پہونچ گئے، آخر حضرت کے مرید بھی ہوئے، مولانا صبغۃ اللہ نے کبھی آپ کو چلہ کشی کا حکم نہیں کیا، ایک وقت ملّا کے دل میں خیال ہوا کہ شاید میں اس لائق نہیں ہوں، حضرت نے اس خیال کو سمجھ کر فرمایا کہ اکثر آدمی چلہ کشی کرتے ہیں، پھر ویسے ہی رہتے ہیں جیسے چلہ کشی کے قبل تھے، میری ایک نظر سو چلہ سے بہتر ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب توجہ میں اثر تھا، پھر ایسی توجہ کے بعد کوئی چلہ کشی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مرتب)

پھر حضرت صبغۃ اللہ شاہ نے آپ کو بیعت کی اجازت عطا کی۔

آپ نے حضرت سے کہا: حضرت میرا مرید اللہ کے نزدیک مستحق ثواب ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک ہوگا۔ آپ کا مرید میرے مرید کے برابر ہوگا، دونوں میں ذرا بھی فرق نہ ہوگا۔

ف: سبحان اللہ! دونوں شیخ مرید میں کیسی مماثلت تھی۔ ع

تا کس نگوید من دیگرم تو دیگری

ایسی صورت میں مَیں اور تُو کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

وفات: آپ نے ۹؍شعبان المعظم ۱۰۴۱ھ میں رحلت کی، حسب وصیت والدہ ماجدہ کی قبر کے متصل زہرہ پور میں بروز دوشنبہ مدفون ہوئے۔ آپ کی تاریخ قطب آخر الزمان ہے۔ نور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ۲۵۸)

۱۰۴۱

حضرت شیخ بدیع الدین سہارنپوری المتوفی ۱۰۴۲ھ

نام ونسب: نام بدیع الدین، والد کا نام رفیع الدین بن عبد الستار ہے۔

ولادت: سہارنپور شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑے بھی ہوئے۔ کچھ دن اسی شہر میں اُبی پڑھی اس کے بعد دوسرے شہروں کا سفر کیا۔

فضل وکمال: آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے، اپنے علاقے کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ عالم، عامل، متقی، پرہیزگار، خوش صحبت اور شیریں گفتار تھے۔ صاحب کشف وکرامات اور علوم ومعارف وبشارات تھے۔ نوجوانی میں حضرت مجدد صاحبؒ سے مرید ہونے سے پہلے وہ آپ کی خدمت میں کتاب تلویح پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت درویشوں سے ان کو عقیدت نہ تھی بلکہ انکار اور پرہیز تھا۔ شیخ مذکور نے مجھ (بدرالدین سرہندی مؤلف حضرات القدس) سے کہا کہ ان دنوں حضرتؒ سے میں علوم ظاہری پڑھ رہا تھا اور سرہند کے ایک مشہور صاحب ریاضت بزرگ کی خانقاہ کے ایک حجرے میں رہا کرتا تھا۔ حضرت مجددؒ اسی زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے رخصت ہو کر سرہند تشریف لائے تھے اور ابھی آپ کے رشد وہدایت کا شہرہ نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی میری زبان پر کوئی لفظ حضرت مجددؒ کے خلاف اس بزرگ کے سامنے نکل آتا تو وہ مجھ پر بہت ناراض ہوتے اور مجھے ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے کہ وہ روئے زمین کے قطب ہوں گے۔ تم ان کو

کیا جانو؟ ان سے تو بہت فائدے پہنچنے والے ہیں۔ ہرگز کوئی بات ان کی شان میں مت کہنا۔ اسی زمانے میں انھوں نے ایک جلیل القدر خواب دیکھا تھا جو انھوں نے ایک بزرگ سے جو ان سے واقف تھے اور ان سے محبت رکھتے تھے بیان کیا تو اس بزرگ نے اس کی تعبیر میں کہا کہ حضرت مجدد صاحبؒ اکابر اولیاء میں سے ہوں گے اور قطبِ وقت ہوں گے لوگ ابھی ان کی قدر نہیں جانتے۔ مگر ایک وقت ان کے ظہور کا ہوگا اور تم بھی ان سے فیض یاب ہوگے۔

حالات: شیخ (بدیع الدین) اپنی توبہ کی ابتدا کا حال بیان کرتے تھے کہ میں اس زمانے میں ملازم تھا اور کبھی کبھی حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ عشق مجازی میں مبتلا تھا اور اعمال صالحہ کی پیروی اور منہیات کے ترک کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ''فلانے! تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اور گناہوں سے کیوں باز نہیں آتے؟'' میں کہتا کہ میں ایسی نصیحتیں بہت لوگوں سے سن چکا ہوں۔ اگر باطنی طور پر آپ مجھ پر توجہ فرمائیں اور اپنے تصرف سے مجھے اس حالت (گمراہی) سے نکال دیں تو میری ہدایت ہوسکتی ہے ورنہ نصیحت تو کارگر نہیں ہوتی۔ آپ نے تھوڑی توجہ فرمائی اور یہ فرمایا کہ کل تم اسی نیت کے ساتھ میرے پاس آنا۔ اتفاقاً دوسرے روز میرا محبوب میرا مہمان ہوا اور میں نے اس کی صحبت کو غنیمت جانا اور حضرتؒ کی خدمت میں نہ جاسکا۔ پھر دو روز کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ''تم نے وعدہ خلافی کی۔ خیر اب بھی آگئے ہو تو اچھا ہے اور مبارک ہے جاؤ، تازہ وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر میرے پاس آؤ'' میں نے ایسا ہی کیا تو آپ مجھے خلوت میں لے گئے اور ذکر قلبی کی تعلیم دی اور توجہ

فرمائی۔ چنانچہ میں بیخود ہو گیا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا اور خاک پر لوٹنے لگا۔ اسی حالت میں اور بیہوشی کے عالم میں لوگوں نے مجھے اٹھا کر اپنی منزل پر پہنچا دیا۔ ایک رات دن کے بعد مجھے ہوش آیا۔ جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو اس گرفتاری (عشق مجازی) سے اسے خالی پایا۔ بلکہ تمام (دنیوی) رشتوں سے خالی پایا۔ اس کے بعد میں حضرتؒ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہونے لگا اور آپ کی عالی توجہات کی برکتوں سے بیحد ترقیاں حاصل کیا۔ پھر تو میں ہر روز خود سے دور تر ہوتا گیا اور ہر ساعت غیب الغیب کی طرف بڑھتا گیا۔

الغرض کہ شیخ نے سالوں حضرتؒ کی خدمت میں عمر گذاری اور واردات ومقامات اور درجات کمال و تکمیل سے مشرف ہوئے اور خلعت خلافت حاصل کر کے اپنے وطن سہارنپور واپس ہوئے اور طالبوں کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ اس راقم الحروف (شیخ بدرالدین سرہندیؒ) اور شیخ کے درمیان بہت خلوص اور خصوصیت تھی۔ اور جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی تو وہ حضرت مجددؒ کے خوارق و کرامات بہت شیریں انداز اور رنگین عبارات میں بیان کرتے۔ وہ گویا حضرتؒ کے مکشوفات، بشارات اور کرامات کا ایک مجموعہ (کتاب) تھے۔ ان سے میں نے اس قدر خوارق حضرتؒ کے سنے ہیں کہ اگر اس وقت ان سب کو لکھنے کا خیال آتا تو ایک بہت ضخیم دفتر تیار ہو جاتا۔ افسوس کہ ایسا لکھنے کا ارادہ بعد میں ہوا اور اب بہت سی باتیں ذہن سے نکل گئی ہیں۔ اب جس قدر حافظے نے ساتھ دیا لکھ لیا ہے۔

ارشادات: آپ فرماتے تھے کہ جب میں نے حضرت مجددؒ سے عرض کیا کہ

میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ اس سفر میں (لشکر والے سفر میں) ترک مت کرو۔ بہت کچھ میں نے کہا۔لیکن آپ نے فرمایا، ابھی اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے۔ چنانچہ اس حکم کی وجہ سے میں رخصت ہوا۔ پہلے دن اکبر آباد سے برہان پور کے سفر میں صبح سے منزل پہنچنے تک برابر حضرتؒ کو اپنے ہمراہ دیکھتا کہ پہنچے ہوئے ہیں اور فوج کے درمیان سے مجھے ہاتھ پکڑ کر ایک کنارے لے جا کر تربیت فرمارہے ہیں۔اوراس میں کبھی فرق نہ آیا۔

آپ فرماتے تھے کہ جب میں شہر اجین پہنچا تو میں اجیدردپ جوگی کو دیکھنے گیا۔وہ کافر راہب تھا اور ریاضت کی وجہ سے صاحب کشف واستدراج تھا۔ بادشاہ اورامراء بھی اس سے عقیدت رکھتے تھے اوراس کو دیکھنے جاتے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کہنے لگا کہ اے شخص،تم اپنے پیر کو جواس وقت سب سے زیادہ کامل ہیں چھوڑ کرکہاں جارہے ہو؟ میں نے کہا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا؟اس نے کہا کہ مجھے معلوم اورمکشوف ہوا ہے کہ اس زمانے میں تمہارے پیر کی طرح کوئی نہیں۔میں نے نقل کیا کہ پھرتم ان کی خدمت میں کیوں نہیں جاتے؟ وہ کہنے لگا کہ میں اپنے دین میں کامل ہوں مجھے ان کی ضرورت نہیں۔

ف: اس سے حضرت مجدد صاحبؒ کے علو شان کا علم ہوتا ہے جس کی ایک کافر شہادت دے رہا ہے۔ جیسا کہ مقولہ مشہور ہے "الفضل لمن شهد ت به الاعداء"۔مرتب

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے حلقۂ ذکر میں دیکھا کہ میں حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔کسی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ

سنت زوال ادا فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ خاموش رہے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضرت شیخ احمد تو یہ نماز ادا کرتے ہیں اور ان کی عادت ہے کہ جو عمل آپ کی ذات مبارک سے وجود میں آیا ہے اسے وہ بجا لاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر مراقب ہوئے پھر سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ ہر عمل جو میاں شیخ احمد بجالاتے ہیں وہ حق ہے اور بعینہ ہمارا عمل ہے۔ اور یہ نماز ہم بھی ادا کرتے ہیں۔ (حضرات القدس ص/۳۱۴)

شیخ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب بنام حضرت مجدد صاحبؒ

اب یہاں شیخ کے عریضے جو انھوں نے حضرت مجدد صاحبؒ کو ارسال خدمت کئے تھے پیش کئے جاتے ہیں:۔

مکتوب: احقر العباد بدیع الدین سہارنپوری، آستانہ عالیہ میں عرض پرداز ہے کہ یہ عاجز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص بشارتیں پاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عنایتیں فرماتے ہیں اور نصیحتیں بھی فرماتے ہیں۔ ایک دن فرمایا کہ ”تو سراج ہند ہے“۔ اور فرمایا کہ ”مزید اطاعت کرو“۔ عالم غیب سے قطبیت کی بشارت بھی آتی ہے اور اکثر اوقات حکم الٰہی سے آنے والے واقعات کی خبر، واقعے سے پہلے ہی بلاقصد دی جاتی ہے۔ اور عالم غیب سے ایسی عجیب و غریب بشارتیں ہوتی ہیں کہ وہ حضور والا ہی سے عرض کرنے کے لائق ہیں۔

کچھ طالبانِ صادق جمع ہو گئے ہیں اور ذکر میں مشغول ہیں، اور بلند احوال سے گزر رہے ہیں۔ انھوں نے نقشبندیہ حضور کو تھوڑی سی مدت میں اپنا ملکہ بنالیا ہے اور اہل نسبت بن گئے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو فنائے جسدی سے مشرف ہو گئے

ہیں (اور اللہ تعالیٰ ہی احوال اخروی اور برزخ کو بہتر جانتا ہے) اور بعض ایسے ہیں کہ ذکر کی لذت کی خاطر گھر بار چھوڑنے پر آمادہ ہیں۔

مکتوب: حضرت سلامت! اللہ پاک نے آپ کی توجہ کی بدولت مجھے مشاہدہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ میں آرزو رکھتا تھا کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت نصیب ہو اور میں اس آستانے پر جبہہ سائی کروں اور انوار کمالات کا پرتو حاصل کروں۔ اللہ پاک نے اپنے خاص کرم سے نماز تہجد کے بعد یہ دولت عطا فرمادی اور ایسا معلوم ہوا کہ اس مقام کی خدمت کا اہتمام حضرت غوث الثقلین قدس سرہ سے متعلق ہے اور ان کے وسیلے کے بغیر اس بارگاہ تک پہنچنا دشوار ہے اور اس مقام سے انوار کا حصول صرف کامل ترین اولیاء کر سکتے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے کمال سے مشرف ہوئے ہیں۔

حضرت سلامت! ایک درویش جو قدوۃ المحققین خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں تربیت یافتہ تھے، بتاتے تھے کہ میں ان کی خدمت میں چھ ماہ رہا۔ میں ارواح پاک سے نسبت رکھتا تھا اور بزرگوں کی ارواح مجھ پر ظاہر ہوتی تھیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ حضرت شیخ فرید گنج شکر قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ کچھ دنوں بدیع الدین کے ساتھ رہو۔ اس درویش کو ذکر میں بہت مشغولیت حاصل تھی اور عجیب و غریب حالات اس پر ظاہر ہوتے تھے۔

مکتوب: ایک واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے آپ کی اس محبت والی نسبت کی استدعا کی جو آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے۔ آپ نے کمال بندہ نوازی سے وہ عنایت فرمائی۔ پھر میں نے حضور انور صلی

اللہ علیہ وسلم سے اس محبت والی نسبت کی استدعا کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حق سبحانہ سے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "یہ طریقہ وصول خاص ہے۔ (حضرات القدس: ص/۳۱۸)

حضرت مجدد صاحبؒ کا مکتوب ملاحظہ کریں۔

پہلا مکتوب: الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

تمہارا مکتوب جو شیخ فتح اللہ کی معرفت بھیجا تھا پہنچا۔ جفا وملامت خلق کی شکایت تم نے لکھی تھی۔ برادرم! یہ ملامت خلق تو اس طائفۂ صوفیاء کا جمال ہے اور ان کے زنگار کا صیقل ہے، پھر باعث رنجیدگی کیوں ہو؟ فقیر جب اس قلعۂ گوالیار میں (بحکم جہانگیر) پہنچا تو شروع شروع میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامت خلق کے انوار مختلف شہروں اور بستیوں سے نکل کر سحابہائے نورانی کی طرح پے درپے پہنچ رہے ہیں اور کام کو پستی سے اٹھا کر بلندی کی طرف لے جارہے ہیں۔ تم سالہا سال تربیت جمالی کے ساتھ منازل طے کرتے رہے ہو اب تربیت جلالی کے ساتھ بھی قطع مسافت کرو اور مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہو۔ جمال وجلال کو مساوی جانو۔ تم نے لکھا تھا کہ ظہور فتنہ کے وقت سے (آپ کے قید میں جانے کے وقت سے) نہ ذوق باقی رہا نہ حال، (ارے بھائی) چاہئے تو یہ تھا کہ اب ذوق وحال دو چند ہوجاتا اس لئے کہ جفائے محبوب وفائے محبوب سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ تم بالکل عوام الناس کی سی باتیں کرتے ہو اور محبت ذاتیہ سے دور ہو گئے ہو، (ایسی باتیں نہ کرو بلکہ) اس کے برخلاف جلال کو جمال سے بڑھ کر سمجھو۔ ایلام کو انعام سے زیادہ تصور کرو، اس لئے کہ جمال وانعام میں تو مراد محبوب ہماری

اپنی مراد سے ملی جلی ہوئی ہے، اور جلال وایلام میں خالص مراد محبوب ہوتی ہے ہماری مراد کے خلاف۔ابتلا وایلام کا وقت جمال وانعام کے وقت سے اونچا ہوتا ہے۔دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔زیارت حرمین شریفین کے متعلق تم نے لکھا تھا اس میں کون مانع ہے؟ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔(تجلیات ربانی: ج ۲؍ص ۱۰۲)

دوسرا مکتوب:

[رضا بالقضا کے بیان میں]

الحمد للہ وسلام علی وبادہ الذین اصطفیٰ۔

بندۂ مقبول وہ ہے کہ اپنے مولائے حقیقی کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی مرضی کا تابع ہے وہ بندۂ نفس ہے۔اگر مولیٰ اپنے بندے کے گلے پر چھری بھی چلا دے تب بھی بندے کو شاداں وخنداں ہونا اور اس فعل مولیٰ کو اپنا پسندیدہ فعل محسوس کرنا بلکہ اس سے لذت یاب ہونا چاہئے اور اگر عیاذاً باللہ اس کو اس فعل سے کراہت ہوتی ہے اور اس کا سینہ تنگ ہوتا ہے تو وہ دائرۂ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے راندہ ومہجور ہے۔طاعون جب کہ مولائے حقیقی کی مراد ہے چاہئے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش وخرم ہوں، غلبۂ طاعون سے پیشانی پر بل نہ ڈالیں اور دل تنگ نہ ہوں، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ فعل محبوب ہے اس سے لذت یاب ہوں۔ہر کسی کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے اس میں کمی وبیشی کا کوئی احتمال نہیں ہے، پس پریشانی کس بات کی ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ (دعائیں کرکے) بلاؤں سے عافیت وامان طلب کریں اور اللہ کے غصے سے پناہ ڈھونڈھیں۔بندے کی دعا اور سوال اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''تم مجھ سے دعا کرو تا کہ میں اس کو قبول کروں''۔ مولانا عبدالرشید نے آ کر تمہارے علاقے کے حالات بیان کئے۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو بلیات ظاہرہ و باطنہ سے محفوظ رکھے۔ (تجلیات ربانی: ج ر ۲ ص ر ۷۲)

تیسرا مکتوب:

[چند سوالات کے مختصر جوابات]

تمہارا خط پہنچا اس میں لکھا تھا کہ تمہاری طرف دو زبردست حادثے نمودار ہوئے ہیں۔ ایک طاعون دوسرا قحط۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو بلاؤں سے بچائے۔ تم نے لکھا تھا کہ باوجود ان حوادث کے رات اور دن عبادت و مراقبہ میں صرف ہوتے ہیں، اس کیفیت پر اللہ کا شکر ہے۔

جو سوالات تم نے کئے ہیں ان کے مختصر جوابات یہ ہیں کہ۔ سنتوں میں اکثر اوقات چار قل پڑھے جاتے ہیں۔ اور مردوں کا کفن مسنون تین کپڑے ہیں۔ پگڑی باندھنا قدر مسنون سے زائد ہے۔ ہم تو قدر مسنون پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ عہدنامے کے بارے میں یہ ہے کہ ہم اس کو (قبر میں رکھنے کے لئے) نہیں لکھتے، ایک تو اس وجہ سے کہ جسم انسانی کے گلنے سڑنے کی وجہ سے آلودگی کا احتمال ہے۔ دوسرے سند صحیح سے یہ چیز ثابت بھی نہیں ہے، تیسرے علماء اہل سنت کا عمل بھی یہ نہیں ہے۔ (ہاں) اگر تبرک کے طور پر کوئی پیرہن (مشائخ سے حاصل ہوا) ہو تو اس کو قمیص کی جگہ اگر کفن میں داخل کردیں تو گنجائش ہے (مگر ایسا نہ ہو کہ وہ پیرہن تین کپڑوں سے زائد ہو)۔

شہداء کے کپڑے ہی ان کا کفن ہوتے ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے

(بھی) وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو میرے انھیں پرانے کپڑوں میں کفنانا۔ محض ایمان بھی اگر چہ عذاب شدید یا عذاب خفیف یا عفو الٰہی کے بعد نجات دلانے والا ہے لیکن کلمۂ طیبہ کی مقبولیت عمل صالح سے وابستہ ہے۔

موت وبا سے بھاگنا اسی طرح گناہ کبیرہ ہے جس طرح جہاد کے دن بھاگنا گناہ کبیرہ ہے، اور جو شخص زمین وبا میں صبر کے ساتھ جما اور ڈٹا رہے اور مر جائے تو شہداء میں سے ہے اور فتنۂ قبر سے مامون ہے اور جو صبر کرے اور نہ مرے وہ غازیوں میں سے ہے۔

اِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّ طَاعَةً
وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَهْلًا وَّ مَرْحَبًا

یعنی اگر مجھ سے دوست کہے کہ مرجا تو میں بہ سلسلۂ تعمیل حکم مرجاؤں گا اور فرشتۂ موت سے خوش آمدید کہوں گا۔

چند روز ہو گئے ہیں کہ بلغم اور کھانسی نے مغلوب و عاجز کر دیا ہے اور ضعف لاحق ہو گیا ہے، اسی بنا پر سوالات کے جوابات پر ہی اکتفا کیا گیا (کچھ اور نہیں لکھا جا سکا)

والسلام (تجلیات ربانی: ج/۲ ص/۱۲)

چوتھا مکتوب: تم نے دریافت کیا تھا کہ (بعض) ارباب حدیث نے ہر مہینے میں کچھ دن منحوس تحریر کئے ہیں، اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ والد فقیر (حضرت شیخ عبدالاحد فاروقیؒ) فرماتے تھے کہ:

شیخ عبداللہ بصریؒ اور شیخ رحمت اللہ سندھیؒ جو کہ اکابر محدثین میں سے تھے اور حرمین شریفین میں شیخین کے لقب سے مشہور تھے یہ دونوں بزرگ ایک مرتبہ

ہندوستان وارد ہوئے تھے، یہ بزرگ فرماتے تھے کہ اس قسم کی ایک حدیث کرمانی شارح بخاری نے نقل کی ہے لیکن (ازروئے سند) وہ حدیث ضعیف ہے۔حدیث صحیح اس بارے میں یہ ہے:۔

"الایام ایام اللہ والعباد عباد اللہ" (یعنی سب دن اللہ کے دن ہیں اور سب لوگ اللہ کے بندے ہیں) نیز وہ بزرگ فرماتے تھے کہ "نحوست ایام" رحمت عالمیان ﷺ کی ولادت کی برکت کے باعث زائل ہوگئی ہے۔"ایام نحسات" امم سابقہ میں تھے۔عمل فقیر یہ ہے کہ کسی دن کو کسی دن پر ترجیح نہیں دیتا تاوقتیکہ شارع کی طرف سے کسی دن کی ترجیح معلوم نہ کرلے۔جیسے جمعہ کا دن (کہ افضل ہے) اور رمضان کے ایام (کہ وہ برکت وعظمت والے ہیں۔(تجلیات ربانی:ص/۱۸۸)

وفات: آپ کا انتقال ۱۰۴۲ھ میں ہوا۔رحمہ اللہ تعالیٰ

(نزہۃ الخواطر:ص/۱۴۷ج/۵)

حضرت شاہ طیب بنارسیؒ المتوفی سنہ ۱۰۴۲ھ

نام ونسب: نام شاہ طیب، والد کا نام شیخ معین الدین، آپ کا سلسلہ نسب سیدنا عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔

حضرت شاہ طیبؒ کے جد امجد شیخ خلیل فاروقیؒ سرزمین عرب سے ہندوستان آئے، ضلع غازی پور کے موضع بھتری کے متصل ،''جسڑی'' نامی چھوٹی بستی میں سکونت اختیار کی، پھر آپ کے پوتے بنارس منتقل ہو گئے۔

تاریخ ولادت: شاہ طیب بنارسیؒ کے ولادت باسعادت کی تاریخ نہیں ملی؛ لیکن یہ ضرور ملتا ہے کہ جب آپ کے والد محترم شیخ معین الدینؒ نے وصال فرمایا تو آپ کی عمر ۱۰ ر سال کی تھی، والدہ ماجدہ بقید حیات تھیں، آپ کی نگہداشت اور آپ کی تعلیم وتربیت کی نگرانی پھوپھی صاحبہ نے فرمائی، اس ۱۰ ر سال کی عمر میں آپ نے قرآن کی تعلیم حاصل کی ۔ابتدائی دینیات بھی گھر ہی پر پڑھا، فارسی بھی سیکھا، بعد ازاں عربی کا آغاز اُستاذ الفضلاء شیخ نظام الدین بنارسیؒ سے کیا۔ اپنے یہاں تحصیل علم کے دوران شیخ نظام الدینؒ شاہ طیبؒ کے طور وطریق ، انداز و وضع سے بہت متاثر تھے، جس کی بناء پر غایت درجہ عنایت کی نگاہ شاہ صاحبؒ پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس لڑکے سے مشیخت وپیشوائی کی بو آتی ہے، ایک عالم اس

عزیز م مولانا محمد ارشد اعظمی بنارسیؒ سلمہ نے ''تذکرہ شاہ طیب بنارسی'' کے عنوان سے آپ کے حالات وتعلیمات جمع کئے ہیں اسی سے اقتباسات نقل کرتا ہوں فجزاہم اللہ۔ (مرتب)

کے انوار و برکات سے حصہ پائے گا، اور یہ خاندان اس کی ذات سے روشن ہوگا۔

شیخ نظام الدینؒ کی درسگاہ سے صرف ونحو وغیرہ کی تعلیم پا کر جون پور تشریف لے گئے، جہاں بعض اساتذہ سے فن نحو اور معانی کو مکمل کیا، اس کے بعد افضل العصر شیخ نور اللہ انصاری ہرویؒ (م ۱۰۱۲ھ) کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شرح وقایہ مکمل اور حسامی کے بعض اجزاء کی تکمیل فرمائی، اسی دوران گھر واپس آگئے اور شادی کرلی۔ نکاح کے بعد تعلیمی سلسلہ جاری نہیں رکھ سکے، تقریباً دو تین سال کے بعد دوبارہ جونپور گئے اور مروجہ نصاب کے مطابق فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم وغیرہ پوری کر کے دینیات کی سندفراغ حاصل کی۔

احسان وتصوف: دوران طالب علمی شاہ طیبؒ کی باطنی صلاحیت وروحانی استعداد بھی نکھرنا شروع ہوگئی تھی۔ وہ بایں طور کہ جب شاہ طیبؒ شیراز ہند جونپور میں یگانۂ روزگار عالم دین شیخ نور اللہ انصاریؒ کے دریائے علم سے اپنی تشنگی بجھا رہے تھے تو جونپور ہی میں سراج السالکین امام العارفین شیخ تاج الدین جھونسویؒ سے کسی خانقاہ میں ناگہانی طور پر ملاقات ہوگئی، سلام وکلام ہوا، شاہ طیبؒ نے اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے شیخ تاج الدینؒ سے عرض کیا:۔

''میری خواہش عرصہ سے یہ ہے کہ اپنے جد مکرم حضرت شاہ حسن داؤد بنارسیؒ کے کسی خلیفہ سے بیعت کی سعادت مل جائے، شیخ تاج الدینؒ نے سنتے ہی فرمایا کہ اس وقت جون پور میں حضرت مولانا خواجہ کلاں جھونسویؒ ہیں جو اپنے والد گرامی اسد العلماء شیخ نصیر الدین مصطفیٰ آبادیؒ کے واسطے سے حضرت شاہ حسن داؤد بنارسیؒ کے خلیفۂ اقدس ہیں، خوش قسمتی سے تشریف فرما ہیں، شیخ تاج الدینؒ

سے کہا کہ ”مجھے خدمت خواجہ میں لے چلئے؟ شیخ تاج الدینؒ اضطراب شوق کو دیکھ کر شاہ طیبؒ کو خواجہ کلاں کی خدمت والا میں لے گئے، خواجہ کلاںؒ نے شاہ طیبؒ کو دیکھا تو فوراً کھڑے ہو گئے اور مصافحہ و معانقہ کر کے فرمایا کہ ”حضرت حسن بنارسیؒ کی اولاد میں سے آپ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ محض دیدار سے حضرت شاہ حسنؒ کی صورت نظروں میں گھوم جا رہی ہے، شاہ طیبؒ نے جواب دیا کہ حضرت شاہ حسنؒ بندہ کے جد امجد تھے، خواجہ کلاںؒ نے فرمایا:

”آپ تو ہمارے مخدوم زادہ ہیں، اس عاجز کو نعمت (باطنی و نسبت احسانی) آپ ہی کے خاندان سے نصیب ہوئی“۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

ترجمہ: اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا بلکہ آپ نے ہی سب کچھ دیا میرا کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد شاہ طیبؒ نے خواجہ کلاںؒ سے باطنی واردات و قلبی کیفیات بیان کی اور بیعت ہونے کی درخواست کی مولانا خواجہ کلاںؒ کی نگاہ حقیقت شناس نے دیکھا کہ شاہ طیبؒ ”جوہر قابل“ ہیں، چنانچہ ”مائل بہ کرم“ ہوئے اور بزرگانہ شفقتوں سے نواز کر اپنے سلسلۂ زریں میں داخل فرمایا، اور اوراد و وظائف کی تلقین فرمائی، نیز خاص تعلق اور عنایت کی وجہ سے خواجہؒ نے اپنی کلاہ مبارک بھی اُتار کر شاہ طیبؒ کے سر پر رکھ دی (جس سے اشارہ اس طرف تھا کہ ایک وقت آئے گا جس میں شاہ طیبؒ روحانی ولایت کے تاجدار بنیں گے۔)

الہ آباد کا سفر: اس کے بعد والدہ صاحبہ و پھوپھی محترمہ سے اجازت لیکر شیخ پورہ

قصبہ جھونسی ضلع الہ آباد کا قصد کیا۔مولانا خواجہ کلاںؒ کی بارگاہ عالی میں شرف یاب ہوئے،اور حقیقت حال بیان کی ،مولانا کلاںؒ بہت خوش ہوئے اور تسلی و دلجوئی فرمائی،شیخ تاج الدین جھونسویؒ بھی شیخ پورہ حضرت مولانا کلاںؒ کی خدمت گرامی میں تشریف فرما تھے۔

شیخ کی اطاعت وفرمابرداری کا ثمرہ: خواجہ کلاںؒ نے عطائے خلافت کے بعد شاہ طیبؒ کو مزید تکمیل کے لئے اپنے خلیفۂ خاص شیخ تاج الدینؒ کے حوالہ فرمادیا چنانچہ شاہ طیبؒ نے باوجود معاصرانہ ورفیقانہ تعلق کے سر تسلیم خم کردیا اور ادب واحترام، اطاعت وفرماں برداری کا ثبوت دیا یہاں تک کہ دس سال تک خدمت تاج میں لگے رہے اور اپنی ساری خواہشات کو ان کے سامنے فنا کے گھاٹ اتار کر قرب کا مقام حاصل کرلیا۔

چنانچہ شاہ طیب بنارسیؒ کو اس اطاعت وفرماں برداری کا نفع بھی کامل طور پر مل کر رہا کہ حضرت شیخ تاج الدینؒ نے اپنے عطایا وانعامات اور خلعت خاص سے نواز کر اجازت وخلافت کا تاج آپ کے سر پر رکھ دیا۔

شیخ تاج الدینؒ نے شاہ طیب بنارسیؒ کو ولایت بنارس کے رشد وہدایت کے منصب پر فائز فرمایا اور جب رخصت فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ:۔

’’اب آپ جھونسی کا سفر کم کریں، طالبانِ دین کی خدمت اور سالکان راہ خدا کی تربیت میں مشغول رہیں،میں بنارس خود ہی آیا کروں گا۔

دہلی کا سفر: شاہ طیب کی زندگی سے متعلق ’’سفر دہلی‘‘ بھی ہے،تحصیل کمالات کے بعد باوجودیکہ آپ کو اپنے شیخین سے خلافت مل چکی تھی، آپ حضرت شیخ

عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمت میں بھی گئے، آپ نے سلسلہ قادریہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ماشاءاللہ

امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا جذبہ: شاہ طیب بنارسیؒ کو شریعت مقدس پر کمال استقامت کا درجہ حاصل تھا، احکام شریعت کے جاری کرنے کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے، دین مبین کی خلاف ورزی اور اسلام کی نافرمانی کو برداشت نہیں کرسکتے تھے، وہ ساری بدعات وخرافات جو اس وقت مشہور ہوگئی تھی، شاہ صاحبؒ نے ان سب کا قلع قمع فرمایا۔

جذبہ اصلاح: شاہ طیبؒ کی منجملہ کرامات میں ایک کرامت یہ تھی کہ بدعات کے متوالے اور خواہشات نفسانی کے پرستار اور خرافات وواہیات کے شکار دل وجان سے آپ کی بات سنتے تھے اور آپ کے حکم کی فرماں برداری ذوق وشوق سے کرتے تھے، شاہ طیبؒ کی مخالفت کے درپے نہیں ہوتے تھے، ابتدائی حالات میں تو حضرت شاہ طیب رحمۃ اللہ علیہ اہل بدعت اور اہل ہواء کے ساتھ شدت کا برتاؤ فرماتے تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باب میں آپ کو رسوخ تام حاصل تھا، اسی لئے ان امور کی انجام دہی میں بے اختیار ہوجاتے تھے، اگر کسی نے ڈھول یا مزامیر وغیرہ استعمال کیا اور اس کی آواز آپ نے سن لی تو فوراً جا کر اس کو تنبیہ فرماتے اور ان آلاتِ لہو کو توڑ ڈالتے، اگر کسی کو نماز فجر کے وقت سوتا ہوا پاتے تو اس کے منہ پر پانی ڈال دیتے، یا عصا ہوتا تو اس سے جگا دیتے، بعض دفعہ تو تنبیہاً مار بھی دیتے۔

ف: سبحان اللہ! امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کیا حال وجذبہ تھا جو ایک عالم

ربانی کی یہی شان ہونی چاہئے، مگر افسوس کہ اس معاملہ میں عموماً ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے، اللہ معاف فرمائے اور اس کی توفیق دے۔ آمین۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اعتدال کی راہ اختیار کرنا چاہئے اور رفق ونرمی اور غلظت وسختی کے مواقع میں تمیز کر کے عمل پیرا ہونا چاہئے اس سے نفع کی زیادہ امید ہے۔ (مرتب)

تعلیمات: آپ اپنی تصنیف صلوۃ طیبی میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:۔

''بداں کہ تصوف چیست؟ واہل تصوف کیست؟ تصوف پیروئ رسول اللہ ﷺ است و اہل تصوف پیروان سنت رسول اللہ ﷺ اند۔''

ترجمہ: تم جانو کہ تصوف کیا ہے؟ اور اہل تصوف کون ہیں؟ حضور اقدس ﷺ کی اتباع اور پیروی کا نام ''تصوف'' ہے اور حضور پاک ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والوں کو ''اہل تصوف'' صوفیاء اور صوفی کہا جاتا ہے۔

پس شاہ طیب صاحبؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ تصوف اطاعت رسول اللہ ﷺ کا نام ہے، اور اہل تصوف آپ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کرتے ہیں، چنانچہ مشائخ وصوفیاء یوں کہتے ہیں کہ طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت، یعنی دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ پس جو لوگ طریقت اور شریعت کو الگ الگ سمجھتے ہیں، وہ عدم معرفت کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں۔

لہٰذا ان دلائل سے یہ حقیقت عیاں ہو کر رہی کہ شاہ طیب بنارسیؒ عالم وعامل ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ کامل، صوفی صافی اور عارف باللہ تھے، نیز شاہ طیب بنارسیؒ کے اقوال وارشادات تحقیق وتدقیق کے آئینہ دار ہوتے تھے کیونکہ صلوٰۃ طیبی ان

حقائق کا مظہر ہے۔

اوصاف حمیدہ: شاہ طیب بنارسیؒ فطرتاً بہت رحمدل اور خلیق بزرگ تھے، رسولِ اُمی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کے عاشق زار تھے، آپ کی بارگاہ میں رحمت الٰہی برستی ہوئی معلوم ہوتی تھی، کوئی سائل ومحتاج خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا، اور خانقاہ کے واردین وصادرین کی دل جوئی وتسلی فرماتے، حاضرین خانقاہ کے ساتھ کمال توجہ سے پیش آتے، شاہ محمد یٰسینؒ فرماتے ہیں کہ شاہ طیب بنارسیؒ فقراء واغنیاء سب کی جائے پناہ تھے، علماء وصلحاء کا مرجع تھے، مساکین ومسافرین کی تکیہ گاہ اور اُباء کے لئے سہارا تھے، ہر عاجز دردمند کی اشک شوئی، ہر ضعیف وناتواں کے غم میں شرکت آپ کا شیوہ تھا، کبھی بھی کسی دنیا دار، عہدیدار، حاکم وبادشاہ کے پاس نہیں گئے، مگر عالم یہ تھا کہ شاہ صاحبؒ نے جس کسی کو مصیبت زدہ یا حاجت روائی کے لئے ذرا سا اشارہ فرمادیا، سب نے بخوشی اس کو پورا کیا۔

ف: ماشاء اللہ! ہمارے مشائخ کس قدر اوصاف حمیدہ سے متصف تھے جس کی وجہ سے اللہ نے دینی ودنیوی وجاہت وکرامت سے مشرف فرمایا، اللہ ہم سب کو ان اوصاف حسنہ سے متصف فرمائے۔ اور اپنے لطف وکرم سے شاد فرمائے۔ آمین (مرتب)

وفات: وصال سے قبل جھونسی الہ آباد تشریف لائے تھے اور ماہ شوال ۱۰۴۲ھ بروز دوشنبہ آپ کی وفات ہوئی، آپ کا جنازہ الہ آباد سے بنارس منڈاڈیہہ منتقل کیا گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ نور اللہ مرقدہ۔ (تذکرہ شاہ طیب بنارسیؒ: ص ۴۲)

حضرت مولانا طاہر فاروقی بنارسیؒ المتوفی ۱۰۴۲ھ

نام ونسب: نام طاہر، والد کا نام شیخ چاندہ ہے۔ آپ حضرت مولانا شاہ طیب بنارسی متوفی ۱۰۴۲ھ کے خاص عزیزوں اور مخصوص مریدوں میں ہیں۔

حالات: مولانا طاہر بنارسی عرصہ دراز تک شریعت آباد بنارس میں حجرہ بنا کر دنیاوی آلائشوں سے دور عبادت و ریاضت میں لگے رہے۔ جب معاش کی تنگی نے مجبور کیا اور متعلقین پر فاقے گذرنے لگے تو کچھ مدت کے لئے شاہی ملازمت اختیار کرلی۔

صاحب ''مناقب العارفین'' مولانا شاہ یاسین لکھتے ہیں:

بعد ازاں کہ متعلقان وے را شدت	جب آپ کے متعلقین پر فاقہ ہونے
فاقہ ومحنت پیدا شد بالضرورۃ چند مدت	لگا تو مجبوراً کچھ دنوں شاہی خدمت
خدمت شاہ وقت اختیار نمودہ۔	گذاری اختیار کرلی۔

اس سے گھر میں خوشحالی آئی اور دنیاوی ثروت ووجاہت نے قدم چومے مگر اسے ضرورت کی حد تک اختیار کرنے کے بعد ترک کر دیا۔ اور شاہی ملازمت سے علیحدگی اختیار کرلی۔

آپ فقراء ومساکین سے زیادہ تعلق رکھتے تھے۔ ملازمت کے زمانہ میں بھی ہمہ وقت زبان پر ذکر الٰہی رہتا تھا۔ اوراد ووظائف میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہوتی تھی، اکثر وبیشتر خشیت الٰہی سے آنکھیں ان کی اشکبار رہتیں۔ آپ کے متعلق شاہ یٰسین

بنارسی نے لکھا ہے:

میاں شیخ طاہر بکمالات ظاہری و باطنی موصوف بود۔	میاں شیخ طاہر علوم ظاہری و باطنی سے موصوف تھے۔

مولانا مرحوم نے بنارس میں گنگا اور برنا کے سنگم پر ایک مسجد اور پختہ مکان تعمیر کرایا، اسی مسجد سے متصل آپ کے والد شیخ چاندہ کا مزار ہے جو آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

وفات: مولانا شاہ طیب بنارسی کی وفات کے چند روز بعد ان کی مزار پر حاضر ہوئے تو فرط غم سے روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس وقت فرمایا کہ بزرگوں کی جدائی کا صدمہ ناقابل ضبط ہو رہا ہے۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد ۱۰ رمحرم الحرام سنہ ۱۰۴۲ھ میں محبوب حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار محلہ بھدوؤں بنارس میں خواجہ مبارک سوندھو بنارسی کے احاطہ میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ

(تذکرہ علماء بنارس ص ر ۱۱۱ مؤلفہ: مولانا وسیم احمد صاحب قاسمی)

حضرت خواجۂ ابرار خواجہ حسام الدین احمد دہلویؒ المتوفی ۱۰۴۲ھ

نام ونسب: نام خواجہ حسام الدین احمد اور خواجہ ابرار سے مشہور ہیں، والد کا نام میر نظام الدین احمد غازی خان کے لقب سے مشہور اور اکبر بادشاہ کے امراء میں سے تھے۔ آپ کا نسب حضرت حسن بصریؒ تک پہنچتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۹۷۷ھ میں ہوئی، شیخ جنید آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔

حالات: آپ پانچ سال کے تھے کہ آپ کے والد میر نظام الدین نے دریافت کیا کہ دنیا میں سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ یاد خدا اور محبت خدا۔ میر نظام الدین کے انتقال کے بعد آپ کو زمرۂ امراء میں داخل کرلیا گیا، جب آپ کو راہ سلوک طے کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تو اپنے آپ کو بتکلف دیوانہ ظاہر کرکے الٹے الٹے کام کرنے شروع کردیئے، اس لئے بادشاہ نے آپ کو رخصت دیدی اور برطرف کردیا۔ چنانچہ انھوں نے قبا پوشی چھوڑ کر عبا پوشی اختیار کرلی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تھوڑی سی مدت میں مرتبۂ کمال کو حاصل کرلیا۔ اور آپ سے اجازت وخلافت حاصل کرلی۔

عشق الٰہی کا ان پر غلبہ تھا، ان کو علو استعداد اور قوت باطن حاصل تھی۔ شفقت علی الخلق بیحد تھی۔ سفارش لکھکر غریبوں کے کام کراتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے فرزندوں نے کہا کہ حفظ آبرو بھی ضروری چیز ہے یعنی آپ سفارش نہ

لکھا کریں۔اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنی آبرو کی مدد سے کوئی پن چکی چلانی نہیں ہے۔ایسی آبرو کس کام کی جس سے کشت (کھیتی) دلہائے مسلماں شاداب وسیراب نہ ہوں۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب تواضع وانکساری اور ساتھ ہی حقیقت سے آگاہ فرمایا کہ آبرو وہی ہے جس سے مسلمانوں کے دل خوش وشاد ہوں۔واللہ الموفق (مرتب)

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے بعد ان میں اور مجدد الف ثانیؒ میں یک گونہ چند روز ایک بات پر ملال ہوگیا تھا اللہ کے فضل سے آخر اس ملال کا غبار دل سے ہٹ گیا اور آپس میں اخلاص وصفائی کا عمل درآمد ہوگیا، یہاں تک کہ اپنے بڑے لڑکے کو انہوں نے حضرت مجدد صاحبؒ کے آستانے پر تربیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا، حضرت مجدد نے اپنی نظر عنایت ان صاجزادے کے حال پر مبذول فرمائی۔(تذکرہ خواجہ باقی باللہ:۱۰۹)

جب قلعۂ اجین (گوالیار) کی محبوسی کے بعد حضرت مجدد صاحب لشکر سلطان وقت (جہانگیر) کی قید رفاقت میں آگئے اور اس قید رفاقت سے بھی رہا ہونے کی خبر گرم تھی ، اس سلسلہ میں خواجہ حسام الدین احمد کو حضرت مجدد صاحبؒ نے چند کلمات بطور خوشخبری لکھے تھے،اس کے جواب میں خواجہ ابرارؒ نے جو اخلاص نامہ لکھا ہے؛اس کا اقتباس ذیل میں درج ہے:

اخلاص نامہ: ”عنایت نامہ جو ارسال فرمایا تھا؛اس کے مطالعہ سے خوش اور مشرف ہوا اور جو خوش خبری آزاد اور رہا ہونے کی تحریر فرمائی ہے؛ کیا کہوں کروں کہ اس کو پڑھ کر کس قدر مسرت میرے دل کو حاصل ہوئی،کیا اچھا ہو کہ

جناب عالی یہ نصب العین بنالیں کہ لشکر سے آنے کے بعد دہلی کو اپنے مستقل قیام سے نوازیں گے اور اس شہر کو اپنے وجود اقدس سے منور و معمور فرمائیں گے، اگر ایسا ہو تو زہے قسمت! آپ یہاں کے کاہلوں اور باز ماندوں کو کام پر لگادیں گے اور ایک مرتبہ پھر ''گرمیٔ ذوق'' اور ''چاشنی طلب'' کا دور دورہ ہو جائے گا، اور اس کے ذریعہ سے ''خوشبوہائے تازہ'' اور ''شگفتہائے بے اندازہ'' کا ظہور ہوگا، اللہ تعالیٰ جلد آپ کے دیدار فیض آثار سے محبوں کو شاداں فرمائے اور جس طرح کان رہائی کی خبر سن کر محظوظ ہوئے ہیں، آنکھیں بھی آپ کے دیدار سے فیضیاب ہوں اور اپنا حصہ پالیں، زیادہ کیا لکھوں، آپ کا سایہ دراز رہے'' (تذکرہ خواجہ باقی باللہ:۱۱۱)

مولانا کشمی لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے وصال کے بعد خواجہ حسام الدین احمدؒ نے میرے پاس جو تعزیتی مکتوب بھیجا ہے، اس سے بھی فرط اخلاص واضح ہوتا ہے، اس مکتوب کے چند جملے یہ ہیں:

''ولایت دستگاہ حضرت مخدومی علیہ الرحمہ کے انتقال سے صرف مخلصین وخدام کو ہی صدمہ نہیں پہونچا؛ بلکہ جو شخص اسلام سے کچھ بھی حصہ رکھتا ہے، وہ اس حادثۂ جگر سوز سے ملول واندوہ گیں ہوئے بغیر نہیں رہے گا، آں عزیز کو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہئے کہ تم کو حضرت مخدومیؒ کے برکات وکمالات سے فیض حاصل کرنے کا موقع مل گیا'' (تذکرہ خواجہ باقی باللہ:۱۱۲)

ف: سبحان اللہ! حضرت خواجہ حسام الدین نے اپنے پیر بھائی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حق میں کیسے مخلصانہ کلمات تحریر فرمائے اور کیسے نیاز مندانہ انداز میں دہلی میں قیام کی درخواست فرمائی مگر آج کل تو یہ بات عنقاء ہی ہے، اب تو مریدوں

بلکہ سالہاسال کے شاگردوں سے بھی ایسے کلمات کا صدور اور ایسے آداب کا ظہور ناممکن ہی جیسا ہے۔ ع بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

نیز تعزیتی مکتوب کے الفاظ بھی نہایت اخلاص اور اعتراف کمال پر دال ہیں جو ہم سب کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، مگر اب تو اس کے برعکس حال زار ہے۔(مرتب)

امراء کی بے توجہی فقراء کی محافظ ہے: مولانا کشمیؒ لکھتے ہیں کہ میں ایک دن ان کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے امراء واغنیاء زمانہ کی شکایت شروع کردی کہ یہ لوگ فقراء سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور اس گروہ کی ایسی ئت نہیں کرتے جیسا کہ زمانہ صادق میں امراء ان کی ئت کیا کرتے تھے، خواجہ حسام الدین احمدؒ نے فرمایا کہ اے برادر! اس بات کو حکمت الٰہی پر محمول کرو، اس زمانہ کے فقراء کے حق میں یہ بہت ہی اچھی بات ہے کہ امراء ان کی طرف متوجہ نہیں ہیں، پہلے زمانہ کے فقراء بھی اور طرح کے ہوتے تھے، ان کو دنیا اور اہل دنیا سے اس قدر اجتناب ہوتا تھا کہ اغنیاء جس قدر تعلقات ان سے بڑھانا چاہتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے، وہ اتنا ہی ان کی صحبت سے بچتے تھے؛ لیکن ہمارے زمانہ کے فقراء میں اکثر ایسے ہیں کہ اگر امراء ان کی طرف مائل ہوں اور راہ مخالطت کھولدیں تو ان درویشوں کی وضع میں اور معمولات میں فتور واقع ہوجائے گا، پس اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس زمانہ کی امراء کی عقیدت کی کمی اور تندخوئی کو فقراء کا محافظ بنادیا ہے، ورنہ بہت سے فقراء زمانہ امراء کی مخالطت سے اپنے مسلک پر بھی قائم نہ رہتے۔(تذکرہ:۱۱۳)

ف: سبحان اللہ! کتنی حکمت اور معرفت کی بات فرمائی اور یہ بالکل حق اور حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھ دے کہ ہم ان باتوں کو سمجھیں اور عمل کریں، اور اپنے دین وایمان کو محفوظ رکھیں۔جب مجدد صاحبؒ کے زمانہ میں امراء کی عقیدت میں فقراء کے بگڑنے کا احتمال تھا تو اب نہ پوچھئے کیا سے کیا ہو جائے، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔اعاذنا اللہ تعالیٰ (مرتب)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مفید مکتوب بنام خواجہ حسام الدینؒ

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ مجھ کو جو مکتوب شریف، شیخ مصطفیٰ کے ہاتھ تعزیت کے سلسلے میں ارسال فرمایا تھا اس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ہم سب اسی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یہ مصیبتیں بظاہر زخم معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں باعث ترقیات اور مرہم ہوتی ہیں۔ ان مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو نتائج وثمرات اس دنیا میں مرتب ہوئے ہیں وہ ان نتائج وثمرات کا سواں حصہ (۱۰۰) ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آخرت میں امید وتوقع ہے۔اولاد کا وجود مستقل طور پر رحمت ہے ان کی حیات میں بھی منافع وفوائد ہیں اور ان کی موت پر بھی ثمرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں۔

امام محی السنہ حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں تین دن طاعون واقع ہوا اس میں ۸۳ لڑکے حضرت انس کے جو کہ خادم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔فوت ہوئے۔اور چالیس لڑکے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے فوت ہوئے۔جب کہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے

ساتھ یہ معاملہ ہوا تو ہم جیسے عاصی کس شمار میں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ طاعون سابق امتوں کے حق میں عذاب ہوتا تھا اور امت محمدیہ کے لئے شہادت ہے۔ حق یہ ہے کہ جو لوگ اس وبا میں مرتے ہیں متوجہ بحق ہو کر مرتے ہیں، حرص ہوتی ہے کہ کوئی اس زمانے میں ان وباء میں مرنے والوں میں ملحق ہو جائے اور اپنا سامان سفر دنیا سے آخرت کی طرف جانے کے لئے باندھ لے۔ یہ وباء اس امت کے لئے ظاہر میں غضب ہے لیکن حقیقت و باطن میں رحمت ہے۔

میاں شیخ طاہر لاہوریؒ بیان کرتے تھے کہ لاہور کے اندر طاعون کے زمانے میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ (ملائکہ) کہہ رہے ہیں کہ جوان ایام میں نہ مرے گا حسرت کرے گا۔

جس وقت نظر ان گزرنے والوں پر ڈالی جاتی ہے عجیب احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدے میں آتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہونے والے انھیں خصائص کے ساتھ ممتاز ہوں گے۔

مخدوما! فرزند عزیز قدس سرہ (خواجہ محمد صادق) کی مفارقت مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ (فی زماننا) کوئی اس جیسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہو۔ مگر صبر و شکر جو اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو عنایت فرما دیا ہے وہ بھی ایک بڑی نعمت ہے اور بڑا انعام ہے۔

حضرت حق جل مجدہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مصیبت کی جزا آخرت کے لئے مہیا رکھے۔ دنیا میں اس کی کچھ بھی جزا ظاہر نہ ہو۔ ہر چند یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سوال و درخواست اپنی تنگیٔ سینہ کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو بڑا واسع

الرحمۃ ہے۔(کہ دنیا وآخرت دونوں جگہ کی جزا عطا کرے گا)فللہ الأخرۃ والاولیٰ(تجلیات ربانی:ص ر۱۳ ج ر۲)

وفات: آپ آگرہ میں یکم ماہ صفر المظفر ۱۰۴۲ھ[1] کو اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف سدھار گئے، کچھ مدت کے بعد ان کی تابوت کو دہلی میں لاکر خواجہ بزرگ باقی باللہؒ کے جوار میں دفن کیا گیا۔رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ:ص ر۱۰۳)

(۱)تعجب ہے کہ آپ کی قبر کے سرہانے پتھر پر ۱۰۱۴ھ سال وفات کندہ ہے جو قطعاً غلط ہے صحیح ۱۰۴۲ھ ہی ہے۔(حاشیہ تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ:ص ر۱۰۳)

حضرت شیخ محمد میر قادری لاہوریؒ المتوفی ۱۰۴۵ھ

نام ونسب: نام محمد میر، عرف میاں میر بالا پیر، والد کا نام قاضی سائندہ، والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ بنت قاضی قارن فاروقی النسل ہیں۔

ولادت: ۹۵۷ھ میں سیستان میں ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت: والدہ ماجدہ (حضرت فاطمہ) سلسلۂ قادریہ میں مراتب طریقت کی تکمیل کر چکی تھیں۔ صاحب نسبت تھیں۔ شیخ محمد میر ساتواں سال پورا کررہے تھے کہ والد ماجد نے دور زندگی ختم کر دیا۔ والدہ محترمہ نے جسمانی اورروحانی تربیت کی۔ اسی کی برکت تھی کہ بارہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کرلی، اورسلوک طریقت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔

جاذبہ عشق حقیقی نے صحرانوردی کی دعوت دی۔ والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل کر کے "کوہ سیوستان" پر حضرت شیخ خضر قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خرقۂ خلافت حاصل کر کے حضرت شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں ارشاد خلق اللہ کے لئے لاہور روانہ ہو گئے۔

عمر مبارک اس وقت ۲۸ ر سال تھی۔ ۹۸۵ھ کا دور اکبر بادشاہ کا عہد حکومت تھا۔ لاہور پہنچ کر زہد وریاضت میں مصروف ہو گئے۔

آپ کے علم وفضل اور آپ کے زہد وتقدیس کی وجہ سے ہر وقت آپ کے پاس علماء، فضلاء اور صوفی منش بزرگوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔

حضرت ملا شاہ بدخشانیؒ، ملا خواجہ بہاریؒ اور میاں لاہوریؒ آپ کے مریدوں اور شاگردوں میں ممتاز تھے۔

آپ کی قدر ومنزلت سلاطین کی نظر میں: داراشکوہ جو ملا شاہ بدخشانیؒ کا مرید تھا، آپ کا بہت زیادہ ادب کرتا تھا۔ اس کی ایک خوردسال بہن آپ کو وضو کرایا کرتی تھی۔ جہانگیر اور شاہجہاں نے آپ سے ملاقاتیں کی ہیں۔ جہانگیر نے اپنی تزک اور ملا عبدالحمید لاہوری نے اپنے شاہجہاں نامہ میں اکثر جگہ حضرت میاں میر کا ذکر کیا ہے۔ جہانگیر ایک جگہ لکھتا ہے:

شیخ محمد میر لاہوری عُرف میاں میرؒ سے ان کے علم وفضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی۔ لیکن میں اس زمانہ میں آگرہ میں تھا اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے اپنی حکومت کے چودھویں سال ان کو آگرہ آنے کی دعوت دی جسے انھوں نے نہایت مہربانی سے منظور کرلیا۔

مکارم اخلاق: جہانگیر حضرت میاں میر سے ملاقات کے بعد ان کے اخلاق اور ان کی وسیع معلومات کی تعریف کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ ”روحانی پاکیزگی اور صفاءِ قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانہ میں لاثانی ہیں۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا اور وہ مجھے دینی ودنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ میں ان کو نقد روپیہ بطور نذر پیش کروں۔ چونکہ ایسی چیزوں کی انہیں خواہش نہ تھی، اس لئے مجھے جرأت نہ ہوسکی۔ آخر میں نے نماز پڑھنے کے لئے سفید ہرن کے چمڑے کا مصلی آپ کی خدمت میں پیش کیا، اور

آپ نے قبول فرمالیا۔ پھر تھوڑے دنوں بعد آپ لاہور چلے گئے۔

شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ حضرت میاں میر ایک مقدس بزرگ ہیں، جہاں دیدہ، کارآزمودہ، نہایت کم گو۔ ایک مرتبہ شاہجہاں بادشاہ لاہور آ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ میاں صاحب نذر ونیاز منظور نہیں کرتے۔ اس لئے ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار میاں صاحب کی خدمت میں پیش کی، اور بے شمار دعائیں حاصل کیں۔

استغناء: داراشکوہ سکینۃ الاولیاء میں جہانگیر اور حضرت میاں میر کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھتا ہے۔ حضرت میاں میر کی باتوں سے جہانگیر اتنا متأثر ہوا کہ تخت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ شاہان عالم اللہ کی طرف سے مخلوق کی حفاظت کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔ اگر تم تخت چھوڑ دو گے تو اللہ کے ان احکام کی تعمیل سے قاصر سمجھے جاؤ گے جن کی ادائیگی ایک بادشاہ کی حیثیت سے تم پر واجب وفرض ہے۔ بادشاہ شیخ کے کلام سے خوش ہوا۔ اور کہنے لگا اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے۔ میں اس کی تعمیل اپنی سعادت سمجھوں گا۔ شیخ نے فرمایا۔ ایک چیز کی درخواست ہے اگر منظور ہو، اور وہ یہ کہ مجھے دوبارہ حاضری کی تکلیف نہ دی جائے۔

ف: سبحان اللہ! کیسی قناعت واستغناء عن الخلق تھا، جو ہم سب کے لئے قابل اقتداء ہے۔ (مرتب)

بادشاہ نے ان سے خط وکتابت جاری رکھی اور اپنے دستخط خاص سے ان کی خدمت میں رُقعے لکھتا رہا۔ چنانچہ وہ خطوط داراشکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں نقل کیا

ہے۔(علمائے ہند کا شاندار ماضی)

فضل وکمال: تحصیل علم کے لئے سفر کیا اور مفتی عبدالسلام لاہوری کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی پڑھا اور شیخ خضر سیوستانی سے علم طریقت حاصل کیا۔ پھر ان کے اشارہ سے ہی صرف پچیس برس کی عمر میں لاہور چلے گئے، وہاں کنارہ کش ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یاد میں چالیس برس تک مسلسل لگے رہے یہاں تک کہ آپ پر حقائق ومعارف کے دروازے کھل گئے اور علماء راسخین میں شمار کئے جانے لگے، اس وقت تمام حضرات آپ کی بزرگی کی طرف ٹوٹ پڑے اور بادشاہ وامراء سب آپ کے سامنے جھکنے لگے۔ آپ لوگوں کی طرف سے دیئے ہوئے نذر وفتوحات سے صرف کھانے اور کپڑے بہت ضروری مقدار میں قبول کرتے، کنارہ کشی اور گوشہ نشینی پسند کرتے۔ صالح محمد نے "عمل صالح" میں کہا ہے کہ یہ بڑے عالم، عارف، معارف الٰہیہ کے ماہر اور "فتوحات مکیہ" "فصوص الحکم" اور اس کی شرح معارف جامی کی عبارتیں زبانی پڑھا کرتے اور مشکل عبارتوں کو حل کیا کرتے۔ تحقیق مسائل میں لوگ ان سے ہی رجوع کرتے تھے، مستقل طور پر ساٹھ برس تک فیض جاری رکھتے ہوئے لاہور میں قیام کیا، جس وقت یہ کشمیر سے واپس آرہے تھے اس وقت شاہ جہاں بن جہانگیر سلطان الہند نے ان سے ملاقات کی اور ان کے فضل اور کمال سے بہت متأثر ہوئے۔ انتہیٰ

ارشادات

ان کے مفید اقوال سے یہ ہے کہ زاہد اسی کو کہتے ہیں جو کوئی مراد نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ اگر جنبی نے اپنے جسم سے ایک بال بھی اس طرح سوکھا ہوا چھوڑا کہ وہ تر نہ

ہوا ہو اس کی جنابت باقی رہ جاتی ہے اور اسے طاہر نہیں کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر دل میں کسی طرح کا بھی کوئی خطرہ باقی رہ گیا ہو وہ پہلے کی طرح رہے گا اس میں زہد اور تجرید کی صفت باقی نہیں رہے گی۔

وہ اکثر یہ شعر پڑھتے رہتے تھے ؎

شرط اول در طریق معرفت دانی کہ چیست　　ترک کردن ہر دو عالم را و پشت پا زدن

یعنی تمہیں یہ معلوم ہے کہ معرفت کے طریقہ میں پہلی شرط کیا ہے، دو عالم کو بالکل چھوڑ دینا اور پیر سے اسے کچل دینا ہے۔

وفات: ۴۵۰ھ کے ماہ ربیع الاول کی ساتویں تاریخ کو انتقال کیا اور آپ کی قبر لاہور (پاکستان) میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ

(ترجمہ نزہۃ الخواطر ج؍۵ ص؍۵۱۱)

حضرت خواجہ (۱) سید محمد ہاشم کشمی ؒ المتوفی ۱۰۵۴ھ

نام ونسب وولادت: نام محمد ہاشم، والد کا نام خواجہ میر قاسم عُرف خواجہ کاظم ہے، آپ صحیح النسب سادات کرام اور اکابر وقت میں سے تھے، وہ جید عالم دین اور درویش باصفاۃ تھے۔آپ کی ولادت بدخشاں علاقے کے شہر کشم میں ۹۸۹ھ میں ہوئی۔

تعارف: حضرت مجدد الف ثانی ؒ قدس سرہ کے تمام خلفاء و مریدین میں خواجہ سید محمد ہاشم کشمی ؒ نقشبندی مجددی امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے مکتوبات میں یارِ ثالث فرمایا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ ہر دو مخدوم زادگانِ بزرگوار یعنی خواجہ محمد سعید اور قیوم ثانی حضرت خواجہ معصوم قدس سرہما کے بعد ان کا درجہ ہے، وہ حضرت امام ربانی ؒ کی محفل کے "میر تزک" بھی تھے۔

تعلیم وتربیت: خواجہ ہاشم نے اپنے آبائی وطن کشم میں نشوونما پائی، ابتداء میں کلام پاک پڑھا، پھر عربی، فارسی علوم کی تکمیل کی، قدرت کی طرف سے ذہن رسا پایا تھا، جلد ہی علوم ظاہری کی تکمیل کرلی، ظاہری تعلیم سے فراغت کے بعد علوم باطنی کی تحصیل وتحقیق کے لئے مختلف مقامات پر اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر

---

(۱) حضرت کشمی ؒ کی سوانح ڈاکٹر فرید برہان پوری کی ہمشیرہ حسینہ بیگم نے مفصل تحریر کی ہے اسی کو سامنے رکھ کر یہ مجموعہ مرتب کیا جارہا ہے۔(مرتب)

ہوئے۔خواجہ کے آباء واجداد سلسلہ عالیہ سہروردیہ کبرویہ کے خلفاء سے تھے،زمانۂ طفولیت میں خواجہ نے اس خانوادہ کے بزرگوں اور درویشوں کی زیارت کی ہے، لیکن عنفوانِ شباب میں ان کی طبیعت اور فطرت کو خواجگانِ نقشبندیہ کی طرف خاص رغبت ہوگئی تھی۔ دم بہ دم آمادۂ سفر ہند ہوتے اور پھر کسی وجہ سے ارادہ ملتوی کردیتے،اکثر اوقات غلبۂ اشتیاق میں ان کی زبان سے یہ کلمات نکلتے، ہاں برمرکب زین کہ مرابہ ہندوستان باید شد (گھوڑے پر زین رکھیں مجھے ہندوستان جانا چاہئے) ایک دفعہ جذبۂ عشقِ حقیقی غالب آیا اور کسی تقریب سے ناچار ہندوستان آگئے،یہ واقعہ سنہ ۱۰۲۹ھ کا ہے۔

زبدۃ المقامات کے دیباچہ میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ ہندوستان کے کس مقام پر آئے،قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ لاہور آئے جہاں عبدالمومن لاہوری کی خدمت میں مشکوٰۃ شریف اور مطول کا کچھ حصہ پڑھا،اس کے بعد پھر آپ برہان پور گئے۔

قیام ہند کے ایک سال بعد کا واقعہ ہے کہ ایک شب کسی مجلس میں اولیاء اللہ کا ذکر ہورہا تھا،خواجہ موصوف کے دل پر ان کے حالات عجیبہ کا اثر ہوا،اور خیال پیدا ہوا کہ زمانہ اس قسم کے اعاظم رجال (بڑے مردانِ خدا) سے خالی ہے،اور اگر ایسے نفوس ہیں تو نااہلوں کے دیدۂ ادراک[1] سے مستور ہیں،اسی شب خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر ایک جماعت کے درمیان ایک صاحب صدق وصفا

---

(۱) اسی کو کسی نے کہا ہے

نظر در دیدہا ناقص فتادست وگرنہ یارمن از کس نہاں نیست

بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو وہاں بھیجا گیا ان بزرگ نے ان کو سورۂ اذا جاء نصر اللہ آخر تک پڑھائی۔ بیداری کے بعد سورہ کے مضمون، سبب نزول اور ہیئت سے توبہ واستغفار میں مشغول ہوگئے، اس خواب کے ایک ماہ بعد سے کم عرصہ میں برہان پور پہونچے، وہاں طریقۂ نقشبندیہ کی مسند رشد وہدایت پر میر نعمانؒ متمکن تھے ان کی زیارت اور شرف ملاقات سے مشرف ہوئے۔ اور ان کی خدمت میں مراقبہ وغیرہ سیکھا۔ ۱۰۳۱؁ھ میں حضرت مجدد صاحبؒ نے سرہند بلایا۔ خواجہ ہاشمؒ حضرت مجدد کے محرم راز اور خاص ہم نشینوں میں سے ہوگئے، مختصر مدت میں حضرت مجدد کی توجہ اور قوت تصرف کی برکت سے احوال باطنی، مقاماتِ معنوی، حالات عجیبہ اور کمالات غریبہ حاصل کر لئے، یکم رجب ۱۰۳۱؁ھ کو حدیث مسلسل کی اجازت عطا کی گئی، دو سال ۱۰۳۳؁ھ تک خلوت وجلوت میں حضرت مجددؒ کے فوائد، اسرار ومعارف سے فیضیاب ہوتے رہے۔

کچھ عرصہ کے بعد ۱۰۳۳؁ھ جمادی الآخر کے آخر ایام یا شعبان کی ابتدائی تاریخوں میں حضرت مجددؒ کی اجازت سے برہانپور روانہ ہوئے۔ سات ماہ بعد ۲۸ / صفر ۱۰۳۴؁ھ کو حضرت مجددؒ کا وصال ہوگیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

خواجہ ہاشمؒ نے محنت اور توجہ سے سلسلۂ مجددیہ کی خدمت کی، اس سلسلہ کو وہ زبردست فروغ حاصل ہوا کہ دیگر سلاسل اس کے سامنے ماند پڑ گئے، اس کامیابی میں حضرت مجددؒ کی دعا اور پیشین گوئی کا بھی حصہ ہے۔ جس کا اشارہ آپ نے خواجہ موصوف کے نام ایک خط میں کر دیا تھا کہ آپکے خط کے مطالعہ کے وقت آپ کی نورانیت گرد ونواح میں بہت پھیلی ہوئی نظر آئی۔

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ بدعات نا مرضیہ سے پرہیز و اجتناب اور اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مواظبت کی تعلیم دیتا ہے، یہ طریقہ سنت مصطفویہ سے منضبط اور ماخوذ ہے، اس طریقہ میں نہ کوئی امتیازی لباس ہے، نہ ذکر بالجہر، نہ مزامیر نہ سماع، یہ طریقہ نہ قبور پر آئیں وروشنی کی اجازت دیتا ہے، نہ پیروں کی قدم بوسی اور سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیتا ہے، ان تمام بدعات اور رسومات سے دور ہے جو دوسرے سلاسل میں رواج پاگئی ہیں، اور شریعت کے اصول اور قوانین کے خلاف ہیں۔

وہ دور کذب و فساد کا دور تھا، عوام میں بدعات پھیل چکی تھیں، خانقاہوں میں تصوف کا صالح جوہر نہ تھا، شریعت سے عوام و خواص بیگانۂ محض تھے، علماء سو اور مشائخ بدخو بدعات کی اشاعت میں مصروف تھے، ان حالات میں طریقۂ مجددیہ کی ترویج و اشاعت بڑا مشکل کام تھا۔

جب خواجہ ہاشم برہانپور آئے تو یہی صورتِ حال تھی، شروع میں کام کرتے ہوئے ہچکچائے مگر کام میں خلوص تھا، قیوم اول و ثانی (سعید و معصوم) کی توجہات شامل حال تھیں، کچھ زیادہ عرصہ گذرا کہ سلسلہ کو زبردست فروغ حاصل ہوا۔ علماء فضلاء اور امراء پروانہ وار اس شمع ہدایت کے گرد جمع ہو گئے، جب مجلس منعقد ہوتی تو ہزاروں معتقدین حلقہ بگوش، دل سے پند و نصائح کو سنتے اور عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب مبارک مجلس علم و حلقہ ذکر و فکر تھا، اللہ اس دور میں ایسی مجالس و حلقوں کے انعقاد و قیام کی صورت بہم پہنچائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

علم وفضل: خواجہ ہاشمؒ عالم متبحر اور عارف کامل تھے، فضائل صوری ومعنوی سے متصف تھے، خوش آواز اور شیریں کلام تھے، صائم الدہر وقائم اللیل تھے، نیک خُلق اور متواضع تھے، صبر وایثار ان کا شعار تھا، نذر وہدیہ قبول نہ کرتے تھے، بالکل مستغنی اور بے نیاز تھے، خاموش خلق خدا کی خدمت میں مصروف رہتے، کردار پاک وبلند تھا، عظمت کردار کی وجہ سے ان کی تعلیمات، اصلاحات اور نقشبندیہ طریقہ کا عوام وخواص پر گہرا اثر پڑا، تقریر وتحریر سے سامعین کے دلوں میں سوز وگداز پیدا ہوتا تھا، جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا سراپا حال وذوق ہوتا۔ ان کی زندگی قناعت اور روحانیت کا ایک مثالی نمونہ تھی، حضرت مجددؒ نے ان کے علم وفضل اور سخن فہمی کی تعریف کرتے ہوئے ان کے وجود کو مغتنم قرار دیا اور یار ثالث کے خطاب سے نوازا، مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا کہ:۔

''ہر روز تازہ واقعات اور حالات مسودہ اور بیاض میں لکھے جاتے ہیں، لیکن کوئی نہیں جو ان کا ادراک کرسکے، اور ان سے حظ اٹھائے، خواجہ محمد ہاشمؒ کا وجود غنیمت ہے۔ جو سخن فہمی کا ذوق رکھتا ہے، اور کچھ نہ کچھ لذت حاصل کرتا ہے''۔

اولاد وامجاد: صاحب تاریخ برہانپور نے لکھا ہے کہ ان کی اولاد میں دو صاجنزادے (۱) خواجہ محمد قاسم (۲) خواجہ محمد کاظم اور ایک صاجنزادی صفیہ خاتون کا ذکر ملتا ہے۔ صفیہ خاتون کا سترہ سال کی عمر میں انتقال ہو چکا تھا۔

خواجہ محمد کاظم کے نام مکتوبات (خواجہ محمد معصوم سرہندی) میں ایک مکتوب ہے۔ جو خواجہ محمد ہاشمؒ کی تعزیت کرتے ہوئے لکھا گیا، اس میں اللہ کی رضا جوئی اور صبر وسکون کی تلقین فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالی کے فضل پر راضی وشاداں اور جادۂ شریعت پر ثابت قدم رہیں۔اپنے والد کے اوضاع پسندیدہ کو ہاتھ سے نہ دیں،اپنی والدہ نیز تمام اہل حقوق کی رضاجوئی میں کوشش کریں۔موسم جوانی کو غنیمت جانیں اور اپنی پوری کوشش مرضی حق تعالی کے حاصل کرنے میں صرف کردیں،خواجہ محمد قاسم ۱ئمہ تک برہانپور میں رہے۔ایک دستاویز پر ان کی تحریر ملتی ہے،”فقیر محمد قاسم بن خواجہ محمد ہاشم مرحوم بتاریخ ۷ ارذی قعدہ سنہ ۱۰۶۹ھ“ خلفاء میں صرف عبداللطیف عصاری کا ذکر ملتا ہے،حالیہ مزار شریف کے بائیں ان کا مزار ہے۔

آپ کے آثار ونقوش: خواجہ ہاشمؒ کشمی کو علوم باطنی کے علاوہ ادبی اور فارسی علم وادب اور تاریخ اور سیر پر عبور حاصل تھا،ان کی تصانیف ان کے تبحر علمی اور دقت نظری کی شاہد ہیں،خواجہ صاحب کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:۔

(۱) **زبدۃ المقامات:** نقشبندی طریق کے بزرگوں کے حالات پر مشتمل خواجہ موصوف کا نثری شاہکار ہے۔

(۲) **کلیات:** ایک ضخیم کلیات موصوف کی یادگار ہے،اس میں غزلوں کے علاوہ قصیدے،مثنویات،رباعیات اور تاریخی قطعات وغیرہ ہیں،فصیح وبلیغ کلام تصوف کے اسرار ورموز اور غوامض سے لبریز ہے،باطنی کیفیات سے معمور اور سوز وگداز کا حامل ہے۔

(۳) **معارف الحقائق:** آپ نے حضرت مجددؒ کے مکتوبات کی تیسری جلد معارف الحقائق کے نام سے سنہ ۱۰۳۲ھ میں ترتیب دی۔

(احوال وآثار حضرت خواجہ ہاشم کشمیؒ)

حضرت مجدد الف ثانی ؒ کا ایک بصیرت افروز مکتوب بنام خواجہ ہاشم کشمی ؒ

مکتوب: اس جگہ کے بعض دوستوں نے کئی بار مجھ کو لکھا کہ میر محمد نعمان اس زمانے میں طالبین کے احوال کی طرف کم توجہ کرتے ہیں اور تعمیرات میں مشغول رہتے ہیں۔ جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ عمارت میں صرف ہوتی ہے، فقراء محروم رہتے ہیں۔ انھوں نے یہ باتیں مجھے کچھ اس طور پر لکھی تھیں جس سے شائبہ اعتراض مفہوم ہوتا تھا اور بوئے انکار آتی تھی۔ تو حضرت مجدد صاحب ؒ اس کے جواب میں یوں ارقام فرمارہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ بزرگوں کے افعال واقوال پر نکتہ چینی اور اعتراض کرنا وہ زہر قاتل ہے کہ موت ابدی تک پہنچاتا ہے اور دائمی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اعتراض جب خود اپنے پیرومرشد پر ہو اور اس کی ایذاء کا سبب بن جائے۔ صوفیاء کا منکر ان کی دولت سے محروم اور ان پر اعتراض کرنے والا ہمہ وقت بے بہرہ زیاں کار رہتا ہے۔ جب تک کہ پیرومرشد کے تمام حرکات وسکنات، مرید کی نظر میں مستحسن وزیبانہ معلوم ہوں گے وہ کمالات پیر سے بہرہ ور نہ ہوگا، اور اگر کچھ مل بھی جائے تو وہ استدراج ہوگا جس کا انجام خرابی ورسوائی ہے۔

مرید باوجود کمال محبت واخلاص اگر اپنے پیرومرشد پر بال برابر بھی گنجائش اعتراض رکھتا ہے تو سوائے خرابی کے کچھ نہیں دیکھتا اور کمالات مرشد سے بے نصیب رہتا ہے۔ اگر مرید کو کبھی اپنے پیر کے کسی فعل پر کوئی شبہ ہو اور وہ (خود) دفع نہ ہوتا ہو تو چاہئے کہ اس کو اپنے پیر سے اس طرح معلوم کرے کہ اعتراض کا شبہ

اور انکار کا گمان نہ ہو سکے۔

اگر کبھی پیر سے کوئی امر (بظاہر) خلاف شریعت ظاہر ہو تو مرید کو چاہئے کہ اس میں اس کی اتباع نہ کرے اور حتی الامکان حسن ظن کے ساتھ اس کا صحیح منشا اور وجہ صحت تلاش کرے، اگر وجہ صحت نہ معلوم ہو سکے تو اللہ تعالیٰ سے اس امتحان وآزمائش کو دور کرنے کے لئے التجا وتضرع کرے اور گریہ وزاری کے ساتھ سلامتی پیر ومرشد کا خواہاں ہو۔ اور اگر مرید کو پیر ومرشد کے بارے میں کسی امر مباح کے کرنے میں شبہ ہو تو اس شبہ کا کوئی اعتبار نہ کرے۔ جب کہ حق تعالیٰ نے مباح کام کرنے سے منع نہیں فرمایا تو پھر کسی کو اس کام پر اعتراض کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔

(تجلیات ربانی: ص/۲۵۱)

وفات: تقریباً بارہ سال تک برہانپور میں رشد وہدایت کی مسند پر متمکن رہے۔ توکل اور قناعت ان کا شیوہ اور صبر وایثار ان کا شعار رہا۔ حضرت مجددؒ کے وصال کے بعد اس مدت میں قیوم ثانی کے فیض سے مستفیض ہوتے رہے، اور زبدۃ المقامات کی تالیف میں ہمہ تن مصروف رہے۔ تین روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۰۴۵ھ میں وفات پائی۔ عیدگاہ کے مشرق میں کچھ فاصلہ پر پانڈارول (نالہ) سے کسی قدر دور مغرب کی جانب سپرد خاک کئے گئے۔

منتقلیٔ مزار: خواجہ ہاشمؒ کی وفات ۱۰۴۵ھ کے بعد ۱۲۷۲ھ میں مزار سے آپ کے جسد خاکی کی منتقلی کا واقعہ عمل میں آیا۔ اس وقت آپ کی نعش بالکل تازہ معلوم ہوتی تھی، جسم یا کفن میں کسی قسم کی بوسیدگی یا شکستگی کے آثار نہیں پائے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا مقام تدفین ئصہ تک زیارت گاہِ خاص وعام رہا ۔ پانڈروال (نالے) کی طغیانی کی وجہ سے مقام تبدیل کردیا گیا ،اب مزار پانڈروال (نالے) کے دوسرے کنارے پرسوبھاش ہائی اسکول کے عقب میں ، ایک وسیع میدان میں حضرت مجددؒ کے یارِ ثالث کا مزار ہے۔جس پر نہ گنبد ہے نہ سایہ اور نہ احاطہ۔(فی الحال مزارشریف پر یہ واقعہ سید میر برہانپوری نے ۱۳۴۸ھ میں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں مزارمبارک پر بیان کئے۔ اس وقت سید میر صاحب کی عمر تقریبا۱۴ ربرس تھی،محمد اسلم ۱۳۲۰ھ پیش امام دارالشفاء(برہانپور) نے اپنے فرزند محمد سلیم کو تمام واقعات بتلائے تھے،ان کی زبانی منشی ہلالی اور استاذی اختر محمد خاں رامپوری (مرحوم) مصنف جواہر ہاشمیہ نے واقعات سنے۔ اس واقعہ سے خواجہ ہاشمؒ کی ایک کرامت جلیلہ ظاہر ہوتی ہے،اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاصانِ خدا کے ساتھ کیسے راز ونیاز ہوتے ہیں،نالہ کے بہاؤ کارخ دوبارہ بدل گیا ہے،اب مزار پھر کنارے پر آگیا ہے۔رحمہ اللہ وحفظہ۔

(احوال وآثار حضرت خواجہ ہاشم کشمیؒ:ص ر ۲۴)

حضرت ایزان عالم شیخ صدیقی سمرقندیؒ المتوفی ۱۰۴۵ھ

نام ونسب: آپ کا نام ایزان عالم، دادا کا نام ایزان مومن شیخ، ایزان خطاب ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت علی آباد علاقہ سمرقند ہے۔

تعلیم وتربیت: والد ماجد آپ کی تربیت و پرورش کی طرف متوجہ ہوئے، جب آپ چار سال کے ہوئے اس وقت تسمیہ خوانی کی رسم ادا ہوئی۔ آپ زمانہ طفلگی ہی سے ہونہار معلوم ہوتے تھے، نہایت ذکی وفہیم تھے، والد ماجد نے تعلیم شروع کی، بارہ سال کی عمر تک والد ماجد ہی کی خدمت میں تعلیم پاتے رہے، قرآن شریف ومختصرات کتب درسیہ سے فارغ ہوئے۔ خود اپنی تالیف روضات الجنات میں لکھتے ہیں کہ مجھے تحصیل علم وتکمیل فنون کا بیحد شوق تھا۔ حسب اجازت والد ماجد اولاً سمرقند آئے، پھر سمرقند سے ہرات وکابل آئے، ملا صادق محشی شرح ملا کی خدمت میں چند مدت رہے۔

حجۃ الذاکرین سے معلوم ہوا کہ ہرات وکابل سے بغرض تکمیل وتحصیل بخارا تشریف فرما ہوئے، چند مدت بخارا کے علماء کی خدمت میں مستفید ہو کر فاضل کامل ہوئے۔ بادشاہ کی جانب سے "ایزان" خطاب ملا۔ پھر آپ علم تصوف وتعرف کی طرف متوجہ ہوئے، ارباب حقائق ومعارف کی خدمت میں فیضیاب ہوئے، بزرگان کامل ومرشدان واصل کی توجہ سے درجہ کمال کو پہنچے۔ (محبوب التواریخ: ص/۱۹)

درس وتدریس: پھر آپ بخارا سے وطن مالوف آئے، اور درس وتدریس، ہدایت وارشادخلائق میں مصروف ہوئے، وظائف سے فارغ ہوکراولاً کتب درسیہ کو نصف النہار تک پڑھاتے تھے۔نماز ظہر کے بعدشائقین کوتصوف وتعرف کے مسائل اور نکات سکھلاتے تھے۔فصوص الحکم وفتوحات مکیہ ومعارف اورا ئف المعارف وغیرہ رسائل تصوف آپ کے حلقۂ درس میں ہوتی تھیں۔آپ وحدت الوجود کے مسائل نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے تھے،شائقین ومریدین سن کے محظوظ ہوتے تھے۔بعض پرآپ کی تقریرکاوہ اثر ہوتا تھا کہ حالت وجد میں مست وبیخود ہوجاتے تھے۔

آپ کی مجلس کا حال: آپ کی مجلس درس نہایت ادب وعظمت کے ساتھ ہوتی تھی،تمام شائقین عالم سکوت میں آپ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ہرایک کے دل میں آپ کی تقریر کا نقشہ کھنچ جاتا تھا،مجلس میں کوئی دنیاومافیہا کے متعلق ذکر نہیں کرتا تھا۔مجلس کی شان نورٌ علی نور تھی،مجلس کے صدرنشین آپ گویا چودہویں رات کے چاند تھے،شائقین آپ کے اطراف میں گویا نجوم باہرہ یعنی چمکتے ہوئے ستارے تھے، آپ مثنوی شریف کے مطالب بھی شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے تھے،مثنوی کی ہرایک بیت کوحدیث وتفسیر کے ساتھ مطابق کرتے تھے، آپ زبان ترکی وفارسی و ا ٔبی کے خوب ماہر تھے، ہرایک زبان میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ اہل زبان کی طرح تحریروتقریرآسانی سے ادا کرسکتے تھے۔

مشکوٰۃ شریف سے آپ کا شغف: حجۃ الذاکرین کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حدیث میں مشکوٰۃ شریف کو اکثر مطالعہ میں رکھتے تھے۔حدیث کے

مطالب کو تصوف کے رنگ میں بیان فرماتے تھے، اور حدیث کو تصوف کے مضامین سے مطابق کرتے تھے، جو مشکوٰۃ آپ کے مطالعہ میں تھی اس کے حواشی مضامین تصوف سے محشّیٰ کئے تھے، تابہ زندگی اس کتاب کو تعویذ کی طرح پیش نگاہ رکھتے تھے، آپ کے مریدین بیشمار تھے، ترکی وافغانی حضرات آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ بخارا وسمرقند وغیرہ وغیرہ ممالک کے بڑے لوگ آپ کے معتقد تھے۔

آپ کے اخلاق: آپ مکارم اخلاق و بردباری طبع وانکساری مزاج سے موصوف تھے۔ امیر وفقیر سے متواضعانہ ملتے تھے، آپ کے نزدیک امیر وفقیر مساوی الدرجہ تھے، کسی کو حقارت سے نہیں دیکھتے تھے، نہ کسی کو برائی سے یاد کرتے تھے۔ آپ جوانوں میں جوان اور بچوں میں بچے اور بوڑھوں میں بوڑھے معلوم ہوتے تھے۔ ہر ایک فریق کے ساتھ لطف ونرمی سے رہتے تھے، سخاوت وہمدردی آپ کی خمیر تھی، جو کچھ آمدنی ہوتی تھی فقراء و اُباء کے حوالے کردیتے تھے، خانقاہ میں لنگر خانہ تھا، روزانہ فقراء و اُباء کو طعام تقسیم ہوتا تھا، جو کچھ پاس ہوتا تھا ان کو دے دیتے تھے، جب کوئی اُیب نووارد خانقاہ میں بیمار ہوتا تھا آپ خود بیمار کی عیادت وتیمارداری کرتے تھے، ہرچند کہ مریدین آپ کو روکتے اور منع کرتے کہ حضرت ہم خدمت کے لئے موجود ہیں، آپ فرماتے کہ لوگ مجھ کو ثواب وجزا سے محروم کرتے ہیں۔ آپ بھی کریں میں بھی کرتا ہوں، روضات الجنات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ بھی بزرگان سلف کی طرح ہدایت وارشاد کے لئے ترکستان یعنی بخارا وبلخ وغیرہ بلاد میں دورہ فرماتے تھے، ترکستان کے شہر ودریا

کے باشندے جوق درجوق آپ کے استقبال کے لئے آتے تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! اخلاق نبویہ سے کس قدر تعلق تھا جو متبع سنت کے لئے لازم ہے، خاص طور سے علماء ومشائخ کو توان اخلاق واوراد سے متخلق ہونا ہی چاہئے ورنہ نیابت رسول اللہؐ سے کیسے مشرف ہو سکتے ہیں۔ و باللہ التوفیق۔ (مرتب)

آپ کے خلفاء: آپ کے متعدد خلفاء تھے، منجملہ خلفاء کے سید حسین شریف البخاری السمر قندی تھے۔ اکثر آپ کی ملازمت میں رہتے تھے، آپ کی فیضان صحبت سے مستفید ہوتے تھے، اسی خلیفہ نے حجۃ الذاکرین جو دو جلدوں پر شامل ہے تالیف کی ہے، ایک جلد میں آپ کے ملفوظات وارشادات وتشریحات نکات اور دوسری جلد میں آپ کے بزرگان سلف کے حالات لکھے، اور آپ کے دونوں فرزند خواجہ عابد المخاطب بہ قلیج خان وخواجہ بہاؤ الدین قاضی سمرقند خلافت واجازت سے مشرف تھے۔

وفات: آپ نے ۱۰۴۵ھ میں اس دار ناپائیدار سے فردوس بریں کی طرف رحلت کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خانقاہ انبیاء میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

اولاد: آپ کی اولاد صالحات سے دو فرزند ایک دختر تھی۔ خواجہ بہاؤ الدین۔ خواجہ عابد المخاطب قلیج خان بہادر۔ فاطمہ بیگم۔ (محبوب التواریخ: ج/۱ص/۱۹)

حضرت سید محمد مقبول عالم بخاری گجراتیؒ المتوفیٰ ۱۰۴۵ھ

نام ونسب: نام سید محمد مقبول عالم، والد کا نام سید جلال الدین عالمؒ ہے، سید نصر اللہؒ کے نواسے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۴/رجب المرجب ۹۸۹ھ میں ہوئی۔

تعلیم: آپ نے شعور وتمیز کے بعد درسی کتابیں اس وقت کے علما وفضلا کی خدمت میں رہ کر ختم کیا اور تصوف وسلوک کی کتابیں والد ماجد سے۔ والد نے وفات سے دو سال پہلے خلافت کا خرقہ وسجادہ عنایت کیا تھا۔ باپ کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور خلائق کو ہدایات وارشادات سے فائز المرام کیا۔ اکثر طالبین آپ کی توجہ سے مقاصد عالیہ کو پہنچے، عارف باللہ واصل الی اللہ ہوئے، آپ جامع فضائل وکمالات وحاوی فواضل وکرامات تھے، درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے، صاحب تالیف وتصنیف تھے، جُمعات شاہی ایک کتاب اوراد میں آپ کی تصنیف لطیف ہے۔

آپ کی عادت تھی کہ ہر جمعہ کو پانچ سو محمودی (سکّے) فقرا وغُربا کو تقسیم فرماتے تھے، اور فی نفر دو محمودی (سکے) دیتے تھے۔

له همم لاينتهى لكبارها الهمة الصغرى اجل من الدهر

ایک جمعہ میں عادت کے موافق مجلس منعقد ہوئی، مگر اس روز کوئی چیز موجود نہیں تھی کہ تقسیم کریں، آپ نے مولانا عبدالشکور خادم خاص سے دریافت کیا:

کچھ ہے؟ مولانا نے فرمایا: صرف بارہ محمودی ہیں، آپ نے فرمایا چھ فقرا کو دیجئے، اور باقی کو رخصت کیجئے، ایسا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا کہ فقرا مجلس سے خالی ہاتھ جائیں، اس لئے آپ نے سب کو بلابلا کر فرمایا: تھوڑی دیر تشریف رکھیں اور صبر کیجئے، دیکھئے اللہ کیا کرتا ہے، آپ مراقبہ میں مشغول ہوئے، اسی اثنا میں سید جلال مقصود عالم نے خواجہ ابوالحسن جملۃ الملک کا نیاز نامہ مع دو ہزار روپیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا، بابا! یہ تمہاری کرامت ہے، جلد لایئے تا کہ میں فقرا کو دوں، مقصود عالم نے کل روپیے پیش کئے، آپ نے کل تقسیم کر دیئے، ایک بھی باقی نہیں رکھا، گجرات میں آپ کی کرامتیں بیشمار مشہور ہیں۔

وفات: آپ نے بارہ رجب ۱۰۴۵ھ میں اس عالم سے جنت کی طرف رحلت کی، روضۂ ثانیہ واقع رسول آباد میں مدفون ہوئے نور اللہ مرقدہ۔

(محبوب التواریخ: ۲/ ۷۴۷)

حضرت شاہ ابوالحسن قادری بیجاپوریؒ المتوفی ۱۰۴۵ھ

نام ونسب: آپ کا نسب حضرت محبوب سبحانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے، آپ کے اجداد کرام اور خود آپ کا مولد بیدر تھا اور ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے زمانہ میں آپ بیدر سے بیجاپور رونق افروز ہوئے۔

آپ کے حالات: آپ صاحب فضائل وکمالات وجامع صفات حمیدہ تھے، حقائق ومعارف سے واقف اور دقائق واسرار کے عارف تھے، طالبین ومریدین کی ہدایت میں مصروف رہتے تھے، اکثر طلبہ آپ کے فیضان نعمت سے فائز المرام ہوتے، شہر کے علماء وفضلاء ومشائخ کرام آپ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے، اور بادشاہ بھی ا ؑاز واحترام کرتا تھا، آپ دل جمعی سے ذکروشغل میں مشغول رہتے تھے۔

آپ کی شجاعت کا امتحان: آپ جسمانی قوت وزورآوری میں بھی سب سے بڑھے ہوئے تھے چنانچہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ دکن میں ایک شخص اسرافیل جو بہادری ودلاوری میں بے نظیر تھا، قوت وزورآوری میں مشہور تھا، بیجاپور آیا اور ابراہیم عادل شاہ کی خدمت میں ملازم ہوا، بادشاہ نے اس کو بلحاظ قوت وزورآوری عہدۂ جلیلہ پر مامور کیا اور اپنے خاص لوگوں میں شریک فرمایا اور بادشاہ نے اس کو دربار میں بیٹھنے کی اجازت دی، تو اہل دربار اس سے حسد کرنے لگے، اور اس کے زوال کی فکر میں پڑے اور ؑحں کیا کہ اسرافیل اپنی قوت وزورآوری

پرنازاں ہے اور شیخی مارتا ہے، دربار میں اس کا امتحان کرنا چاہئے، چونکہ بادشاہ کو اس سے محبت تھی، نہیں چاہتا تھا کہ اس کو سامنے سے دور کرے، آخر حاسدوں نے ایک روز اتفاق کر کے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ و مستعد کیا کہ آج بادشاہ محل کے صحن پر فضا میں جلوس کرے اور فیل خانہ کے داروغہ کو اشارہ کرے کہ ایک مست ہاتھی بادشاہ پر چھوڑے، اس وقت اسرافیل کی بہادری و شیخی کا امتحان فرمائیں اور دیکھیں کہ بادشاہ کو ہاتھی سے مقابلہ کر کے کس طرح بچاتا ہے پس بادشاہ نے داروغہ کو حکم دیا، داروغہ نے تعمیل کی، حاضرین مجلس ہاتھی کے آتے ہی دربار سے متفرق ہو گئے مگر اسرافیل بدستور دست بستہ دلجمعی سے بیٹھا رہا، اور کچھ حرکت و جنبش نہیں کی، فیل بان نے ہاتھی کو اسرافیل کے قریب پہنچایا اور چلایا کہ مست ہاتھی آیا میرے قابو سے باہر ہے، اسرافیل بھی زور سے چلایا اور ہاتھی کی طرف آیا، ہاتھی نے اسرافیل کے بغل میں ہاتھ ڈالنا چاہا کہ اٹھا کے دور پھینکے، اسرافیل نے ہاتھی کی سونڈ کو اس طرح دبوچا کہ ہاتھی عاجز ہو کر زمین پر گر گیا، ہر چند کہ فیلبان کہتا تھا اسرافیل یہ ہاتھی خاص بادشاہی سواری کا ہے اس لئے اس کو چھوڑ دو مگر اسرافیل نے اسقدر ہاتھی کو زدوکوب کی کہ ہاتھی ہلاک ہوا پھر اسرافیل کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے یہ امتحاناً کیا تھا اس لئے دربار سے گھر گیا اور خانہ نشین ہوا ہر چند کہ بادشاہ نے بلایا اور دلجوئی کی مگر وہ راضی نہیں ہوا اور ارادہ کیا کہ درویش کامل کا مرید ہونا چاہئے اور درویش بھی ایسا ہو کہ ہم سے قوت میں زیادہ ہو، ایسے درویش کی بابت اپنے ایک دوست سے مشورہ کیا۔

دوست نے کہا کہ آپ ہر جمعہ کو جمعہ مسجد کے دروازہ پر جایا کرو اور ہر

ایک نمازی سے نکلنے کے وقت مصافحہ کرتے رہو، شاید کوئی بزرگ قوی و کامل مل جائے، اگر پہلے جمعہ میں نہ ملے تو دوسری تیسری جمعہ میں مل جائے گا۔

یہ ہر جمعہ کو جاتا تھا، اور ہر ایک نمازی سے دست بوس ہوتا تھا، تیسرے جمعہ میں حضرت شاہ ابوالحسن قادری سے ملا، اول حضرت سے خوب زور سے مصافحہ کیا مگر حضرت کے ہاتھ پر کچھ اثر نہ ہوا، آپ نے اسرافیل کے دونوں ہاتھ زور سے ایسے دبوچے کہ اسرافیل بے تاب ہو کر زمین پر گرا اور بے ہوش ہوا جب ہوش میں آیا حضرت کے ہمراہ گیا، اور مرید ہوا، ریاضت و مجاہدہ کے بعد کامل ہوا، حضرت کے روضہ میں مدفون ہے۔

وفات: آپ نے ۱۴ ربیع الثانی ۱۰۴۵ھ میں رحلت کی، بیرون اللہ پور دروازہ کے قریب بیجاپور میں مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقدہ۔

(محبوب التواریخ: ۱/۴۹)

حضرت ابوالفقراء بابا نصیب الدین غازی کشمیریؒ المتوفی ۱۰۴۷ھ

نام ونسب: نام نصیب الدین، لقب ابوالفقراء، بابا نصیب الدین غازی سے مشہور ہیں۔

فضل وکمال: کشمیر میں بہت بڑے شیخوں میں ان کا مقام ہے، بابا داوٗد خاکی کے برگزیدہ خلیفہ تھے۔ بچپن ہی سے ان کی جبین سے بزرگی کی نشانیاں نمودار تھیں۔ طریقت اور معرفت والے لوگوں کی صحبت کے دلدادہ تھے قسم قسم کی ریاضت عمل میں لاتے تھے۔ اللہ کی یاد اور عبادت میں دن رات مشغول اور مصروف رہتے تھے۔ جسمانی لذتوں، نفسانی شہوتوں اور گوشت خوری سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا تھا۔ یہاں تک کہ میوہ کھانے اور ٹھنڈے پانی پینے میں محتاط تھے۔ زندگی کو مجرد رہ کر تنہائی میں گذارا۔ وقت کے عالم باعمل اور فاضل وکامل تھے۔ انسانی کمالات اور روحانی صفائی اور پاکیزگی میں بے نظیر تھے۔ شریعت کے حکموں اور طریقت کی لازمی باتوں کو فروغ دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ مسکینوں اور فقیروں کی پرورش میں سرگرم رہتے تھے، اور اسی وصف کے سبب ابوالفقراء (فقیروں کا باپ یعنی پرورش کرنے والا) لقب ہوگیا۔ کسی خاص ایک جگہ پر سکونت نہ فرمائی، پرگنوں اور گاؤں میں لوگوں کو ہدایت کرنے اور فیض پہنچانے کے لئے زیادہ وقت خرچ کرتے تھے۔ تین تین چار چار سو آدمی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ ہر گاؤں میں مسجدوں، غسل خانوں کی مرمت یا تجدید

فرماتے تھے۔ حضرت بابا طے مکان، کشف القلوب، کشف القبور اور غائب لوگوں کی امداد کرنے میں معروف تھے، عالم ملکوت وجبروت اور لاہوت کے بلند پرواز شہباز تھے۔

آپ کی کرامت: شیخ داؤد مشکواتی لکھتے ہیں کہ جب بابا نے تبت کا سفر کیا تو میں ان کے ساتھ تھا وہاں کے راجہ نے بڑی قدر دانی کی۔ کچھ دن گذرنے پر لداخ کے علاقوں کی سیر کو گئے، ایک گاؤں میں ایک چشمہ دیکھا جس کا پانی نہایت گرم تھا جب حضرت شیخ نے چشمہ میں ہاتھ ڈالا تو جلدی سے نکالا گویا اس کا پانی آگ تھا مسکرا کر فرمائے۔ اس چشمہ سے واجب الوجود (اللہ تعالیٰ) کے اپنے چشمہ تک ایک راستہ ہے۔ سبحان اللہ! اگر اس گرم پانی کے پاس ہی سرد پانی بھی ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا، تاکہ زمانے کا سرد گرم ایک ہی جگہ ظاہر ہوتا۔ پھر اپنے پاؤں کے جوتے ایک جگہ رکھ کر فرمایا یہاں کھودو۔ ساتھیوں نے جوتیوں کی جگہ پر کھودا تو اس جگہ ٹھنڈے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ ہم سبھوں نے اسی چشمہ سے پانی پیا۔ اس واقعہ کی خبر ملک میں پھیل گئی لوگ گروہ در گروہ دیکھنے آنے لگے۔

ف: ظاہر ہے کہ یہ بابا نصیب الدین کی کرامت تھی جو حق ہے۔ (مرتب)

ارشادات

شیخ داؤد مشکواتی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ مسلمانوں کے قبرستانوں اور ہندوؤں کے مرگھٹوں دونوں پر فاتحہ پڑھتے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے ہو۔ بہت سے لوگوں کی روحیں جو ظاہر طور پر

مرتے وقت تک ہندو لباس میں تھے۔ صاحب ایمان دیکھتا ہوں، اور کچھ مشرکوں کی روحیں کہتی ہیں۔ آپ کی فاتحہ کی برکت سے ہم کو عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ اس لئے میں اس احسان کرنے سے جی نہیں چراتا۔ یہ کہہ کر رو پڑے۔

فرمایا تم کیا جانتے ہو کہ موت کے وقت آدمی کے بگڑنے کا کیا حال ہے، مرنے کے بعد کیا تباہی اور بربادی ہوتی ہے۔ اور قبر کیسی جان گھٹانے والی جگہ ہے؟۔

فرماتے ہیں اگر دولت مندوں کو موت کی خبر ہو جائے تو دنیاداری کے سارے اسباب کو بھول جائیں، اور اگر نائیب اپنی موت سے واقف ہو جائیں تو اپنے آپ کو بھول جائیں۔

فرمایا جو کوئی اللہ کو پہچانتا ہے بیوی بچوں کا خیال اس کے دل سے مٹ جاتا ہے۔

ف: مگر اس کے باوجود ان کے شرعی حقوق کی ادائیگی کی فکر رکھتا ہے۔ اور یہی شریعت کا حکم ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد خصوصًا اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کرے۔ (مرتب)

ان کا فرمان ہے مغرور اور خود پسند آدمی شیطان کے ساتھ ہے اور اپنے کو مٹانے والے آدمی رحمان کے ساتھ ہیں۔

ان کا فرمودہ ہے، ایک منٹ کی خدا آگاہی ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور ایک حق آگاہ مرد لاکھ زاہدوں سے بڑھ کر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت وشناسائی بازار میں نہیں بیچی جاتی ہے۔ ورنہ تو سارے بوالہوس عارف باللہ ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق شوکت اور حشمت سے نہیں ہے ورنہ تو سارے بادشاہ عالم وعارف ہو جاتے۔

آدمی اگر جنگل کی جڑی بوٹیوں اور گھاس پتوں سے پیٹ بھرے گا تو گایوں اور گدھوں کے شمار میں آئے گا۔اور اگر لذیذ اور لطیف کھانوں سے شکم پُر کرے گا تو اس کا شمار چیتوں اور بھیڑیوں کی جماعت میں ہوگا۔کیونکہ کم درجہ کے کھانے سے سیری روح کے لئے مفید ہے۔اور بھوک میں لذیذ کھانوں کی کمی دل کی صفائی کا باعث ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفت ومحبت اور اتباع سنت کی دولت سے بہرہ ور فرمائے تا کہ اللہ کا قرب اور اللہ کی معرفت ومحبت میسر ہو جو جملہ احوال ومقامات کی اصل روح ہے۔(مرتب)

وفات: ۱۳رمحرم الحرام ۱۰۴۷ھ میں دنیا سے رحلت فرمائی، بیجبارہ کشمیر میں مدفون ہیں۔نور اللہ مرقدہ (تذکرہ اولیاء کشمیر ص ۲۰۹)

حضرت جمال الاولیاء سید جمال کوڑہ جہان آبادی فتحپوری المتوفی ۱۰۴۷ھ

نام ونسب: نام سید جمال، لقب جمال الاولیاء، والد کانام شاہ حمید الدین ہے۔

مورث اعلیٰ: آپ کے مورث اعلی حضرت شاہ سید قطب الدینؒ تھے جن کا تذکرہ مع ان کی اولاد کے اقوال سلف جلد چہارم میں درج کیا جاچکا ہے۔

ولادتِ باسعادت: آپ کی ولادت ۹۷۳ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ حمید الدین عُرف مخدوم جہانیاں ثانی سے تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں والد گرامی سے ہی بیعت ہوئے۔

حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کوڑہ جہان آباد میں دو مدرسے اور دو خانقاہیں قائم ہوگئیں تھیں، ایک مدرسہ وخانقاہ کا شاہ بہاء الدینؒ سے تعلق تھا، دوسرے مدرسہ اور خانقاہ کا شاہ علاء الدین عُرف شاہ حسینؒ سے تعلق تھا۔ دونوں مدارس میں جون پور کے فاضل اساتذہ تعلیم دیتے تھے، وہاں وہی نصاب رائج تھا، جو جون پور میں شاہان شرقی کے عہد سے رائج ہوا تھا۔

نیوتنی کے رہنے والے قاضی ضیاء الدین عثمانیؒ عُرف قاضی جیا نے احمد آباد (گجرات) جا کر مُلا وجیہہ الدین گجراتی سے محقق دوّانی کے علوم وفنون حاصل کر کے جب نیوتنی آ کر درس وتدریس ورشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا تو جدید علوم فلسفہ وکلام کی شہرت ہوئی۔

شاہ جمال الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ تعلیم سے فارغ ہوئے تو ان کے والد گرامی حضرت شاہ حمید الدین عُرف مخدوم جہانیاں ثانیؒ نے ان کو قاضی ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مزید علوم حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا جہاں کم وبیش پانچ سال رہ کر تعلیم کے ساتھ ساتھ سلسلہ قادریہ میں انہیں سے مجاز ہو کر کوڑہ جہان آباد فتحپور یوپی واپس تشریف لائے۔

دوسرے سلاسل سے استفادہ: حضرت جمال الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں کئی سلسلے پہلے سے چل رہے تھے سلسلہ چشتیہ نظامیہ شیخ محمد عیسیٰ تاج سے پہونچا تھا۔اس کے علاوہ مزید سلاسل سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی چنانچہ مولانا عبدالسمیع صاحب ندوی سوانح نگار تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اس دور میں اندورن ہند جتنے بھی سلاسل تصوف رائج تھے،ان سب کے آپ جامع تھے، اپنے اعزاء واقرباء کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت فرماتے تھے،اور بیرونی افراد کو قادریہ سلسلہ میں بیعت فرماتے تھے۔

جب کوڑہ جہان آباد تشریف لائے تو محلہ میاں ٹولہ سے علیحدہ ایک ویران جگہ پر جواب مغل روڈ سے متصل ہے قیام فرمایا جہاں اب حضرت کی مسجد خانقاہ اور دولت کدہ ہے۔

ابتدائی دور: کوڑہ آئے تو آپ کو عسرت وتنگدستی سے سابقہ پڑا،کچھ تو عزیزوں اور یگانوں سے علیحدہ قیام کی بناء پر آپ کے والد گرامی ناخوش رہے۔ بعد میں یہ کیفیت تبدیل ہوئی اور اللہ تعالی نے وسعت وفراخی کے وسائل پیدا فرمادیئے، اس دور کا ایک واقعہ شاہ خوب اللہ اِلہ آبادیؒ نے اپنی بیاض میں تحریر کیا جس کا

بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ تحریر فرماتے ہیں :۔

’’آپ کوڑہ تشریف لائے، بیرون کوڑہ قیام فرمایا، تنگی وفقر کے ساتھ گذارہ کرتے تھے، چند مردان غیب سائل، فقراء کے لباس میں آئے اور کچھ کھانا طلب کیا، آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے ان کی تواضع کرتے، کپڑا گروی رکھ کر آٹا لائے اس سے لپسی جو ہندوستان کی معروف غذا ہے تیار کی، پلیٹ موجود نہ تھی کہ اس میں نکالتے، درویشوں نے کہا کہ مٹی کی وہ ہانڈی جس میں آپ نے لپسی پکائی ہے لے آئیے، آپ اٹھا لائے، انہوں نے دونوں ہاتھ اس میں ڈال کر لپسی کھائی پھر اس ہانڈی کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا کہ وہ ریزہ ریزہ ہوگئی اور کہا کہ فقر وتنگدستی کی ہانڈی ہم نے توڑ دی۔

اس دن سے آپ کی طرف خلائق کا رجوع شروع ہوا اور لوگ مرید ہونے لگے۔

حضرت جمال الاولیاءؒ کے کمالات وکرامات: حضرت جمال الاولیاءؒ بزرگ اور صاحب نسبت بزرگ تھے ان کی کرامتوں کا شمار نہیں، ان کے خوارق ان کے مناقب خلائق میں مشہور ہیں، جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو کچھ نہ کچھ ضرور مرحمت فرماتے، خالی ہاتھ نہ رخصت کرتے۔

صاحب نزہۃ الخواطر حضرت مولانا سید عبدالحیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بڑے عالم وبزرگ علامہ جمال الاولیاء ابن مخدوم جہانیاں حنفی ،صوفی، کوڑوی فقہ اور اصول فقہ اور ادبیت کے ممتاز علماء میں سے تھے، ۹۷۳ھ میں ولادت ہوئی، کوڑہ ہی میں نشو ونما پائی، اپنے والد گرامی سے علم حاصل کیا، پھر قاضی ضیاء الدین ساکن

نیوتنی سے عرصہ دراز تک پڑھتے رہے، انہیں سے طریقہ قادریہ حاصل کیا جب مرتبہ تعلیم وارشاد پر پہونچے تو اپنے وطن واپس آکر درس وافادہ میں مشغول ہوئے۔

(قصہ کوڑہ تاریخ وشخصیات: ۱۸۳)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''تاریخ دعوت و عزیمت'' میں تحریر کرتے ہیں: عالم جلیل جمال الاولیاء چشتی متوفی ۱۰۴۷ھ کے نامور شاگرد مولانا لطف اللہ کوڑوی، سید محمد ترمذی کالپوی، شیخ محمد رشید جون پوری اور شیخ یٰسین بنارسی جیسے علماء کبار وشیوخ عصر تھے، مولانا لطف اللہ کے شاگرد ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد ایٹھی عرف ملا جیون، قاضی علیم اللہ کچندوی اور مولانا اصغر قنوجی تھے جنہوں نے تدریس کا ہنگامہ کررکھا تھا، اور بڑے بڑے نامور عالم ومدرس ان کے حلقہ درس سے تیار ہو کر نکلے، ٹیلہ والی مسجد کا شہرۂ آفاق دارالعلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی المتوفی ۱۰۸۵ھ تھے، اسی سلسلہ سے تعلیمی وروحانی نسبت رکھتا تھا، خود درس نظامی کے بانی ملا نظام الدین المتوفی ۱۱۶۱ھ اوران کے نامور جانشین اوراہل خاندان اس سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے، اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی، ادبی ذوق، تبحر اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت نور قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پنڈوہ، گلبرگہ، مانک پور، سلون وغیرہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت: ۳/ ۱۷۲)

حضرت سید جمال کو جمال الاولیاء کہنے کی وجہ: حضرت شاہ جمال الاولیاء

کے سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ حضرت حاجی محمد عابدؒ نے (جو دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے بھی ہیں) ان کی سوانح میں ان کے متعلق جولکھا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

آپ چودہ سال کی عمر میں علم ظاہری سے فراغت پا کر دستار فضیلت سے کامیاب ہوئے، آپ کے والد بزرگوار نے اولا آپ کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں مشرف بہ بیعت فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم قصبہ نیوتنی جو اودھ میں واقع ہے، شاہ قاضی ضیاء الدین کی خدمت میں حاضر ہو، وہاں حصہ تمہارا ہے، چنانچہ حسب ارشاد آپ وہاں تشریف لے گئے، وہاں اکتساب باطن اور مجاہدہ نفس ئمۂ دراز تک فرماتے رہے۔

''ایک شب کو بعد نماز عشاء اپنے پیر ومرشد کے پیچھے پیچھے دروازۂ مکان تک چلے گئے، جب آپ کے پیر ومرشد یعنی قاضی صاحبؒ نے پیچھا پھیر کر دیکھا تو وہ آپ کے ہمراہ تھے، زمانہ موسم سرما کا تھا، آپ کے پاس کچھ اوڑھنے کو نہ تھا، حضرت شیخ نے اپنی دلائی مبارک اتار کر آپ کو مرحمت فرمائی کہ اس کو اوڑھ کر سو رہنا، یہ دلائی آپ نے سر پر رکھ لی اور تمام شب اس فکر میں گذاری کہ جس طرف فرق مبارک حضرت کا رہا ہو اس طرف کو میرے پیر نہ چھو جائیں، اس خیال میں تمام شب دلائی سر پر رکھ کر کھڑے ہوئے گذاری، آخر شب کو حضرت پیر ومرشد بیدار ہوئے اور واسطے ادائے نماز مسجد میں تشریف لا رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ شاہ جمال اولیاء کو جس مقام پر دلائی دے کر چھوڑ گئے تھے اسی مقام پر کھڑے ہیں، فرمایا کہ تو کون ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ جمال، شیخ نے وجہ کھڑے رہنے کی

دریافت فرمائی، آپ نے سبب نص کیا، اس پر ارشاد ہوا کہ تو "اولیاء" ہے۔

بعد نماز صبح مجمع عام میں جناب قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ سید جمال کوڑوی مخدوم زادہ پیرزادہ آج سے بحکم الٰہی "جمال الاولیاء" ہوا"۔ (ص ر ۱۳۷)

وصایا

اپنی تدفین کے سلسلہ میں وصیت فرماتے ہیں:۔

"وصیت ہے کہ فقیر کی قبر خانقاہ کے سامنے جو مقبرہ ہے وہاں بنائی جائے، چند محفوظ عن المعاصی اس مقبرہ میں مدفون ہیں، فقیر کو امید ہے کہ اس فقیر کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔ فقیر کا وہاں خیال رکھا جائے گا، وصیت ہے مسلمانوں کو کہ فقیر مبلغ وزر (روپیہ پیسہ) نہیں رکھتا، میں فقیر آیا اور فقیر ہی جاؤں گا۔" (۱۴۲)

اپنے داماد شیخ اشرف اور نواسے شیخ جلال رحمہما اللہ کو وصیت فرماتے ہیں:۔ وصیت ہے کہ بعد نماز فجر لا الٰہ الا اللہ ۲ر بار بالجہر کہیں، آخری بار میں محمد رسول اللہ ﷺ کہیں، اور ظہر کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ کلمۂ توحید بطریق اول پڑھیں، اسی طرح بعد نماز عصر ومغرب بھی اور بعد نماز عشاء ۲۱ر بار کلمۂ توحید بطریق مذکور پڑھیں اور جمعہ کی نماز کے بعد ۴۱ر بار کلمۂ توحید پڑھیں۔

نیز ۳۳ر بار الحمد للہ اور ۳۴ر بار اللہ اکبر اور دس بار قُل ھوَ اللہ احد اور دس بار درود شریف پڑھیں، ہوش وحواس قائم رہے تب تک دن میں ۷۰ر بار اور رات میں ۷۰ر بار استغفار پڑھیں"۔

اپنے داماد شیخ اشرفؒ اور ان کے صاحبزادے شیخ جلالؒ کو وصیت ہے

کہ کسی دنیادار کے در پر نہ جائیں، نماز باجماعت پڑھیں، اللہ تعالیٰ جو کچھ دیدے تقسیم کر کے خانقاہ کے فقراء کو کھلائیں، اور ہر حجرہ میں ایک صوفی یا طالب علم کو جو مجرد و بے عیال ہو رکھیں تا کہ وہ مسجد کی خدمت خوب کرے۔ (۱۴۴)

ف: نہایت جامع وصیتیں ہیں، ہر سالک راہ بلکہ ہر مسلمان کو انہیں پیش نظر رکھنا چاہئے۔ (مرتب)

قابل رشک: قابل رشک بات یہ ہے کہ آپ کے مورث اعلیٰ حضرت مخدوم سید قطب الدینؒ کے بعد آپ کے خاندان میں پشتہا پشت اولیاء اللہ، علماء و مرشدین کرام پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا، ساتھ ہی ساتھ ان سے تصوف و سلوک اور تزکیہ نفوس کا سلسلہ بھی چلتا رہا چنانچہ اقوال سلف جلد چہارم میں آپ کے آباء و اجداد کا تذکرہ تفصیل سے آچکا ہے، اللہ تعالیٰ جملہ علماء و مشائخ کے اخلاف و اولاد کے اندر یہ صلاح و صلاحیت پیدا فرمائیں تا کہ بزرگوں کی جگہیں دینی تعلیم و تربیت سے آباد و شاداب رہیں۔ وما ذالك على الله بعزيز۔ (مرتب)

وفات: آپ کی وفات ۱۰۴۷ھ میں ہوئی، آپ کا مزار کوڑہ جہان آباد ضلع فتحپور ہنسوہ یوپی میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (شخصیات قصبہ کوڑہ: ۱۹۷)

حضرت شیخ محمد طاہر بدخشی جون پوریؒ المتوفی ۱۰۴۰ھ

تعارف: شیخ محمد طاہر بدخشی قدس سرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلفاء میں سے تھے اور شہر جون پور کے مشہور مشائخ میں سے تھے، یہ شہر ہندوستان میں صوبہ یوپی میں ہے۔ آپ دراصل بدخشان کے ترکوں میں سے اور دشت قلعہ سے تھے جو روستاق (۱) کے مضافات میں سے ہے۔

مبارک خواب: اس طریق میں داخل ہونے کی ابتداء کے متعلق آپ بیان کرتے تھے کہ میں سپاہ گری کے زمانہ میں ایک امیر کے ساتھ ملکوسہ کو جا رہا تھا۔ منزل میں مجھے نیند آ گئی تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے آ کر کہہ رہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے طلب فرمایا ہے۔ میں اس کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ تشریف رکھتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھاری زرہ کہ جس کو ہاتھی بھی اٹھانے سے عاجز آئے اپنے سامنے رکھے ہوئے ہیں، مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ اے ابا بکرؓ ایک طرف سے آپ زرہ کو پکڑئیے تا کہ میں وہ شیخ طاہر بدخشی کو پہنا دوں، حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس زرہ کو اٹھایا اور میرے کندھے پر ڈال دیا۔ میں نے اسے پہن لیا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اس گروہ میں رہ کر کیا کرتے ہو، راہ فقر میں آؤ لیکن پہلے اس قلعہ کو فتح کرو، پھر اس جماعت (سپاہ گری) کو چھوڑو،

---

(۱) روستاق کئی دیہات کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ (مرتب)

میں خواب سے بیدار ہوا تو روانگی کا جرس سنائی دیا، تو میں سوار ہو گیا۔ جب میں اپنی فوج کے ساتھ ملکوسہ کے قلعے کے قریب پہنچا تو مجھے ایسا جوش پیدا ہوا کہ میں نے سب سے آگے گھوڑا دوڑا دیا قلعہ کے دروازے کی طرف۔ اور وہ پہلے ہی حملہ میں فتح ہو گیا۔ میں داخل ہو گیا اور قابض ہو گیا۔ اس کے بعد میں گھوڑے سے اترا اور زائد کپڑے اتار دیئے اور اپنے ملازم سے کہا کہ یہ کپڑے اور گھوڑا لے جا، میں بھی انشاء اللہ پہنچ رہا ہوں۔ میں وہاں سے نکل کر شیخ عبدالجلیل بیانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ تم صاحب استعداد ہو اس لئے سفر کرتے رہو۔ شاید تم دہلی میں خواجہ باقی باللہ (قدس سرہ) کو پاؤ گے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری: جب میں دہلی پہنچا اور حضرت خواجہ کے حالات معلوم کئے تو لوگوں نے بتایا کہ ابھی چند روز ہوئے کہ انھوں نے سفر آخرت اختیار کیا ہے لیکن حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، نماز سے فراغت کے بعد میں نے اپنی آشفتگی اور پریشانی کی وجہ سے رخصت ہونے کی دعا کی التماس کی۔ حضرت نے فرمایا کہ آج کل ماہ رمضان ہے۔ قرآن پاک پڑھا جا رہا ہے، لہٰذا کیا ہی خوب ہو کہ آپ یہاں سنت (تراویح) ادا کریں میں نے عرض کیا کہ میں طالب ہوں، پس اگر آپ کرم فرمائیں اور میرا مقصد پورا کر دیں تو میں ٹھہر جاتا ہوں، ورنہ اجازت دیں تو چلا جاؤں، آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے میں کیا کہہ سکتا ہوں، اس کے بعد میں پھر رخصت ہونے کی دعا کے لئے التماس کی۔ آپ کچھ دیر مراقب ہو گئے اور توجہ فرمائی۔ اس کے بعد سر اٹھایا

اورفرمایا کہ ٹھہر جائیے ہم آپ کے لئے حاضر ہیں۔

خلافت اور جون پور کی خدمت: اس کے بعد شیخ حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور دو ماہ کی مدت میں یہ حال ہوا کہ حضور انور ﷺ کا دیدار مسلسل نصیب ہونے لگا اور کوئی گھڑی اس نعمت سے جدا نہیں ہوتی تھی اور یہ معاملہ دو تین ماہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد احوال رفیعہ اور مقامات علیہ کے ساتھ جذب وسلوک سے مشرف ہوئے اور ولایت کی سعادت حاصل ہوئی۔ قبولیت خاص وعام بھی حاصل ہوئی۔

شیخ نے ۱۰۱۷ھ میں حضرت مجدد سے ایک سال میں اجازت اور خلافت طریقۂ نقشبندیہ حاصل کرلی، اور حضرت مجدد صاحبؒ نے ان کو جون پور روانہ کردیا۔ رخصت کے وقت حضرت نے فرمایا کہ وہاں جاؤ کہ وہاں سے ایسے شخص کا ظہور ہوگا جو حق تعالیٰ کے مقبولین اور اس کے دوستوں میں سے ہوگا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی رحلت ۱۰۳۴ھ کے دس سال بعد شیخ نے مخدوم زادوں کو خط لکھا تھا کہ وہ فرزند جس کے لئے حضرت مجدد صاحبؒ نے بشارت دی تھی وہ ظاہر ہوگیا ہے۔ یعنی وہ پیدا ہوا ہے اور اس نے علوم ظاہری وباطنی کی تحصیل شروع کردی ہے بلکہ تجرید وتفرید میں مجھ سے آگے بڑھ کر خاندان نقشبندیہ میں توجہ دے رہا ہے۔ سبحان اللہ! حضرت مجدد صاحبؒ کی نظر دوربین کیا تھی کہ وہ بات جو تیس سال بعد ظہور میں آنے والی تھی اس کے لئے آپ نے پہلے ہی فرمادیا تھا۔

حضرت مجدد صاحب کے وصال کے بعد شیخ سرہند آئے تھے، دراز قد اور قوی ہیکل تھے اور حدیث "اتقیاء امتی براء عن التکلف" (میری امت کے

متقی لوگ تکلف سے مبرا ہوں گے) کے مصداق تھے۔(حضرات القدس ص ر ۳۲۱)

آپ کے محاسن: تاریخ جونپور کے مؤلف سید اقبال جونپوری نے آپ کے محاسن یوں نقل کیا ہے۔

حضرت امام ربانی کے وصال کے دس سال بعد شیخ طاہر کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا، آپ نے اس کی اطلاع حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاجزادوں کو دی۔ کیونکہ ولادت کی پیشینگوئی حضرت مجدد صاحب نے متعدد سال پہلے ہی کر دی تھی۔ حضرت شیخ طاہر ترکی النسل تھے، اس لئے ان کے انداز میں ہمیشہ سادگی رہی۔ جو بات بھی کہتے بہت سیدھے اور صاف انداز میں کہتے تھے۔آپ کے اس انداز کو حضرت مجدد الف ثانی بہت پسند فرماتے تھے۔

آپ کی ذات پر حضرت امام ربانیؒ کی نظر خاص ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے شیخ طاہر کے نام ۱۳ر خط لکھے ہیں۔

مولوی خیر الدین زیدی نے تجلیٔ نور میں اور بحر زخار کے تذکرہ نگار نے بھی لکھا ہے کہ میر طاہر تیز روؒ جب جون پور تشریف لائے تو یہاں شاہ عبدالجلیل لکھنوی کا آوازہ بلند تھا اور بہت سے لوگوں نے آپ کی ذات سے استفادہ فرمایا ہے حضرت میر طاہر تیز روؒ نے بھی آپ سے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں اور تیز روؒ کی وجہ تسمیہ تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے ولایت اور کمالات باطنی کے حصول میں بہت جلدی کی اور آپ پر چونکہ جلد فتوحات غیبی کے دروازے کھل گئے۔آپ سے جونپور میں خوارق و کرامات کا صدور بہت ہوا ہے۔

(تاریخ شیراز ہند جونپور ج ر ۲ ص ر ۱۵۵۹)

حضرت مجدد صاحبؒ کا آپ کے نام نصیحت نامہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و الہ الطاہرین۔

ہم فقیروں پر جو باتیں لازم ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

{۱} دوام افتقار و انکسار و تضرع و التجا۔

{۲} ادائے وظائف عبودیت۔

{۳} محافظت حدود شرعیہ۔

{۴} متابعت سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

{۵} تصحیح نیت۔

{۶} باطن کو ماسوا سے آزاد کرنا اور ظاہر طاعات میں مشغول رکھنا۔

{۷} اپنے عیوب اور گناہوں کے غلبے کا مشاہدہ۔

{۸} خوف انتقامِ علام الغیوب۔

{۹} اپنے حسنات کو چاہے وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہوں کم سمجھنا۔

{۱۰} اپنے گناہوں کو چاہے وہ کم کیوں نہ ہوں زیادہ جاننا۔

{۱۱} اپنی شہرت اور قبولیت مخلوق سے ترساں ولرزاں رہنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کی برائی کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی طرف (اس کی شہرت کی بنا پر) انگلیاں اٹھائی جائیں، دین کے بارے میں یا دنیا کے، مگر جس کو اللہ محفوظ رکھے وہ اس برائی سے محفوظ رہے گا۔

{۱۲} اپنے افعال اور اپنی نیتوں کو متہم کرنا، اگرچہ وہ مثل صبح روشن ہوں۔

{۱۳} اپنے احوال ومواجید کی طرف توجہ نہ کرنا، اگر چہ وہ صحیح اور مطابق ہی کیوں نہ ہوں۔

{۱۴} محض تائید دین، تقویت ملت اور ترویج شریعت ودعوت حق کی کوشش پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا، کیونکہ تائید دین کبھی کبھی کافر وفاجر سے بھی ہو جایا کرتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ (کبھی) رجل فاجر سے بھی دین کی تائید کرالیتا ہے۔

ف: یہ نصیحت خاص طور سے دینی کام کرنے والوں کو مستحضر رکھنا چاہئے تاکہ اپنے کئے پر عجب اور پندار سے محفوظ رہیں۔ (مرتب)

{۱۵} جب مرید کی آمد طلب کے ساتھ اور مشغول باطن کے ارادے سے ہو، تو اس کے آنے پر انتہائی خائف ہونا چاہئے کہ کہیں اس پیری مریدی کے راستے سے اس پیر کی بربادی مقدر نہ ہو اور یہ امر اس کے لئے استدراج نہ ہو جائے۔ اگر بالفرض کسی مرید کی آمد پر خوشی اور سرور محسوس کریں، تو اس خوشی کو کفر وشرک کی طرح برا جانیں اور اس کا تدارک ندامت واستغفار سے اس قدر کریں کہ اس خوشی کا اثر باقی نہ رہے، بلکہ اس خوشی کی جگہ خوف وحزن لے لے۔

{۱۶} (اپنے خلفاء کو) اچھی طرح تاکید کریں کہ ان میں مرید کے حال اور مال کے منافع دنیوی میں لالچ نہ پیدا ہونے پائے، کیونکہ یہ بات رشد وہدایت میں رکاوٹ ڈالنے والی ہے، اور باعثِ خرابیِ پیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو دین خالص کا مطالبہ ہے (خود فرماتا ہے) الا للہ الدین الخالص (آگاہ

ہو کہ اللہ کے لئے خالص عبادت مقصود ہے) اس کی جناب میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

{۱۷} یہ بھی جانیں کہ جو (معمولی) ظلمت و کدورت دل پہ طاری ہوتی ہے اس کا ازالہ توبہ و استغفار اور ندامت و التجا کے ذریعہ بہترین طریقہ پر آسانی سے ہو سکتا ہے، لیکن جو ظلمت و کدورت، دنیائے دنی کی محبت کے راستہ سے دل پر چھا جاتی ہے وہ دل کو گدلا اور پلید کر دیتی ہے، اس کے دور کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ: "حب الدنیا رأس کل خطیئة" یعنی دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو محبت دنیا، محبت ارباب دنیا اور اختلاط و مصاحبت اہل دنیا سے نجات دے۔ دنیا کی محبت اور ارباب دنیا کی صحبت سم قاتل، مرض مہلک، بلائے عظیم اور بیماری عمیم ہے۔ باقی باتیں عند الملاقات ہوں گی۔

(تجلیات ربانی ص/۱۴۸)

مکتوب (۲)

اس بیان میں کہ جو نفلی عبادت کسی فرض کو فوت کر دے وہ لایعنی میں داخل ہے، اگر چہ وہ نفلی حج ہی کیوں نہ ہو۔

اے برادر! حدیث میں آیا ہے کہ بندے سے اللہ کی روگردانی کی علامت، بندے کا لایعنی باتوں میں مشغول ہونا ہے۔ کسی نفل میں اس طرح مشغول ہونا کہ اس سے کسی فرض سے روگردانی ہوتی ہو لایعنی میں داخل ہے۔ لہٰذا انسان پر اپنے حالات کی تفتیش لازم ہے تا کہ معلوم ہو کہ اس کا اشتغال کس چیز میں ہے، نفل میں یا

فرض میں۔ایک نفلی حج کے لئے کئی ممنوعات کا مرتکب ہونا کیا درست ہوگا؟ اچھی طرح غور کریں صاحب عقل کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ والسلام علیکم وعلی رفقائکم۔

(تجلیات ربانی: ص ر ۱۲۵)

وفات: آپ کا وصال بتاریخ ۷ ر رجب المرجب سنہ ۱۰۴ھ مطابق سنہ ۱۶۳ء میں ہوا ہے۔ مزار پر انوار پختہ سنگین خاص حوض کے پچھمی ٹیلہ پر شہر جونپور میں ہے۔ یہیں آپ کی خانقاہ بھی تھی، آج سے دس سال قبل کانٹے دار ہینس کی جھاڑی کی راقم الحروف (سید اقبال احمد جونپوری) نے صفائی کرائی تھی۔

(تاریخ شیراز ہند جونپور ج ر ۲ ص ر ۱۵۵۹)

حضرت شاہ مصطفیٰ حسینی العلوی المتوفیٰ سنہ ۱۰۵۰ھ

نام ونسب: نام شاہ مصطفیٰ والد کا نام شاہ حسینی العلوی ہے۔

حالات: آپ نے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے اور خلافت واجازت بھی والد سے پائی، عالم وفاضل وعارف تھے، بردباری وفروتنی، فقیری ودرویشی میں بے مثل تھے، اور فضائل وکمالات میں والد صاحب کے مثل تھے۔ رفتار وگفتار میں والد کے مشابہ تھے، ہمیشہ طالبین ومریدین کی ہدایت وتلقین میں مصروف رہتے تھے، طلبہ کی بڑی خاطر ومدارات کرتے تھے، مطالب دقائق ومقاصدِ حقائق نہایت آسانی سے سمجھاتے تھے، طلبہ چند ہی روز میں فائز المرام ہوتے تھے، امراء وفقراء، مشائخ وعلماء آپ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے، آپ کثیر الاولاد تھے، حضرت کے چودہ فرزند تھے، تمام حضرات فرشتہ صفت اور اصحاب کرامات تھے، ازانجملہ صاحبزادہ بزرگ شاہ حبیب اللہ اکمل الاولیاء افضل الفضلاء تھے، جامع علوم ظاہری وباطنی تھے، آپ مدۃ العمر باوجود کثرت اولاد متوکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ کی عطایا پر قانع تھے، کسی سے سوال نہ فرماتے تھے، مریدین بے شمار تھے۔ عمدہ طریقے سے تربیت کرتے تھے، جو آمدنی ہوتی تھی صرف کردیتے تھے۔ ذخیرہ نہیں فرماتے تھے۔

وفات: سنہ ۱۰۵۰ھ میں اس دنیا سے آخرت کی طرف رحلت فرمائی، اور بیرون شہر پناہ بہمن پلی کے دروازہ میں مزار محمد اُف شاہ راجو کے روضہ کے متصل بزرگوں کے مقبرہ علاقہ دکن میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (محبوب التواریخ: ۲/۷۸۰)

حضرت شیخ حمید الدین بنگالیؒ المتوفیٰ ۱۰۵۰ھ

نام ونسب وولادت: شیخ حمید الدین، حنفی، صوفی مشائخ نقشبندیہ میں تھے۔ منگل کوٹ بنگال میں پیدا ہوئے، اور وہیں نشو ونما ہوئی، حصول علم کے لئے لاہور آئے، وہاں بہت سے لوگوں سے علوم فاضلہ حاصل کئے، اور تمام فنون میں نام آور ہوئے۔

فضل وکمال: آپ حضرت مجدد الف ثانی کے قدیم خلفاء میں سے تھے۔ آپ جامع علوم معقول ومنقول تھے، آپ میں تشرع، تقویٰ، ائمت کی رعایت، رخصت کا ترک اعلیٰ درجہ کا تھا، آداب سلسلہ نقشبندیہ کا اتباع، اور اس طریقہ عالیہ کے آداب کی موافقت انتہائی مدارج پر تھی، آپ کے فقر وقناعت، توکل، زہد، استقامت والی صفات، اور خصائل شمار سے باہر ہیں۔ آپ صرف ایک سال حضرت مجددؒ کی خدمت میں کمال خاکساری اور جان سپاری کے ساتھ رہے اور سلوک کے منزلوں کو راہ جذب الٰہی سے طے کرکے درجۂ ولایت تک پہنچے اور مرتبہ کمال وتکمیل حاصل کیا، حضرت نے ان کو خلافت دے کر وطن کو روانہ کردیا۔ اس دریا میں علوم ظاہری وباطنی کے درس میں مشغول رہتے تھے، اور خاص وعام میں اپنی بزرگی میں شہرت رکھتے تھے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کا واقعہ: آپ کی توبہ، انابت اور حضرت مجددؒ کے سلسلۂ عالیہ میں ارادت کا سبب یہ ہوا کہ وہ اپنے وطن سے علوم ظاہری کی تحصیل کے لئے لاہور گئے تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد وطن کی طرف

واپسی میں اکبرآباد (آگرہ) پہنچے، وہاں لشکر شاہی کے مفتی عبدالرحمٰنؒ کے یہاں پرانی ملاقات اور محبت کی وجہ سے چند روز ٹھہرے، اس زمانے میں آپ کو صوفیہ پسند نہیں تھے اور خاص طور پر حضرت مجدد صاحبؒ سے ان کو انکار تھا، پھر مشرب وحدۃ الوجود سے تو شدید انکار تھا، اتفاقاً اسی زمانے میں حضرت مجدد صاحبؒ سیر وسیاحت کے سلسلے میں اکبرآباد تشریف لے گئے اور مولانا عبدالرحمٰن موصوف کے مکان کے قریب (چونکہ وہ اور ان کے معتقدین دیندار اور پاکیزہ اطوار تھے، اور حضرت کے مریدین میں سے تھے) فروکش ہوئے۔ شیخ حمید نے جب یہ خبر سنی تو اضطراب کی حالت میں مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ میں اس محلے سے دوسرے محلے میں جانا چاہتا ہوں اور اپنی کتابیں اور وہ رسالے جو مولانا کے گھر میں رکھ چھوڑے تھے طلب کئے، مولانا نے کہا کہ آخر کیا بات ہے اور ایسا اضطراب کیوں ہے؟ شیخ حمید نے حضرت مجددؒ کا نام لیا اور کہا کہ وہ آپ کے قریب ٹھہرے ہوئے ہیں، میں ان سے واقف ہوں، اگر ان سے نہ ملوں تو مشکل ہے اور اگر ملوں تو اور مشکل ہے۔ مولانا نے کہا کہ حضرت بزرگ ہیں اور عالم ہیں، ان سے ملنے میں کیا مشکل ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں ان سے ملنے کی تاب نہیں رکھتا بس ایسا کہا اور چلے گئے، دو تین دن کے بعد وہ ایک رسالہ لینے کے لئے آئے جو وہ بھول کر مولانا کے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت مجددؒ بھی مولانا کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ادب واحترام کے ساتھ حضرت کا استقبال کرتے ہوئے بہت تواضع کے ساتھ حضرت کو اندر لے گئے۔ شیخ حمید کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور نہایت شرمندگی کے ساتھ مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت مجددؒ

نے مولانا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ مولانا نے عرض کیا کہ وہ کون سا مسئلہ ہے جو حضرت سے پوشیدہ ہے؟ فرمایا کہ چونکہ آپ مفتی ہیں اس لئے آپ سے پوچھ کر عمل کرنا احتیاط سے زیادہ قریب ہوگا۔ چنانچہ وہ مسئلہ دریافت کرنے کے بعد کہ وہ بہت صاف تھا۔ آپ نے شیخ حمیدؒ کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ اے شیخ حمید آپ یہیں ہیں؟ اس وقت ایک دو نگاہ شیخ پر ڈال کر کھڑے ہوئے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہر چند التماس کرتے رہے کہ آپ کے لئے دسترخوان تیار ہے۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ مولانا دروازے تک حضرت مجددؒ کو چھوڑنے آئے اور رخصت کیا۔ اس کے بعد مولانا نے شیخ حمیدالدین کو دیکھا کہ انکار کی شدت کے باوجود وہ تو حضرت مجددؒ کے پیچھے روتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے افتاں وخیزاں چلے جارہے ہیں اور حضرت التفات نہیں فرما رہے ہیں۔ جائے قیام پر پہنچ گئے اور شیخ دروازے پر حیران و پریشان ہاتھ باندھے ہوئے اور سر جھکائے ہوئے کھڑے رہ گئے۔ لیکن کچھ وقت گذر جانے کے بعد آپ نے شیخ حمید کو خلوت خاص میں طلب فرمایا اور مجلس راز میں جگہ دی۔ توبہ، تعلیم اور نسبت سے نوازا۔ پھر تو شیخ کے قلب میں اس طرح یہ نسبت سرایت کر گئی کہ وہ مغلوب الحال ہو گئے اور وہ اپنے دوستوں اور رفیقوں سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ اپنے وطن سرہند تشریف لے گئے اور شیخ بھی پا پیادہ بلا ارادہ لیکن دلدادہ آپ ہی کے ساتھ چلے گئے۔

بعض حضرات سے ایسا سنا گیا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کا عبدالرحمٰن مفتیؒ کے یہاں بلکہ اکبر آباد تشریف لے جانا محض شیخ حمید کو اپنانے کے لئے تھا، اس

لئے کہ آپ اس کام کے لئے مامور تھے، مولانا عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ حضرت مجددؒ کا شیخ حمید پر ایسا تصرف دیکھ کر مجھے حضرت سے مزید اخلاص اور اعتقاد پیدا ہوا۔ اور جب کبھی کوئی شخص مولانا سے حضرت مجددؒ کی کوئی کرامت دریافت کرتا تو وہ اسی واقعے کو جو یہاں مختصر بیان ہوا شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے۔

اجازت وخلافت: اس کے بعد شیخ نے مقامات جذب وسلوک طے کر کے درجۂ ولایت حاصل کیا اور خلافت سے مشرف ہوئے، جیسا کہ مشائخ کا دستور ہے کہ اپنے خلیفہ کو رخصت کرنے کے وقت خرقۂ ارشاد وخلافت عنایت فرماتے ہیں، شیخ نے حضرت مجددؒ سے ایک جوتی بطور تبرک کے طلب کی۔ حضرت نے دیدی۔ شیخ نے اسے لے کر اور اپنے منہ میں رکھ کر بصد گریہ وزاری وبیقراری، الٹے پاؤں روانہ ہوئے، جو لوگ ان کو پہنچانے کے لئے گئے تھے کہتے تھے کہ شیخ اسی ہیئت سے جارہے تھے، پھر اس جوتی کو انھوں نے اپنی پگڑی میں باندھ لیا اور سر پر تاج کی طرح رکھے وطن کو گئے۔

اگر اس کوچے کی کچھ خاک مل جائے مجھے وہ تاج سے بہتر نظر آئے

(حضرات القدس: ص ر ۲۹۴)

ف: سبحان اللہ! یہ تھا حضرت مجدد صاحبؒ کا تصرف جس سے مولانا عبدالحمید صاحبؒ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء (مرتب)

وفات: آپ نے سنہ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ حبیب الرحمٰن جو صاحب احوال ومقامات تھے اور استقامت وکرامت والے تھے سجادہ نشین ہوئے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ (حضرات القدس ص ر ۲۹۴)

حضرت مولانا شہباز محمد بھاگل پوریؒ (بہار) المتوفیٰ ۱۰۵۰ھ

نام ونسب: نام شہباز محمد والد کا نام محمد الخیر ہے، بعض تذکرہ میں والد کا نام خطاب اور دادا کا نام خیر العین بخاری لکھا ہے۔ آپ شیخ کمال الدین حسینی ترمذی کی نسل سے ہیں۔

حضرت شہباز محمدؒ کے والد محترم حج بیت اللہ سے فیضیاب ہونے کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ دیورا تشریف لائے اور حضرت سید شاہ محمدؒ کے دولت کدہ پر اقامت پذیر ہوئے، حضرت مولانا شہباز محمدؒ اس وقت اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۹۵۶ھ میں ہمایوں بادشاہ کے عہد میں دیورا میں ہوئی۔

بھاگل پور آمد: حضرت مولانا شہباز محمدؒ نے شیخ شاہ محمد دیوریؒ سے علم حاصل کیا، اور طریقت کا علم شیخ یاسین سلمانویؒ سے حاصل کیا، اور بھاگلپور منتقل ہو گئے، اس وقت ان کی عمر تیس سال کی تھی، وہ جگہ جہاں آپ نے سکونت اختیار کی، وہ ”ملا چک“ کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ ”تذکرہ صادقہ“ کے مطابق حضرت مولانا شہباز محمدؒ تیس سال کی مدت ”دیورا“ میں بسر کرنے کے بعد ۹۸۵ھ میں شہر بھاگلپور میں رونق افروز ہوئے، اور وہاں درس وافادہ شروع کیا۔

فضل وکمال: حضرت مولاناؒ علم وفضل میں کامل تھے، اور زہد وتقوی میں بھی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

حضرت مولاناؒ بنگال اور بہار میں اشاعت اسلام کی بڑی خدمت کی، آپ

کی خانقاہ سے محبت اور اخوت کی تعلیم ہندوستان کے بیشتر حصوں میں پہنچی، سیالکوٹ، ڈھاکہ، پنڈوہ، میدنی پور، بردوان، تیگھڑہ، پٹنہ اور انبالہ کے قرب وجوار کے علاقے اسلام اور روحانیت سے روشن ہوئے۔

حضرت مولانا شہباز محمدؒ ہمیشہ درس وتدریس میں مشغول رہے، آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس میں آپ خود بھی درس دیا کرتے تھے، آپ کے مدرسہ نے اشاعت علم دین وتصوف میں اہم کردار ادا کیا۔ بڑے بڑے علماء اس درسگاہ سے فیضیاب ہوئے۔ فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں بھاگلپور کے شیخ رضی الدین بھی تھے، جو مدرسہ شہبازیہ کے فیض یافتہ تھے۔ مؤلف تذکرہ صادقہ کے مطابق حضرت مولانا شہباز محمدؒ سے صدہا طالب فیضیاب ہوئے اور بلند منازل پر پہنچے، اور صدہا حضرات آپ کی صحبت میں رہ کر اولیائے کاملین میں سے ہوئے۔

حضرت مولانا کے تصنیف میں سے شرح ستین شریف کا پتہ چلتا ہے۔ جس کو مولانا احسن اللہ نے ۲۰۴ ر صفحات میں قلمبند کیا ہے۔

درس وتدریس: حضرت مولانا کو درس وتدریس سے بے انتہا شغف تھا۔ ہمیشہ درس وتدریس میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ اپنے مرض وفات میں بھی درس کو نہیں چھوڑا۔ مشکوٰۃ شریف کے درس سے فارغ ہوئے تھے کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

وفات: حضرت مولانا شہباز محمدؒ کی وفات ۱۶ ر صفر سنہ ۱۰۵۰ھ سنہ ۱۶۴۰ء میں بھاگلپور میں ہوئی، اور وہیں دفن کئے گئے۔ جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ لفظ غمی سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ گنج ارشدی میں ہے کہ سنہ ۱۰۶۰ھ سنہ ۱۶۵۰ء میں وفات پائی، لیکن اول راجح ہے۔ (تذکرہ علماء بہار، ج ۱ ص ر ۱۲۰)

حضرت تاج العارفین شیخ تاج الدین سنبھلی ؒ المتوفی ۱۰۵۱ھ

نام ونسب: نام تاج الدین، تاج العارفین خطاب، والد کا نام زکریا بن سلطان ہے۔

روحانی تعلیمات: سنبھل میں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد شیخ طریقت کی تلاش میں بہت سے شہروں کا سفر کیا۔اجمیر اور ناگور میں بھی آپ نے اپنے قیمتی اوقات گذارے اور استفادہ کیا۔پھر وہاں سے شیخ کی طلب میں نکلے، پہاڑوں،جنگلوں،غاروں،اونچی جگہوں میں چکر لگا کر آخر شیخ اللہ بخش شطاری، الکڈہ مکتیسری کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان سے اُت ومحبت سے ملاقات کی اور یہ بتایا کہ میں خاص تمہارا منتظر تھا۔مگر شیخ کا یہ پرانا دستور تھا کہ ایسی سخت محنت ومشقت کا کام لئے بغیر جس سے نفس ٹوٹ جائے اور تزکیہ حاصل ہو سکے کسی کو بھی اپنی خدمت میں داخل نہ کرتے۔اس لئے فرمایا کہ اتنا زیادہ پانی جوان کی طاقت سے زیادہ تھا مطبخ تک پہونچایا کرو۔اس کام کو کرتے ہوئے جب تین ماہ پورے ہو گئے تو شیخ نے ان سے کہا کہ اب تمہارا کام پورا ہو گیا۔پھر ان کو عشقیہ ذکر کی تلقین کی تو اس میں بھی مشغول رہے۔اور ہمیشہ ان کی خدمت کرتے رہے یہاں تک کہ کمال اور تکمیل تک پہنچ گئے۔اور شیخ نے طریقہ عشقیہ وقادریہ وچشتیہ ومداریہ کی اجازت دیدی۔اور ہر طریق کے بڑے نے بھی ان کو اجازت دیدی۔اسی طرح شیخ نجم الدین کبری کی روحانیت سے طریقہ کبرویہ کی بھی اجازت حاصل ہو گئی۔

سلوک کے بیان میں ان کا ایک رسالہ بھی ہے۔ شیخ کی انھوں نے دس سال خدمت کی پھر جب بڑے شیخ محمد عبدالباقی نقشبندی لاہور پہنچے تو ان کو ایک خط لکھا اس وقت شیخ تاج الدین سنبھل میں تھے۔ جب ان کے پاس ان کے شیخ کا خط پہنچا فوراً ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے اکابر نقشبندیہ پر توجہ کیا جو صرف تین دنوں میں ہی یہ سلوک ختم ہوگیا پھر شیخ نے ان کو اجازت دی۔ ان کے ساتھ دس سال رہے۔ (ترجمہ نزہۃ الخواطر: ج/۵ ص/۱۵۹)

اجازت وخلافت: حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ شیخ تاج الدین سنبھلیؒ خواجہ باقی باللہ کے پہلے خلیفہ تھے اور وہ آخر میں مکہ معظمہ میں مقیم ہوگئے تھے اور وہیں سپرد خاک ہوئے، فقیر نے اہل مکہ کو متأخرین مشائخ ہند میں سے کسی کا اتنا معتقد نہیں پایا جتنا کہ وہ شیخ تاج الدینؒ کے معتقد تھے، مکہ والے ان کی کثرت سے کرامات بیان کرتے تھے، مولانا کشمی فرماتے ہیں: میں نے شیخ تاج الدین کی زبانی سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حضرت خواجہ مجھے اجازت دینے پر مأمور ہوئے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ شیخ تاج الدین بھی اگر خواب میں دیکھ لے کہ اکابر نقشبندیہ میں سے کوئی اس کے حق میں اجازت کا اشارہ کرتا ہے تو اچھا ہو، چنانچہ میں نے خواب میں دیکھا کہ خطۂ بخارا میں حضرت ٔیزان علی رامتینی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوں، انہوں نے اپنی کلاہ مبارک میرے سر پر رکھی اور بیحد عنایات فرمایا۔

جب حضرت خواجہ کے سامنے میں نے یہ خواب بیان کیا تو اس کو سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور جو کچھ ان کے دل میں بات آئی تھی؛ اس کا ذکر اس وقت فرمایا، جب حضرت خواجہ نے اجازت تلقین مرحمت فرمادی تو شیخ تاج الدین کی

نظر میں ایک خاص تاثیر نمودار ہوئی ،جس کی وجہ سے جس کسی کو طریق کی تعلیم دیتے تھے تو اس پر جذبات کا غلبہ ہو جاتا تھا اور فوراً وہ احوال رفیعہ ظہور پذیر ہو جاتے تھے۔(تذکرہ خواجہ باقی باللہ،ص:۹۰)

اجازت ملنے پر اپنے وطن سنبھل کو روانہ ہو گئے ،جب وہاں پہونچ کر ارشاد وہدایت کی طرف متوجہ ہوئے تو وہاں بعض حاسدوں نے ان پر زبان ملامت دراز کی۔

آپ کے شیخ کا مکتوب: آشنا اور بے گانہ کی ملامتوں سے تنگ آ کر شیخ نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں عریضہ لکھا،اس کے جواب میں ایک مفصل گرامی نامہ ارقام فرمایا گیا،اس کے چند جملے یہ ہیں:

”اہل سنبھل سے طعن و تشنیع کا خیال نہ کرو،ان بیچاروں پر رحم کھاؤ؛ کیونکہ وہ لوگ راہ عقل سے ہٹ گئے ہیں،(اور بے عقلی کے شکار ہو گئے ہیں) الحمد للہ کہ ملامت سننا اولیاء کا خاص حصہ ہے،میں خود اس معاملہ میں ایک مستقل نظریہ رکھتا ہوں،وہ یہ ہے کہ جب کوئی ملامت کرتا ہے تو اپنے اندر غور کرتا ہوں،اس وقت مجھے اپنی ایک نہ ایک بد صفتی ضرور نظر آتی ہے اور اس ملامت کو اپنے حق میں موعظت تصور کرتا ہوں،تم بتاؤ تو سہی کہ اہل سنبھل کی ملامت سے تمہارا کیا بگڑ جائے گا ؟کیا تمہاری عبادت قبول نہ ہوگی ؟یا تمہاری صفائی قلب برطرف (زائل) ہو جائے گی یا درگاہِ خداوندی سے تم کو رد کر دیا جائے گا؟(ہرگز نہیں) ۔

معشوق ترا و برسر عالم خاک۔

(یعنی محبوب کو پیش نظر رکھو اور سارے عالم پر خاک ڈال دو)

والسلام۔ (تذکرہ خواجہ باقی باللہ ص:۹۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مکتوب: الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

آپ کے ”دوام مسرت لزوم“ کی خبر نے ”محبان مشتاق“ کو فرحت فراواں بخشی۔ الحمد للہ

انصاف بدہ اے فلکِ مینا فام تازیں دو کدام خوب تر کرد خرام؟

خورشیدِ جہانتاب تو از جانبِ مشرق یا ماہ جہاں گردمن از جانبِ شام؟

اے فلکِ نیلگوں انصاف سے کہنا کہ تیرے مہر جہاں تاب کا خرام جانب شرق سے بجانب غرب خوب تر ہے، یا میرے ماہ جہاں گرد (شیخ تاج الدین) کا خرام جانب شام سے بجانب ہندوستان بہتر ہے۔

جب آپ ہندوستان تشریف لے آئے ہیں تو جلد (ہمارے پاس بھی) تشریف لے آئیں ہم آپ کی آمد کے مشتاق ومنتظر ہیں، اور (آپ کی زبانی) بیت اللہ شریف کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک جس طرح کعبۂ ربانی کی صورت ظاہر تمام خلائق (بشر وملک) کی صورتوں کے لئے مسجود الیہا ہے (یعنی صورت کعبہ کو تمام مخلوقات اپنے سجدے کی سمت، بہ حسب ظاہر بناتی ہے) اسی طرح کعبہ شریف کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کی حقیقت کا مسجود الیہا ہے۔

یقیناً حقیقتِ کعبہ تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے، اور حقیقت کعبہ کے کمالات متعلقہ تمام خلائق کے کمالات متعلقہ سے فائق ہیں۔ گویا کہ حقیقت کعبہ، حقائق کائنات اور حقائق الٰہی کے درمیان، برزخی حالت رکھتی ہے۔ حقائق الٰہی سے میری مراد پردہ ہائے عظمت وکبریائی ہیں، کیونکہ کوئی رنگ وکیف حق سبحانہ کے ”دامان قدس“ تک نہیں پہنچتا، اور کوئی ظلیت اس تک راستہ نہیں پاتی۔ اُوجات

وظہورات دنیوی کی انتہاء بس حقائق کائنات تک ہے۔حقائق الٰہی سے کوئی حصہ ملنا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، مگر نماز میں کہ وہ معراج مومن ہے، اور اس میں (وقتی طور پر) گویا دنیا سے آخرت میں چلا جانا ہوتا ہے، آخرت میں جو نصیب ہوگا اس کا کچھ حصہ نماز میں میسر ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس دولت کے حصول میں عمدہ شئی نمازی کا نماز میں جہت کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

بیرون نماز اور اندرون نماز کی حالت میں فرق: جہت کعبہ ''ظہورات حقائق الٰہی'' کا مقام ہے۔ پس کعبہ، دنیا میں عجیب ترین جگہ ہے، بظاہر دنیا سے ہے اور حقیقت میں آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ نماز نے بھی کعبہ کے تعلق سے یہی حیثیت پیدا کرلی ہے۔ نماز بھی صورت وحقیقت میں جامع دنیا وآخرت ہو گئی ہے، یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ جو حالت ادائے نماز کے وقت میسر ہوتی ہے وہ ان تمام حالات سے اونچی ہے جو بیرون نماز حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ بیرون نماز والے حالات دائرہ ظل سے باہر نہیں نکلتے۔ ہر چند کے وہ حالات بلند ہوں۔ اور نماز والی کیفیت وحالت ''اصل'' سے حصہ رکھتی ہے اور جس قدر فرق ظل واصل میں ہے اسی قدر فرق، بیرون نماز والی حالت اور اندرون نماز والی حالت میں سمجھنا چاہئے۔

اس فقیر کو دکھایا گیا ہے کہ جو حالت اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بوقت موت ظاہر ہوگی وہ حالت نماز سے بھی اونچی ہوگی، اس لئے کہ موت، احوال آخرت کے مقدمات میں سے ہے، اور جو چیز آخرت سے قریب ہے وہ اتم واکمل ہے اس لئے کہ دنیا میں ظہور صورت ہے اور آخرت میں ظہور حقیقت ہے اور ان دونوں میں

بہت بڑا فرق ہے۔ایسی ہی وہ حالت جو بہ کرم الٰہی ”برزخ صغریٰ“ (قبر) میں میسر ہوگی وہ اس حالت سے بڑھ کر ہوگی جو بوقت موت ہوتی ہے، یہی نسبت ”برزخ کبریٰ“ (قیامت) برزخ صغریٰ سے رکھتی ہے اس لئے کہ برزخ کبریٰ کا ”مشہود“ اتم واکمل ہے اور جنت کا مشہود برزخ کبریٰ کے مشہود کی بہ نسبت اتمیت اور اکملیت رکھتا ہے۔دنیا ظہور کا محل بالکل نہیں ہے، دنیا کے ساتھ جو ظہورات ظلال اور نمودار مثال مخصوص ہیں وہ فقیر کے نزدیک امور دنیویہ میں سے ہیں، اور فی الحقیقت داخل دائرۂ امکان ہیں۔ان ظہورات دنیا کا کچھ بھی نام رکھ لیں، خواہ تجلیات صفات، خواہ تجلیات ذات، اللہ تعالیٰ ان سے وراء الوراء ہے۔

فقیر جب دنیا کو نظر غور سے دیکھتا ہے تو محض خالی پاتا ہے، خوشبوئے مطلوب اس مقام سے مشام جاں میں نہیں آتی، زیادہ سے زیادہ یہ دنیا مزرعۂ آخرت ہے۔ یہاں مطلوب کو ڈھونڈھنا اپنے آپ کو پریشان کرنا ہے، یا غیر مطلوب کو مطلوب سمجھ بیٹھنا ہے۔چنانچہ اکثر لوگ اسی (دھوکے) میں گرفتار ہیں اور خواب وخیال سے تسلی پارہے ہیں۔بلاشک نماز، دنیا میں ایسی شئی ہے جو اصل کی خبر دے رہی ہے، اور خوشبوئے مطلوب بہم پہنچاتی ہے۔

(تجلیات ربانی: ص ر ۱۹۴)

کلمات طیبات: آپ کے کلمات طیبات میں سے چند یہ ہیں؛ جو آپ نے رسالہ ”طریقۂ نقشبندیہ“ کے شروع میں تحریر کئے تھے۔

”جان تو! اللہ تجھے توفیق نیک دے کہ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ سرہم کے معتقدات وہی ہیں، جو اہل سنت والجماعت کے ہیں اور ان کا طریق دوام

عبودیت ہے، جس کے بغیر ادائے عبادت متصور نہیں، دوام حضور مع الحق اسی کو کہتے ہیں اور یہ سعادت عظیمہ بغیر تصرف جذبہ الہیہ حاصل نہیں ہو سکتی اور جذبہ الہیہ کے حصول کا ذریعہ صحبت شیخ کامل سے بہتر اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

شیخ ابو علی دقاق ؒ نے فرمایا ہے کہ وہ درخت جو خود رو ہوتا ہے اس میں اول تو پھل ہی نہیں آتے اور اگر آتے بھی ہیں تو بے مزہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ کوئی نہ کوئی سبب موجود ہو، جس طرح ظاہری توالد وتناسل بغیر ماں باپ کے حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح معنوی توالد بھی بغیر مرشد کے مشکل ہے۔"

وفات: آپ نے بدھ کے دن قبل غروب ۱۸ر جمادی الاولی سنہ ۱۰۱۵ھ میں وفات پائی اور جمعرات کے دن صبح کو اس قبرستان میں جو کوہ قعیقعان (بروزن زعیفران) مکہ مکرمہ میں واقع ہے، مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(تذکرہ خواجہ باقی باللہ ص:۹۸)

حضرت سید آدم کاظمی بنّوریؒ المتوفی ۱۰۵۳ھ

نام وولادت: نام سید آدم، والد کا نام سید اسمٰعیل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کبار میں ہیں، آپ کے والد ماجد کو خواب میں آپ کی پیدائش کی بشارت نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ملی تھی، سرہند کے قریہ بنّور (بفتح باو تشدید نون) میں آپ کی ولادت ونشو نما ہوئی۔

آپ کی باطنی تربیت: آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک مرید حاجی خضر روغانی سے ملتان میں روحانی استفادہ کیا اور دو ماہ ان کی خدمت میں رہ کر شیخ کے حکم سے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان کے پاس مدت تک مقیم رہ کر طریقت کی تحصیل کی، ''خلاصۃ المعارف'' میں ہے کہ شیخ محمد طاہر لاہوری کی خدمت میں آپ کو ربانی کشش حاصل ہوئی جو انہیں اپنے شیخ اسکندرؒ سے اور انہیں اپنے دادا شیخ کمال الدین کیتھلی سے حاصل ہوئی تھی، فی الجملہ آپ اس رتبے کو پہونچے جہاں آپ کے بہت سے معاصر مشائخ نہیں پہونچ سکے، آپ کا طریقہ شریعت محمدیہ اور سنتِ نبویہ کا اتباع تھا، جس سے اپنے اقوال وافعال میں سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔

آپ کی خانقاہ کا حال: آپ سے ایک خلق نے استفادہ کیا، کہا جاتا ہے کہ آپ سے چار لاکھ مسلمانوں نے بیعت کی اور ان میں سے ایک ہزار نے علم ومعرفت کا وافر حصہ پایا، کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار آدمیوں سے کم

تعداد شاید ہی کسی دن رہتی ہو، سب لوگ آپ کے مہمان ہوتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے، ''تذکرہ آدمیہ'' میں ہے کہ حضرت سید آدم جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے ساتھ دس ہزار اکابر ومشائخ اور ہر طبقہ کے افراد تھے، شاہ جہاں بادشاہ بھی ان دنوں لاہور ہی میں تھا جسے ان کی مقبولیت سے تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں کو شیخ کے پاس بھیجا، مگر اس ملاقات میں بدمزگی کے سبب، وزیر مذکور نے بادشاہ سے شیخ کی شکایت کی، جس کے نتیجے میں بادشاہ نے انہیں حرمین شریفین کے سفر کا حکم دے دیا، چنانچہ آپ نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حجاز کا رخ کیا اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت: ج ر ۴ ص ر ۳۵۸)

''حضرات القدس'' کے مؤلف شیخ بدرالدین سہروردیؒ آپ کے حالات کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں۔

فضل وکمال: آپ حضرت مجددؒ کے مشہور خلفاء میں سے تھے اور جلیل القدر اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے تھوڑی سی صحبت ہی میں فوائد کثیرہ احوال ومقامات عظیمہ اور درجات عالیہ اپنی استعداد وصلاحیت بلکہ حضرتؒ کی توجہ اور تصرف کی وجہ سے حاصل کئے اور خلافت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ اتباع سنت اور رفع بدعت میں مشہور تھے اور شریعت وطریقت میں کمال استقامت رکھتے تھے۔ آپ کا شیوہ یہ تھا کہ سخاوت اور نفقۂ موجود کو خرچ کرنے میں محتاج وتونگر، نائب وامیر، خادم ومخدوم، فرزند ودرویش کے درمیان فرق نہیں

کرتے تھے۔ آپ کے لئے نیک اور صالح درویش پوری جمعیت اور کامل طہارت کے ساتھ کھانا پکاتے اور سب کو برابر تقسیم کرتے۔ آپ کی مجلس میں ریا اور دکھاوٹ کی گنجائش نہ تھی۔ اور آپ کی محفل میں فقیر و غنی کو کوئی فضیلت نہ تھی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کا طریقہ تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اہل دنیا کو ایسی سختی سے بات کہتے کہ کسی اور میں اس طرح کہنے کی جرأت نہ تھی۔ ایسی سختی کے باوجود آپ کی بات کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ جس سے بھی آپ فرماتے بہت جلد اثر ہوتا اور لوگ اسی وقت توبہ و انابت پر آجاتے۔

آپ کی گفتگو اکثر امر بالمعروف یا حقائق و معارف پر ہوتی۔ رسمی طور کی باتیں آپ سے بہت کم سنی گئیں اور اگر بالفرض کبھی ایسی بات ہوئی تو اس کے ضمن میں نصیحت اور حکمت ہوتی اور آپ کی صحبت تمام بری باتوں، برے اخلاق اور دنیا کی محبت سے پاک وصاف کر دیتی۔ آپ اپنے زمانے میں روئے زمین کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے خلفاء ایک سو کے قریب اور آپ کے مریدین ایک لاکھ بلکہ اس سے زیادہ ہوں گے۔ الغرض کہ آپ کو بہت مقبولیت حاصل تھی اور اطراف عالم سے لوگ جوق در جوق چلے آتے تھے اور آپ کی صحبت کی سعادت حاصل کر کے تائب ہوتے تھے۔ اکثر اوقات درویشوں اور فقیروں کی کثیر جماعت آپ کے ساتھ ہوتی تھی اور سب کو برابر کھانا دیا جاتا تھا۔

ارشادات

شیخ آدمؒ نے مجھ (مصنف حضرات القدس) سے بتایا تھا کہ میرے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے سینۂ مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کوئی چیز اس سے نکال کر میرے والد کو دی کہ کھالو۔ میرے والد نے وہ کھالی۔ اس کے بعد میں اپنی والدہ کے پیٹ میں آ گیا اور اب مجھے بتایا گیا کہ میرا وجود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عطیۂ مبارکہ سے ہے۔

شیخ آدم ؒ نے اس فقیر سے یہ بھی بتایا کہ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ چراغِ حکمت روشن کیا گیا ہے اور اسے مکان کی چھت سے لٹکا دیا گیا ہے جب والدہ نے یہ خواب میرے والد کو بتایا تو انھوں نے تعبیر دی کہ تمہارا ایک نورانی بیٹا پیدا ہوگا۔

شیخ آدم ؒ نے یہ بھی اس فقیر سے کہا کہ میں نے پہلے حضرت مجدد ؒ کے خلیفہ حاجی خضر کی خدمت میں طریقۂ ذکر سیکھا تھا۔ اور احوال عالیہ بھی حاصل ہوئے تھے۔ جب میں نے حاجی صاحب کو اپنے واردات بیان کئے تو انھوں نے فرمایا کہ ''اس سے زیادہ مجھے نہیں آتا۔ اب تم حضرت مجدد صاحب ؒ کی خدمت میں جاؤ'' میں حاجی صاحب کی اجازت سے حضرت مجدد ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حاصل شدہ واردات آپ کی خدمت عالیہ میں عرض کئے۔ آپ نے فرمایا کہ ''یہ تو ابتدائی حالات ہیں، کمال ابھی نہیں ملا''۔ میں اس بات سے یہ سمجھا کہ حضرت نے میرا شوق بڑھانے کے لئے ایسا فرمایا ہے ورنہ اس سے زیادہ اور کیا کمال ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے حضرت سے بہت عقیدت تھی اس لئے خدمت ہی میں رہا۔ کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ جو واردات مجھے حضرت ؒ کی خدمت میں رہنے سے حاصل ہوا ہے اس کے مقابلے میں وہ تو ابتدائی کہلانے کے قابل نہیں۔ چند

ماہ کے بعد حضرت نے مجھے خلوت میں بلا کر اجازتِ ارشاد اور خلافت فرما کر بنور کے لئے رخصت فرما دیا، وہاں میں نے محض حکم کی تعمیل میں کچھ لوگوں کو ذکر کا طریقہ بتایا۔ لیکن میرا دل، مسند مشیخت پر بیٹھنے کو راغب نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا تو حضرتؒ نے کشف سے معلوم فرما لیا کہ مجھے اس کام میں سرگرمی نہیں ہے۔ فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا کہ ہدایت دینے کی صلاحیت کے باوجود تم نے خود کو ہدایت سے الگ کیوں رکھا؟'' چنانچہ حضرتؒ نے اس کام کے لئے تاکید فرمائی اور اصرار بھی فرمایا تو مجبوراً اس کام میں سرگرمی سے مصروف ہوگیا۔ (حضرات القدس: ص ر ۳۶۴)

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے خود بیان فرمایا کہ حضرت سید آدم بنوریؒ سے کسی نے حدیث پاک سُؤرُ المؤمن شفاءٌ کے متعلق پوچھا کہ مومن کا جھوٹا آخر کس مرض سے شفا ہے؟ تو معاً جواب دیا کہ مرض کبر سے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب ساکت کرنے والا بلکہ الہامی جواب ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے، متکبر آدمی کسی کا جھوٹا نہیں پیتا۔ ہاں اگر کسی کو طبعاً کراہت معلوم ہو جس کی بنا پر گوارا نہیں ہوتا تو معاف ہے۔ (مرتب)

آپ کے خلفاء میں حضرت علم اللہ صاحب رائے بریلوی بھی ہیں جن کا تذکرہ بھی اسی جلد میں مذکور ہے۔

حقائق و معارف میں شیخ آدم بنوریؒ کی متعدد کتب و رسائل ہیں، جن میں فارسی میں دو جلدوں میں ''خلاصۃ المعارف'' نامی کتاب ہے جس کی ابتداء اس طرح ہوئی ہے:

"الحمد لله رب العٰلمين حمدًا كثيرًا بقدر كمالات اسمائه والآئه الخ۔۔۔ان کی کتابوں میں نکات الاسرار بھی ہے۔

شیخ آدم بنوریؒ امی تھے،انہوں نے کسی سے علم کی تحصیل نہیں کی تھی۔

ف: اس کے باوجود ایسے علوم ومعارف،تو یہی کہا جائے گا کہ آپ کو علم لدنی حاصل تھا ۔

خم کہ از دریا درو راہے بود پیش او جیحونہا بازو نہد

مولانا رومؒ

جس مٹکے کا راستہ دریا سے ہوگا تو اس کے سامنے نہریں سرنگوں ہوجائیں گی۔

وفات: آپ نے ۲۳؍شوال المکرم ۱۰۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایااور جنت البقیع میں قبۂ سیدنا عثمانؓ (۱) کے پاس دفن ہوئے۔نور اللہ مرقدہ

(تاریخ دعوت و عزیمت:ج؍۴،ص؍۳۵۸)

---

(۱) مگر اب قبہ نہیں ہے۔(مرتب)

حضرت شیخ بدرالدین سرہندیؒ المتوفی ۱۰۵۸ھ کے بعد

نام ونسب: شیخ بدرالدین سرہندیؒ سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما ہوئی۔ آپ مجدد صاحبؒ کے خلیفہ ہیں۔

تعلیم وتربیت: صاحب ترجمہ حضرت شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے خود اپنے حالات اپنی تصنیف ''حضرات القدس'' میں نقل کیا ہے، اسی سے چند مفید اقتباس نقل کرتا ہوں۔

چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق متوفی ۱۰۲۵ھ کے حالات میں نقل کرتے ہیں کہ میں نے مطول باحاشیہ میر، شرح عقائد باحاشیہ خیالی، تحریر اقلیدس اور شرح مطالع باحاشیہ میر خواجہ محمد صادق سے پڑھا ہے۔ اوران کے انتقال کے بعد شرح مواقف، تفسیر بیضاوی اور حاشیہ عضدی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پڑھا ہے۔ (حضرات القدس: ص ر ۲۰۴)

تصنیف: آپ نے ایک کتاب ''حضرات القدس'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے جس کے دفتر اول میں خلفاء راشدین کی مختصر سیرت لکھنے کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت خواجہ عبدالباقی (باقی باللہؒ) تک تمام نقشبندیہ بزرگوں کے حالات درج کئے ہیں۔ اوراس کتاب کے دفتر دوم میں مجدد الف ثانیؒ اور صاجزادگان اور خلفاء کے حالات درج کئے ہیں جس سے اس حقیر نے بھی اقتباسات اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔

نیز مؤلف نے کتاب کے اخیر میں اپنے مختصر احوال اور حضرت مجدد صاحبؒ سے خط وکتابت کا تذکرہ کیا ہے، نیز مکتوبات بھی نقل کئے ہیں۔اس کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

اپنی سوانح کے تذکرے کو مؤلف یوں شروع کرتے ہیں۔

یہ مسکین بدرالدین عفی عنہ اس قابل نہیں کہ خود کو حضرت مجددؒ کے مریدوں کے زمرے میں شامل کرے۔لیکن چونکہ آپ کی زبان الہام ترجمان سے بعض کلمات مبارکہ سنے تھے اور آپ کے خوارق دیکھے تھے اور آپ کے احوال اور واردات سے آگاہ ہوا تھا اور اس کتاب مستطاب کو اسی نہج سے تالیف کیا ہے، اس لئے یہ ایک اتفاق ہے کہ مجھ نائیب کا نام بھی اس جماعت میں شامل ہو رہا ہے۔(حضرات القدس:ص/۳۶۸)

اب مجدد صاحبؒ کا مکتوب نقل کرتا ہوں۔

مکتوب: (یہ اُبی زبان کا ایک طویل مکتوب گرامی ہے جس میں اسرار قضا وقدر کا بیان ہے۔اس کے آخری حصہ کا ترجمہ کیا گیا ہے)

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت ووسعت کے مطابق مکلف کیا ہے اور انسان کی تکلیف میں تخفیف کا لحاظ رکھا ہے۔اس کی خلقت کے ضعیف ہونے کی وجہ سے۔جیسا کہ خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اللہ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے تمہارا بوجھ اور انسان تو ضعیف پیدا ہوا ہے۔

اللہ آسانی وتخفیف کیوں نہ کرے جب کہ وہ حکمت والا، مہربانی کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔یہ بات حکمت، رأفت (مہربانی) اور رحمت کے مناسب

نہیں کہ وہ اپنے بندے کو ایسی چیز کی تکلیف دے جس کو وہ برداشت نہ کر سکے۔ اس نے انسانوں کو کسی بھاری پتھر کے اٹھانے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس نے تو ان چیزوں کا حکم دیا ہے جو بندے پر آسان سے آسان تر ہیں۔ پانچ وقت کی نمازوں ہی کو دیکھو جو قیام ورکوع اور سجدہ وقرأت پر مشتمل ہیں۔ یہ سب کام آسان اور انتہائی آسان ہیں۔ ایسے ہی روزہ ہے جس میں نہایت سہولت رکھی ہے۔ زکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ میں (سال بھر گذرنے پر مال نصاب کا) چالیسواں حصہ واجب کیا گیا ہے۔ تمام مال یا نصف مال زکوٰۃ میں دینا واجب نہیں کیا گیا تاکہ بندوں پر دشواری نہ ہو۔ کمال رحمت ہی کی بناء پر اس نے عذر کی موجودگی میں اصل مامور بہ کا بدل وعوض مقرر فرما دیا ہے۔ چنانچہ وضو کا بدل تیمم قرار دیا ہے، اسی طرح اجازت دی ہے کہ جو شخص کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے، اور جو بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو وہ لیٹ کر نماز ادا کرے۔ ایسے ہی جو شخص رکوع وسجود پر قدرت نہ رکھتا ہو وہ اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی سہولتیں ہیں جو اس شخص پر پوشیدہ نہیں ہیں جو نظر انصاف سے احکام شرعیہ کو دیکھتا ہے۔ نظر انصاف سے دیکھنے والا تمام احکام شرعیہ کو انتہائی آسان اور سہل پائے گا۔ نیز بندوں کو جن باتوں کا مکلف کیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی کمال مہربانی دیکھے گا۔

اس بات کی گواہ کہ تکلیف شرعی میں تخفیف وآسانی موجود ہے۔ عوام کی شرعی احکام میں کچھ اور زیادہ تکلیف کی تمنا کرنا ہے۔ چنانچہ بعض عوام فرض روزوں کی مقررہ تعداد سے اور زیادہ ہونے کی تمنا کرتے ہیں اور بعض عوام نماز

فرض میں زیادتی کی تمنا کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ کاش فرض روزے بھی کچھ زیادہ ہوتے اور فرض نمازیں بھی زائد ہوتیں) ان کی یہ زیادتی کی تمنا اسی بنا پر ہوتی ہے کہ احکام شرعیہ میں انتہا درجے کی رعایت تخفیف (پہلے سے) موجود ہے۔ بعض کو جو احکام شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی محسوس نہیں ہوتی، یہ بات ظلمات نفسانی اور کدورات طبعیہ کی بناء پر ہے۔ یہ ظلمات نفسانیہ اور کدورات طبعیہ نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں، اور نفس امارہ ظاہر ہے کہ عداوت حق پر آمادہ رہتا ہے۔

نماز میں دشواری کا سبب باطنی مرض بھی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: دشوار واقع ہوئی مشرکوں پر وہ بات جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں۔ نیز فرماتا ہے: بے شک نماز دشوار ہے مگر ان پر دشوار نہیں جو عاجزی اور فروتنی کرنے والے بندے ہیں۔ پس جس طرح ظاہری مرض ادائیگی احکام میں دشواری کا سبب ہو جاتا ہے، ایسے ہی باطنی مرض بھی دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ نفس امارہ کو کچلنے اور اس کے وسوسوں کو دور کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے۔ خواہش نفس اور اتباع شریعت دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، لہذا جب کوئی احکام شرعیہ میں دشواری محسوس کرے گا تو یہ بات اس کے اندر خواہش نفسانی کے موجود ہونے پر دلالت کرے گی۔ جس قدر دشواری محسوس ہوگی اسی قدر سمجھا جائے گا کہ خواہش نفس موجود ہے۔ اور جب نفس امارہ کی خواہش کلیۃً دفع ہو جائے گی تو پھر احکام شرعیہ میں احساس دشواری کا وجود بھی نہ رہے گا۔ (تجلیات ربانی: ص/۲۲۹)

ف: سبحان اللہ! کیا خوب بصیرت افروز وتسلی بخش مضمون ہے۔بغور پڑھنا چاہئے، اورلطف اندوز ہونا چاہئے، اور دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باطنی امراض سے شفا دے تاکہ باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔وباللہ التوفیق

(مرتب)

وفات: آپ کی متعین تاریخ وفات تو نہ معلوم ہوسکی البتہ حضرات القدس کے مقدمہ میں مکرم غلام مصطفیٰ خاں حیدرآبادی لکھتے ہیں کہ خود شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے (دفتر دوازدہم) میں خلفاء کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت میر محمد نعمان (المتوفی ۱۸؍صفر ۱۰۵۸ھ) کے نام کے ساتھ قدس سرہ لکھا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس تاریخ کے بعد تک لکھی جاتی رہی اور خود شیخ بدرالدین بھی اس تاریخ کے بعد تک زندہ رہے۔واللہ اعلم بالصواب۔(مقدمہ حضرات القدس:ص؍۸)

حضرت مولانا شاہ ابوالخیر بھیروی اعظمی مئوی المتوفی سنہ ۱۰۵۹ھ

نام ونسب: نام مولانا شاہ ابوالخیر، والد کا نام شیخ ابوسعید ہے۔آپ کے مورث اعلیٰ شیخ خضر فاروقیؒ ،فتنۂ تیموری کے زمانہ میں اپنے صاجزادے محمد بن خضر کو ساتھ لے کر دہلی سے جون پور آئے، یہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی جیسے نیک سیرت، علم دوست اور علماء نواز کا دورسلطنت تھا۔

ولادت: شاہ ابوالخیر کی ولادت سنہ ۱۰۰۸ھ میں بھیرا ضلع اعظمگڈھ (موجودہ ضلع مئو) یوپی میں ہوئی۔ان کے دادا شیخ معروف ثانی نے ان کا نام بہت پہلے یوں رکھا تھا کہ جس وقت ان کو اپنے صاجزادے ابوسعید کی پیدائش کی خبر ملی وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، اسی حال میں نومولود بچہ کا نام تلاش کیا تو دو نام سامنے آئے، ابوسعید اور ابوالخیر، دادا نے کہا کہ اس بچہ کا نام ابوسعید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو جو بچہ دے گا اس کا نام ابوالخیر ہوگا۔

تعلیم وتربیت: شاہ ابوالخیر نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کر کے طلب علم میں مختلف شہروں کا سفر کیا اور متعدد علماء سے استفادہ کر کے مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کی، نیز جوانی ہی میں مولانا شیر محمد برہانپوری متوفی سنہ ۱۰۸۲ھ سے بیعت وخلافت کا شرف پایا۔مولانا شیر محمد بن حسن حسینی برہانپوری مشہور مشائخ میں سے تھے، اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ دکن کی صوبہ داری کے زمانہ میں ان کو جلوت وخلوت اور سفر میں ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔شاہ ابوالخیر کی علمی شہرت ان کے ایام شباب ہی میں ہوگئی

تھی، اور دیار پورب سے لے کر دہلی تک ان کے علم وفضل کا تذکرہ ہونے لگا تھا حتیٰ کہ ۱۰۳۶ھ میں شاہجہاں تخت نشین ہوا تو انھوں نے دہلی کا سفر کیا۔

آپ کے استغناء کا حال: امیر الامراء نواب شائستہ خان نے نہایت ادب واحترام کے ساتھ ان کو اپنے یہاں رکھا اور ان سے حدیث، تفسیر اور تصوف کی تعلیم حاصل کی، شاہجہاں نے بھی ان کے ساتھ نیازمندی اور قدردانی کا معاملہ کیا، اور نواب شائستہ خاں کے ذریعہ درخواست کی کہ وہ کوئی شاہی منصب یا جاگیر قبول کرلیں، مگر انھوں نے استغناء کا اظہار کیا، نواب شائستہ خاں کی والدہ نیک عورت تھیں اور شاہانہ جاہ وجلال میں رہنے کے باوجود کسب حلال کے لئے دست کاری کرتی تھیں، اس نے شاہ ابوالخیر کی خدمت میں اپنی کچھ پس ماندہ رقم نذر کرنی چاہی مگر انھوں نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔

ایک مرتبہ شاہ ابوالخیر شاہ جہاں کے ہمراہ سیالکوٹ گئے، شاہجہاں نے وہاں کے مشہور بزرگ شاہ میرؒ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا، شاہ ابوالخیر موجود تھے۔ شاہ میرؒ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس ہدیہ کے مستحق شاہ ابوالخیر ہیں۔ انھوں نے بڑی محنت سے علم حاصل کیا ہے۔ شاہ میر کا یہ جملہ کام کرگیا۔ اور اس سے شاہ ابوالخیر کے احساس پر اس قدر بار گذرا کہ اسی وقت شاہی دربار سے بے تعلقی کا تہیہ کرلیا۔

حج کا سفر: شاہ ابوالخیر نے ۱۰۵۶ھ میں حج وزیارت کا ارادہ کیا، اس موقع پر نواب شائستہ خاں نے عرض کیا کہ میرا جہاز بیت اللہ کو جارہا ہے اگر آپ اجازت دیں تو افسروں اور ملازموں کو خدمت کے لئے کچھ ہدایات کردوں، شاہ ابوالخیر

نے یہ کہہ کر اس پیش کش کو بھی نامنظور کردیا کہ ”وائے برہمت وے کہ درراہ دوست وسیلہ غیر درمیان آرد“ اسی موقع پر شاہ ابوالخیر نے ”شیر وشکر“ کے نام سے فارسی زبان میں ایک کتاب تصنیف کی، جس میں چار ابواب ہیں۔ جن میں حرمین شریفین کی تاریخ، حج وزیارت کے مناسک ومسائل، اور اپنے خاندانی حالات درج کئے ہیں، اس موضوع پر شاید یہ پہلی کتاب تھی جو اس دورو دیار میں لکھی گئی۔

شاہ صاحب نے حج وزیارت کے بعد کچھ مدت حرمین شریفین میں رہ کر وہاں کے علماء ومشائخ سے فیض حاصل کیا، اور واپسی پر علائق دنیا سے یکسو ہوکر پھر بھیرا میں گوشہ نشینی اختیار کرلی، مناقب غوثی میں ہے کہ ”معاودت بوطن فرمود، وبلباس آزادانہ درولید پور تشریف آورد، درسلطان پور کہ الآن بہ بھیرا مشہور است بارا قامت نہاد“

شاہ ابوالخیر کے نکاح میں یکے بعد دیگرے تین بیویاں تھیں، پہلی بیوی شیخ عبداللہ چریاکوٹی کی صاحبزادی تھیں جن کے بطن سے شاہ اسماعیلؒ پیدا ہوئے، دوسری بیوی ملا محمود جونپوری کی بہن اور تیسری بیوی شیخ محمود قریشی بائسی مبارکپوری کی صاحبزادی تھیں، ان دونوں کے بطن سے کوئی اولاد باقی نہیں رہی۔

وفات: آپ کا انتقال ۱۲؍شوال المکرم ۱۰۵۹ھ کو ہوا۔ آپ کے صاحبزادے شاہ اسمٰعیلؒ نے دریائے ٹونس کے کنارے آبادی کے مغربی جانب بھیرا محمد آباد ضلع اعظم گڈھ (موجودہ ضلع مئو) میں دفن کیا۔ نور اللہ مرقدہ (دیار پورب کے علم وعلماء ص؍۲۳۱)

آپ ہی کے پرپوتے محبوب الرحمٰن حضرت مولانا شاہ ابوالغوث گرم دیوان المتوفیٰ ۱۱۷۸ھ ہیں جن کے فیض سے دیار پورب کے لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ ان کا تذکرہ انشاء اللہ اس کے بعد کی جلد میں ہوگا۔

حضرت سید جلال مقصود عالم بخاری گجراتی المتوفی ۱۰۵۹ھ

نام ونسب: نام سید جلال مقصود عالم، تخلص رضا ہے، والد کا نام سید محمد مقبول عالم ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۵ / جمادی الثانی ۱۰۰۳ھ احمد آباد گجرات میں ہوئی۔ وارثِ رسول سے ولادت کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

تعلیم وتربیت: گیارہ برس کی عمر میں حافظ قرآن ہوئے، اور مولانا حسین سیستانی رحمۃ اللہ علیہ سے کتب معقول ومنقول ختم کیا اور بقیہ کتب علوم وفنون مولانا شیخ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں تمام کر کے فارغ التحصیل ہوئے، سلوک وتصوف کی کتابیں والد ماجد سے پڑھی اور اسرار و معانی حاصل کئے، والد ماجد کے خلف الصدق وولد الرشید تھے، ہمیشہ والد کی اطاعت وفرمابرداری میں بسر کرتے تھے، ایام خورد سالی سے آپ کبھی والد کے مرضی کے خلاف نہیں کرتے تھے۔

ف: اسی کا ثمرہ تھا کہ اس مقام عالی تک پہونچے، وباللہ التوفیق۔ (مرتب)

اخلاق: آپ خوش مزاج وخوش اخلاق تھے، بردبار و پرہیزگار تھے، تحریر وتقریر میں عدیم المثل اور مروت وفتوت میں بے بدل تھے، آپ نے بمقتضائے اطاعت اولی الامر و بلحاظ انتفاع خلق اللہ شاہ جہاں بادشاہِ ہند کی ملازمت اختیار کی، بادشاہ نے از روئے قدردانی آپ کو منصب شش ہزاری وخدمت صدارت سے سرفراز فرمایا، آپ پنجاب میں لاہور کی صدارت پر مقرر تھے، خدمت مفوضہ کو

نہایت امانت و دیانت کے ساتھ ادا فرماتے تھے، اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَان کا مفہوم مدنظر رکھتے تھے، ظاہر میں عیش وعشرت وجاہ وحشمت سے زندگی بسر کرتے تھے، باطن میں اجداد واسلاف کے طریقہ پر قائم تھے، ریاضت وعبادت میں کوشش فرماتے تھے۔ تہجد گزار تھے، تہجد کی نماز کے بعد بارگاہ الٰہی میں مناجات اور یہ التجا کرتے تھے، الٰہی! مجھ کو عدل وانصاف کی ہدایت کر اور ظلم وجبر (زیادتی) سے دور رکھ۔

آپ کی قدر ومنزلت: مرآت احمدی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ آپ ۱۰۴۷ھ میں اکبرآباد گئے شاہجہاں بادشاہ سے ملاقات کی، بادشاہ نے آپ کا اعزاز واکرام کیا۔ چندروز قیام کر کے رخصت ہوئے، بادشاہ نے رخصت کے وقت دس ہزار روپیہ اور ایک دستار وشال مرحمت کیا، اور احمد آباد گجرات کے مشائخ کیلئے چھ سو اشرفی دی کہ وہاں تقسیم کریں، پھر اسی سال شاہ جہاں بادشاہ نے آپ کو آگرہ بلایا، اور پانچ سو اشرفی انعام اور پانچ ہزار روپیہ عنایت کر کے گجرات روانہ فرمایا، شاہ جہاں بادشاہ آپ کی بڑی عزت وتعظیم کرتا تھا۔

اور فرماتا تھا کہ سید بزرگ صحبت ومصاحبت کے لائق ہیں، اور آپ کی سفارش کو سنتا تھا، چنانچہ آپ کی سفارش سے مرزا عیسیٰ خاں ترخان گجرات کا صوبہ دار ہوا اور اس کے بیٹے محمد صالح نے منصب سرکاری پایا، پھر ۱۰۵۲ھ میں شاہ جہاں نے آپ کو آگرہ بلایا اور پانچ ہزار روپیہ انعام دیا اور مصاحبین کے زمرہ میں شریک فرمایا۔ اور ۱۰۵۴ھ میں صدر الصدور کی خدمت پر مامور فرمایا۔ آپ نہایت لائق منتظم تھے اور ۱۰۵۵ھ میں حسن خدمت کے صلہ میں باضافہ پانچ سو سوار

منصب ششش ہزاری سے ممتاز ہوئے۔

ف: یہ حضرتؒ کے عدل وانصاف اور اطاعت وفرماں برداری کا دنیا میں صلہ تھا تو اللہ تعالی کے یہاں کس قدر عنایات وانعامات سے نوازے جائیں گے، اس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اسی طرح کا معاملہ اللہ تعالی کے یہاں کا بھی ہے جو بھی اللہ تعالی کی عبادت وعبدیت اور اس کی اطاعت کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالی جواد وکریم ہے، ہزاروں ابواب خیر مفتوح فرماتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" یعنی غایت اطاعت کا بدلہ غایت عنایت کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ (مرتب)

وفات: آپ نے ۲۰؍ربیع الثانی ۱۰۵۹ھ میں شہر لاہور میں رحلت کی، چند دن وہاں امانتاً مدفون رہے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد آپ کے صاحبزادے سید موسیٰ وسید علی بادشاہی عنایت سے سرفراز ہو کے لاہور سے گجرات روانہ ہوئے تو دونوں والد ماجد کا تابوت بھی لاہور سے منتقل کر کے گجرات لائے اور رسول آباد علاقہ احمد آباد گجرات، جد امجدؒ کے قریب روضہ ثانیہ میں دفن کئے گئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(محبوب التواریخ: ۱؍۲۲۴)

حضرت میر محمد نعمان بدخشی اکبر آبادیؒ المتوفی ۱۰۶۰ھ

نام ونسب: نام محمد نعمان، والد کا نام سید شمس الدین یحییٰ عُرف میر بزرگ ہے۔ حضرت میر محمد نعمانؒ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں سے اعلیٰ وارفع مانا جاتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۹۷۷ھ میں بمقام بدخشاں ہوئی۔ ولادت سے قبل والد ماجد نے حضرت نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دے رہے ہیں، جو بہت بزرگ ہوگا، اور اس کے لئے اپنا نام عنایت فرما رہے ہیں۔ چنانچہ والد ماجد نے یہی نام تجویز کیا۔

سلوک وتربیت: آپ کو ابتداء سے مراحل سلوک طے کرنے کا شوق تھا اور اسی غور وفکر میں عموماً رہتے تھے۔ ایام شباب میں آپ نے حضرت عبید اللہ بلخی عشقیؒ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ پھر ہندوستان آ کر ایک مُدت تک شیخ کامل کی جستجو میں مشائخ وعلماء ہند سے ملتے رہے۔ آخر میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کی نوبت آئی اور آپ اسی بارگاہ کے ہوگئے۔

اہل وعیال آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت خواجہ نے آپ کے قیام کا انتظام کیا۔ ذریعۂ معاش کچھ نہ تھا۔ نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔ حضرت خواجہ ان کی پرداخت فرماتے اور شریک حال رکھتے۔ ایک مرتبہ کسی حاکم نے حضرت خواجہ سے متوسلین کے نام پوچھے جو خانقاہ میں حاضر رہتے اور فقر وفاقہ کے

ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔منشا یہ تھا کہ ان حضرات کے لئے یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔

حضرت خواجہ نے جملہ حاضرین خانقاہ کے نام بتادیئے مگر موصوف کا نام نہیں بتایا۔حالانکہ یہ سب سے زیادہ عیال دار اور ضرورت مند تھے۔حضرت خواجہ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا! میر محمد نعمان میرے بدن کے جزو ہیں۔

میر محمد نعمان صاحب کو جب اس خصوصیت کا علم ہوا تو خود ہی فرماتے ہیں۔

برقصہا رفتم،وامیدہا بستم۔

(یعنی میں یہ معلوم کر کے رقص کرنے لگا اور آپ سے امیدیں وابستہ کیں۔مرتب)

حضرت میر صاحب عسرت وتنگ دستی کے باوجود ہمیشہ مسرور وفرحاں رہتے،رنج وراحت سے گویا تاثر مفقود تھا۔زحمت کو رحمت جانتے اور نہایت خندہ پیشانی سے اس کا مقابلہ کرتے۔

ف: اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے کہ دوست کی جانب سے جو بلا آئے اس کو بھی خوشدلی سے قبول فرماتے ہیں۔اسی کو حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ یوں فرماتے ہیں۔ ؎

دوست کی جانب سے جو آئے بلا   وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کرم

(مرتب)

حضرت مجدد صاحب سے رابطہ: حضرت خواجہ نے جب کارخانۂ ارشاد و تلقین حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ کے حوالہ فرمایا تو ان کو بھی ہدایت ہوئی کہ حضرت مجدد صاحب سے استفادہ کریں۔آپ نے ایسا ہی کیا۔خادم کی تمنا تھی کہ حضور

کی بارگاہ عالیجاہ کے سوا کسی اور کا دست نگر نہ ہوتا۔

حضرت خواجہ نے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا۔ میاں شیخ احمد تو وہ آفتاب ہے کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہیں۔

اس کے بعد کامل عقیدت مندی کے ساتھ حضرت میر محمد نعمانؒ، حضرت مجدد صاحبؒ سے وابستہ ہو گئے، لیکن حضرت مجدد صاحب نے آپ کو حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر رہنے کی ہدایت فرمائی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب حضرت خواجہ کی وفات ہوگئی تو حضرت میر نعمان نے حضرت مجدد صاحب سے مزید توجہ کی درخواست کی اور تحریر فرمایا:

''میرے پاس اس کے سوا اور کوئی وسیلہ نہیں کہ میں آل رسول ہوں''

اس تحریر نے توجہات مجددیہ کے دروازے کھول دیئے۔ بالآخر حضرت مجدد صاحب کے محبوب ترین خلیفہ ہوئے۔

ف: یقیناً اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے دروازے ایسے ہی کھلا کرتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔ ع رحمت حق بہانمی جوید (مرتب)

حضرت مجدد صاحبؒ کے تعلق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مکتوبات کی جلد ثالث کو میر صاحب کے اسم گرامی سے ملقب فرمایا اور وجہ یہ فرمائی کہ ''بہتر از شما کہ خواہد بود''۔ پھر تعلیم طریقہ اور اصلاح خلق اللہ کے لئے آپ کو دکن بھیجا۔

مکتوبات میں بہت کافی مکاتیب آپ کے نام ہیں۔ جن میں سلوک کے دقیق ترین نکتے حل کئے گئے ہیں جن سے مکتوب الیہ (مولانا میر محمد نعمان) کی اعلیٰ قابلیت اور استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کے بعد آپ کے صاحبزادگان گرامی کا بھی حضرت میر صاحب سے بہت گہرا تعلق رہا۔ مکتوبات خواجہ محمد معصوم میں بیشتر مکاتیب حضرت میر صاحب کے نام ہی ہیں۔ حضرت میر صاحب کے ظرف عالی اور شوق کامل کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ مجھ کو ایک مقام حاصل ہونے کی آرزو تھی۔ اسی اثناء میں رات کے وقت برہان پور کی جامع مسجد میں چبوترہ کے اوپر سے گر پڑا۔ اور ہاتھ ٹوٹ گیا۔ جیسے ہی میں گرا اس مقام کا انکشاف ہوگیا۔ مجھے اس گرنے پر رنج کے بجائے مسرت ہوئی۔ میں نے اسی خوشی میں حلوا تقسیم کیا۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی ص/۲۹۱ ج/۱)

مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری: مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کا حال حضرات القدس سے نقل کیا جاتا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ ایک خواب دیکھا کہ میں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں سفر سے حاضر ہوا ہوں اور آستانہ عالیہ کے گرد گھوم رہا ہوں کہ اتنے میں حضرت مکان کے اندر سے تشریف لے آئے اور مجھے دروازے پر سر جھکائے ہوئے نیازمندی اور انکساری کی حالت میں دیکھا۔ بہت خوش ہوئے اور بہت زیادہ توجہ فرمائی اور مجھے بغل میں لے لیا، پھر فرمایا کہ میر صاحب کو سفر کی وجہ سے گرمی کا غلبہ ہو رہا ہے شکر کا شربت لاؤ۔ چنانچہ شکر کے شربت کا ایک پیالہ لایا گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ''میر صاحب، یہ پیالہ پورا پی جاؤ اور کسی کو اس میں سے ایک قطرہ بھی مت دو۔'' پس میں نے وہ پورا پیالہ شکر کے شربت کا پی لیا۔ اس کے بعد

حضرتؒ نے قبلہ رو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ ''اے اللہ تعالیٰ وہ نسبت جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے وہ میر صاحب کو نصیب فرما''۔ پھر حضرتؒ نے اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اس کے بعد پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ ''اے اللہ تعالیٰ وہ نسبت جو خاص میری ہے وہ بھی میر صاحب کو نصیب فرما''۔

اس خواب سے جب میں بیدار ہوا تو حضرتؒ کی خدمت میں اسے عرض کیا اور آپ سے اس کی تعبیر دریافت کی۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ کی مجلس سے جدائی ہوگئی لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ مکتوب تحریر فرمایا:

''ایک روز صبح کی نماز کے بعد احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر آپ کی طرف توجہ ہوگئی اور دوسرے آثار جو نظر میں تھے ان کو دور کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دور کرنے کا اہتمام بھی تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال، بدرِ کامل بن گیا اور جو کچھ کہ ہدایت کے آفتاب میں ودیعت رکھا تھا وہ سب اس بدر میں منعکس ہوگیا۔ حتیٰ کہ اس کمال کی طرف کچھ متوقع اور منتظر رہا۔ سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے مطابق کچھ حاصل کرلے۔ اور بہت دیر تک اس کیفیت کی مثالی صورت نظر میں رہی، یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ الحمد للہ والمنۃ علی ذالک۔ اس دولت کا حصول اس واقعہ (خواب) کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور اس کی تعبیر کے لئے بہت مبالغہ اور تاکید کی تھی۔ اللہ پاک کا بڑا احسان ہے کہ آپ کا یہ قرض سب کا سب ادا ہوگیا۔ اور وعدہ پورا ہوگیا۔ اب امید ہے کہ اس کمال کے مطابق تکمیل ہو جائے گی اور اس علاقے

کے دشت وصحرا آپ کے وجود سے منور ہو جائیں گے"۔

چونکہ میر صاحب کو حضرت مجدد صاحبؒ کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سب سے زیادہ عشق ومحبت کا امتیاز حاصل تھا، اس لئے ان کی شہرت اور مقبولیت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ربع مسکون (دنیا کے چوتھائی حصہ) میں سورج کی طرح ہوگئی۔

حضرت مجدد صاحبؒ کا مکتوب آپ کے نام
[فضائل نماز اور اس کے کمالات مخصوصہ کے بیان میں]

بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات

عزیز مکرم کو واضح ہو کہ دین کے ارکان پنجگانہ میں سے نماز رکن دوم اور جامع عبادات ہے۔ نماز ایسا جزو ہے جو اپنی جامعیت کی بنا پر حکم کل رکھتا ہے۔ نماز تمام ایسے اعمال پر فوقیت رکھتی ہے جو حق تعالیٰ سے قریب کرنے والے ہیں۔ وہ دولت دیدار جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں بہشت کے اندر حاصل ہوئی تھی، دنیا میں واپس آنے کے بعد وہ دولت اس عالم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں میسر ہوتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: بندہ نماز میں اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین کو نماز میں اس جہان کے اندر اس دولت سے حظ وافر اور نصیب کامل حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ دیدار حاصل نہ ہو، اس لئے کہ یہ جہان دیدار خداوندی کے لائق نہیں ہے۔ نماز "لذت بخش غمگساران" ہے۔ نماز "راحت دہ بیماران" ہے۔ ارحنی یا بلال

(اے بلال اذان کہہ کر میری راحت کا سامان کرو) اسی نماز کا ایک رمز ہے۔اور قرة عيني فى الصلوٰة (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) بھی اسی جانب آرزو (نماز) کی طرف اشارہ ہے۔

اذواق و مواجید، علوم و معارف، احوال و مقامات، انوار و الوان، بیقراریاں اور تسلیاں، تجلیات باکیف اور تجلیات بے کیف، ظہورات گوناگوں اور ظہورات بے رنگ، جو کچھ بھی بیرون نماز میسر آتے ہیں اور حقیقت نماز کی آگاہی کے بغیر ظاہر ہوتے ہیں ان کی حقیقت سایے سے زیادہ نہیں ہے، بلکہ وہ وہم وخیال کی پیداوار ہیں۔

وہ نمازی جو حقیقت نماز سے آگاہ ہے،وقت ادائے نماز گویا اس جہان سے باہر ہو کر عالم اخروی میں داخل ہو جاتا ہے۔یقیناً وہ اس وقت میں اس دولت سے حصہ حاصل کر لیتا ہے جو آخرت کے لئے مخصوص ہے۔اور ''اصل'' سے ''بے شائبہ ظلیت'' بہرہ مند ہو جاتا ہے۔اس لئے کہ دنیا کمالات ظلی تک محدود ہے اور وہ معاملہ جو بیرون ظل ہے آخرت کے ساتھ خاص ہے۔یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی تابعداری میں اس کمال سے مشرف اور اس سعادت سے سعادتمند ہوئی۔اے اللہ! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ جزا عطا فرما جس کے وہ مستحق ہیں اور وہ جزا عطا فرما جو ان کو اپنی امت کی طرف سے ملے، بہتر ہو۔اور تمام انبیاء کو جزائے خیر عطا فرما اس لئے کہ انبیاء سب کے سب اللہ کی مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور اللہ کی لقاء کی جانب رہنمائی کرنے والے ہیں۔صوفیاء کی جس جماعت کو حقیقت نماز سے آگاہ نہیں کیا گیا اور نماز کے کمالات مخصوصہ سے اطلاع نہیں بخشی گئی، انھوں نے اپنے امراض

کا علاج نماز کے علاوہ دوسرے امور میں تلاش کیا، اور اپنی مرادوں کے حصول کو دوسری اشیاء کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ (تجلیات ربانی: ص ر ۱۹۲ ج ر ۱)

حضرت مجدد صاحبؒ کے مقام کی بلندی: آپ فرماتے تھے کہ جب میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں تھا تو انھوں نے تمام مریدوں سے فرمایا کہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں جاؤ اور جس طرح کا ذکر وہ بتائیں ویسا ہی کرو۔ اور ان کی موجودگی میں میری تعظیم نہ کرو بلکہ اپنی توجہ بھی میری طرف نہ رکھو۔ مجھے بھی انھوں نے حضرت مجدد صاحب کی صحبت کی ترغیب فرمائی۔ لیکن جب انھوں نے یہ بھانپ لیا کہ مجھے انکار ہے تو فرمایا ''میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں کہ ہمارے جیسے ہزاروں ستارے ان میں گم ہیں اور بڑے بڑے اولیائے متقدمین میں بھی ان جیسے بہت کم ہوئے ہیں''۔

میر صاحب فرماتے تھے کہ حضرت خواجہؒ کے اس ارشاد کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ سالہا سال بقید حیات رہے اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان کے درجات اور بھی کس قدر آگے بڑھے تھے۔ (حضرات القدس ص ر ۲۸۲)

جہانگیر بادشاہ کے دربار میں: مریدوں کی کثرت اس درجہ تھی کہ بعض دشمنوں نے سلطان وقت (جہانگیر) تک یہ بات پہنچائی کہ آپ کے ملک کی سرحد میں برہان پور کے شہر میں ایک درویش ہے جو خود کو حضرت میر کہلاتا ہے اور اس کے مرید ایک لاکھ ازبکی سوار ہیں۔ بادشاہ نے اس دغدغہ کے وہم سے کہ کہیں فتنہ اور بغاوت نہ برپا ہو جائے ان کو برہان پور سے طلب کیا اور دریافت کیا کہ آپ خود کو حضرت میر کیوں کہلاتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں سید ہوں، سید کو میر

کہتے ہیں۔ البتہ میں خود کو حضرت کہلانا پسند نہیں کرتا۔ آپ ممانعت کرادیں تاکہ ایسا نہ کہیں۔ بادشاہ نے پھر پوچھا کہ آپ کے ایک لاکھ مرید ہیں؟ حضرت کو اس بات پر ہنسی آگئی۔ بادشاہ نے حاضرین سے خطاب کرکے کہا کہ دیکھو، میں اس سے بات کرتا ہوں اور وہ ہنستا ہے۔ اس کا تکبر تو دیکھو۔ مرحوم مہابت خاں اس وقت موجود تھے۔ انھوں نے بظاہر (بادشاہ کی) موافقت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے پیر بزرگوار نے مختلف ملکوں میں اپنے خلفاء کو متعین کیا ہے۔ ان کو برہان پور دیا ہے، ان کا جاہ وجلال وہاں اس قدر ہے کہ تم جیسے (یعنی عام لوگ) ان کے یہاں باریاب نہیں ہوسکتے۔ بادشاہ سمجھا کہ مہابت خان بھی ان کا دشمن ہے۔ اس لئے اس نے کہا کہ اس درویش کو تمہارے حوالے کیا۔ مہابت خاں ان کو اپنے مکان پر لایا اور ہر طرح آپ کی خدمت اور خاطر تواضع کی اور طرح طرح کی دعوتیں کیں۔ پھر مرید اور دوسرے لوگ مور وملخ (چونٹیوں اور ٹڈیوں) کی طرح حضرت میر کی زیارت کے لئے آنے لگے اور ہدیے تحفے پیش کرنے لگے۔ بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو مہابت خاں پر اعتراض کیا۔ مہابت خاں نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت، یہ درویش پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اچھا اسے ہم چھوڑتے ہیں لیکن وہ برہان پور میں نہ رہے اور دارالخلافہ اکبرآباد (آگرہ) کو اپنا وطن بنالے۔ میر صاحب نے یہ بات منظور فرمالی اور اکبرآباد میں توطن اختیار کرکے طالبوں کے رشد وہدایت میں مصروف ہوگئے۔

وفات: آپ کی وفات ۱۸ر صفر ۱۰۶۰ھ میں آگرہ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ (علماء ہند کا شاندار ماضی ج ر ۱ ص ر ۲۹۱)

حضرت ملا خواجہ بہاری ثم لاہوریؒ المتوفی سنہ ۱۰۶۰ھ

نام وولادت: ملا خواجہ لاہوری حاجی پور صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں بڑے بھی ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپ عالم علوم فقہ، حدیث، تفسیر اور واقف اسرار حقانی تھے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا اپنے شہر میں رہ کر علم حاصل کیا پھر سفر کر کے کوڑہ جہان آباد ضلع فتحپور یوپی میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ جمال الاولیاء کوڑویؒ ہی کی خدمت میں رہنے لگے۔ درسی کتابیں ان سے پڑھیں پھر لاہور گئے اور کچھ شرعی علوم شیخ محمد فاضل لاہوریؒ سے پڑھے اور شیخ محمد میر لاہوریؒ سے علم طریقت حاصل کیا، ان ہی کی خدمت میں بہت دنوں مقیم رہے یہاں تک کہ مشیخت کے درجہ کو پہنچ گئے۔ اس لئے شیخ کے بعد بہت مقبول ہوئے۔ ذاتی طور پر بہت قناعت پسند، پاک دامن، دیندار، ریاضت اور مجاہدہ کرنے والے تھے۔ ہدایا وفتوحات قبول نہ کرتے تھے۔

(ترجمہ نزہۃ الخواطر گیارہویں صدی کے علمائے برصغیر ج ر ۵ ص ر ۵۳۲)

قناعت کا واقعہ: ایک مرتبہ شاہجہاں بادشاہ ان سے ملاقات کے لئے آیا، تو آپ خبر پاتے ہی اپنے جھونپڑے سے غائب ہو گئے بادشاہ نے انتظار کیا۔ جب نہ آئے تو بادشاہ چلے گئے اور کہہ گئے کہ ملا صاحب سے کہہ دینا ”طاقت مہماں نداشت خانہ بہ مہماں بگذاشت“۔ جب ملا صاحب کو یہ پیغام پہنچا تو کہا کہ میں قصداً غائب ہو

گیا تھا، ورنہ عام لوگ میری[1] داڑھی کے بال بھی نہ چھوڑتے۔ اگلے روز بادشاہ نے دربار عام کیا۔ اس میں ملا صاحب بھی تشریف لائے۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا تو وہ خود اٹھ کر ملا صاحب کے پاس آیا اور دیر تک تنہائی میں باتیں کرتا رہا۔

(تذکرۃ العلماء والمشائخ ص ر ۳۵)

وفات: آپ کی وفات ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء لاہور میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، ''معدن فیوض'' تاریخ وفات ہے۔ نور اللہ مرقدہ

(تذکرہ علماء بہار ج ر ۱ ص ر ۸۶)

---

[1] شاید اس بناء پر فرمایا کہ بادشاہ سے سفارش کرنے کو لوگ کہتے۔ جس سے میں عاجز ہو جاتا۔

مرتب

حضرت استاذ الملک محمد افضل جون پوری ؒ المتوفی ۱۰۶۲ھ

نام ونسب: نام محمد افضل، لقب استاذ الملک اور استاذ العلماء ہے، سلسلۂ نسب محمد افضل بن شیخ حمزہ بن شیخ فرید الدین بن شیخ بہاء الدین عثمانی ہے۔ شیخ عثمان ہارونی کی اولاد میں ہیں۔

ولادت: صوبہ یوپی کے مشہور تاریخی قصبہ ردولی میں ۱۶ / رمضان ۹۷۷ھ کو بعہد جلال الدین اکبر پیدا ہوئے، آپ کے والد شیخ حمزہ گردش زمانہ سے تنگ آکر اپنے آبائی وطن شہر دماوند مضافات مازندران کو خیرباد کہہ کر ہندوستان چلے آئے تھے، اور ردولی میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔

شیخ حمزہ زیور علم سے آراستہ تھے اس لئے عزت ووقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ کے تفقہ اور علم وفضل کا علمی اعتراف اس طرح کیا گیا کہ آپ کو عہدۂ قضا پر مامور کردیا گیا۔

تعلیم وتربیت: استاذ الملک نے علم وفضل کے گہوارہ میں آنکھ کھولی تھی، آپ کے والد، عالم فقیہ اور مفتی کی حیثیت سے شہر میں ممتاز تھے۔ گھر میں فراغت ورفاہت بھی تھی جس کا اثر استاذ الملک کی نشو ونما پر بہت اچھا پڑا۔

ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے والد کی نگرانی میں حاصل کی اور بہت جلد جملہ علوم وفنون میں دستگاہ پیدا کرلی، پھر مزید تکمیل کے لیے دہلی تشریف لے گئے، اور شیخ حسین عمری ؒ کے حلقہ درس میں داخل ہوگئے۔ یہاں سے فراغت کے

بعد ملا ابو حنیفہ تلمیذ حکیم گیلانیؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور ان سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ ''الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند'' کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تکمیل کے سلسلے میں لاہور بھی گئے تھے۔

ردولی سے جونپور آمد: تعلیم وتحصیل علوم سے فراغت اور جملہ علوم وفنون متعارفہ میں مہارت حاصل ہونے کے بعد اپنے برادر خورد سلطان محمود عثمانی کو ہمراہ لے کر ردولی کا قیام ترک کر کے شہر جونپور کی سکونت اختیار کرلی۔

اخلاق وعادات: استاذ الملک کے مزاج میں اس درجہ تواضع وانکسار تھا کہ کسی سے خدمت لینا قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، اپنا کل کام خود ہی انجام دے لیتے تھے، دیوان محمد رشید نقل کرتے ہیں کہ حضرت بندگی میاں محمد افضل ہمہ کارہا خودمی کردند حتی کہ چراغ حجرہ خود روشن کردند وکتاب از حجرہ خود می آوردند۔

امراء وحکام کے دربار میں حاضری سے بہت اجتناب کرتے تھے، کبھی اپنی غرض لے کر ان کے پاس نہیں گئے، اگرچہ حکام آپ کی خدمت باعثِ سعادت سمجھتے تھے البتہ طلبہ اور صوفیاء کی ضرورت کے وقت امراء کے پاس جانے میں تامل نہ فرماتے۔ (مقالات حبیب: ۳/۲۷۳)

تصوف وسلوک: مؤرخ اسلام قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ ''دیار پورب میں علم وعلماء'' کے اندر یوں رقمطراز ہیں:۔

ملا محمد افضلؒ ظاہری علوم میں یگانہ روزگار ہونے کے ساتھ روشن ضمیر صوفی بھی تھے، شیخ عبدالقدوس قلندر شطاری نظام آبادیؒ متوفی ۱۰۵۳ھ سے بیعت

ونسبت رکھتے تھے، جو شیخ قدن اور قطب صدیق کے لقب سے مشہور تھے، اور میر علی عاشقان سرائمیریؒ متوفی ۹۵۰ھ اور شیخ دیوان عبدالرشید متوفی ۱۰۸۳ھ کے شیخ ومرشد تھے، انھوں نے طریقۂ شطاریہ کو براہ راست اس کے بانی شیخ عبداللہ بن حسام الدین خراسانیؒ سے حاصل کیا تھا، ملا محمد افضل زندگی بھر درس وتدریس میں مشغول رہے، ان کے فضل وکمال کا شہرہ دور دور تک پہونچا، علمائے جونپور نے خاص طور سے ان سے استفادہ کیا، یہ جہانگیر کا دور سلطنت تھا، جونپور کے وقائع نگار نے ملا محمد افضلؒ کی مرجعیت اور ان کے علم وفضل کے بارے میں جہانگیر کو اطلاع دی، اس نے ان کو استاذ الملک کا لقب دیا، اور جونپور کے شاہی مدرسہ کی مدرسی اور جاگیر کا پروانہ روانہ کیا، مگر ملا محمد افضل نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کی اور پوری زندگی توکل وتدریس میں گذار دی، یوں تو ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے علماء وفضلاء اور اہل اللہ تھے مگر ان میں انکو اپنے دو شاگردوں پر ناز تھا، اور ان دونوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ علامہ تفتازانیؒ اور علامہ جرجانیؒ کے بعد ایک وقت اور ایک شہر میں ان کے جیسے دو فضلاء کا اجتماع نہیں ہوا، یہ دونوں ملا محمود فاروقی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۶۲ھ اور شیخ عبدالرشیدؒ تھے۔

وفات: حضرت ملا محمود کا انتقال استاذ کی زندگی میں ہوگیا ان کو ان کی وفات کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کے اثر سے ۱۳ر ربیع الثانی ۱۰۶۲ھ میں خود انتقال کر گئے، آپ کی مزار محلہ سپاہ شہر جون پور میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(دیار پورب میں علم اور علماء ص ر ۳۰۷)

حضرت علامہ شیخ ملا محمود فاروقی جونپوری المتوفی ۱۰۶۲ھ

(صاحب شمس بازغہ)

نام ونسب: نام ملا محمود، والد کا نام محمد ہے، آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کے جد امجد حضرت خضر اور ان کے صاجزادے شیخ محمد دہلی سے جون پور تشریف لائے۔

ولادت: ملا صاحب سلطان نور الدین جہانگیر کی سلطنت کے دوسرے سال رمضان ۱۰۱۵ھ میں جونپور میں پیدا ہوئے۔

(دیار پورب میں علم اور علماء: ص ر ۳۰۷)

تعلیم: ملا صاحب کی تعلیم کے سلسلے میں ان کے صرف دو تین استاذوں کے نام ملتے ہیں، ایک ان کے نانا شیخ شاہ محمد اور دوسرے نانا کے بڑے والد استاذ الملک ملا محمد افضل اور تیسرے ملا شمس نور برونوی، ملا صاحب نے ننیہال میں قرآن شریف ختم کرنے کے بعد نانا سے علوم آلیہ نحو وصرف اور ادب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، ملا صاحب اپنے نانا شاہ محمد کے یہاں پروان چڑھے اور ان سے کتب درسیہ کی تعلیم پائی، ملا محمود میں بچپن ہی سے خداداد ذہانت وذکاوت تھی، طالب علمی ہی کے زمانہ میں ملا صاحب کو ایسی شہرت حاصل ہوگئی کہ ان کے سامنے بڑے بڑے علماء علمی مسائل میں گفتگو کرنے میں احتیاط برتتے تھے۔

علمی کمالات اور جامعیت: ملا صاحب جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں عبقریت

وامامت کا درجہ رکھتے تھے، اور اَب وعجم میں کوئی شخص علوم وفنون کی جامعیت خاص طور سے حکمت وادب میں ان کا ہمسر نہ تھا، وہ ان دونوں علوم میں بیک وقت میر سید شریف جرجانیؒ وشیخ عبدالقادر جرجانیؒ ،رازیؒ ودوّانیؒ اور سکّاکیؒ وتفتازانیؒ تھے اور کہنے والوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد سے فلسفہ اور حکمت میں ملا محمود جیسا کوئی عالم پیدا ہی نہیں ہوا۔ ملا صاحب کے علمی کمالات کا اندازہ کرنے کے لئے اگر حکمت وفلسفہ کے ساتھ ادب وبلاغت کا ذوق بھی ہو تو ان کی دونوں کتابوں یعنی شمس بازغہ اور فرائد کا مطالعہ کرنا چاہئے، انکے اقران ومعاصرین میں سے کسی کو ان کی کسی کتاب پر اور اس کی عبارت پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

ملا محمود تبصرہ نگاروں کی نظر میں: ملا محمود کے ہم وطن ، ہم خاندان، معاصر اور رشتہ دار مولانا شاہ ابوالخیر فاروقی متوفی ۱۳۵۹ھ نے اپنی کتاب ”شیر وشکر“ میں ملا صاحب کا ذکر جمیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ!

”اللہ تعالی نے شیخ محمد کو ایک ایسا فرزند مرحمت فرمایا جو انسانوں اور کائنات میں بے مثال اور مکارم اخلاق کا آفتاب ہے، اس فرزند کے حالات مختصر طور پر بیان کرنے کے لئے علیحدہ دفتر چاہئے، مجمل طور پر یہ ہے کہ وہ امام اعظم مولانائے مکرم ، جامع مناقب ، آفتاب مشرق ومغرب، ملت حنیفیہ کے روشن چراغ، علوم حقیقیہ کے بحر ذخار، منارۂ ہدایت، علامہ مقتدیٰ، ملک علمائے راسخین، دین وملت کے افتخار شیخ محمود بن محمدؒ ہیں، اللہ تعالی ان کے سایہ کو طالبان فیض کے سروں پر قائم رکھے“

اس آئینہ میں ملا صاحب کی علمی، و دینی اور اخلاقی شخصیت کے خدوخال کی پوری عکاسی موجود ہے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں لکھا ہے:

آپ بے نظیر تھے، اشراقیوں اور مشائیوں کے نقاد اور خلاصہ تھے۔

آگے چل کر یہاں تک لکھدیا ہے۔

''بلاشبہ ہندوستان میں دو فاروقیوں کی مثال نہیں ملتی ہے، ان میں سے ایک شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ علم حقائق میں، اور دوسرے ملا محمودؒ علوم حکمیہ وادبیہ میں۔''

اور مآثر الکرام میں ملا صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نقادہ علمائے اشراقیین وسلالہ حکمائے مشائین است، درفنون عقلی ونقلی سیما حکمت سرآمد افاضل ومشار الیہ انامل بود''

مولانا خیر الدین محمد جونپوریؒ نے ''تذکرۃ العلماء'' میں مآثر الکرام کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرکے ملا صاحب کی حکمت وادب کی جناب میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے، صاحب تجلی نور نے بھی مآثر الکرام کا یہ بیان نقل کرکے یہاں تک لکھا ہے کہ''

''ان کی فضیلت کا شہرہ ہندوستان کے چاردانگ میں گونج اٹھا جب سے ہندوستان میں اسلام کی بنیاد پڑی فلسفہ اور حکمت میں ملا محمود جیسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ صاحب سبحۃ المرجان نے لکھا ہے کہ ملا محمود اپنے استاذ کے لئے باعث

فخر نہیں بلکہ قدیم حکماء وعقلا کے لئے فخر ومباہات کا باعث تھے، وہ علم وحکمت کی اقلیم کے شہنشاہ تھے،اور فلسفہ میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے،انکی نظیر ہندوستان میں ارباب عقل وشعور کو نہیں مل سکتی، اقالیم سبعہ میں کوئی عالم ان کے پنجہ علم کو موڑ نہ سکا"

جامع المعقول والمنقول مولانا عبدالحی فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ نے لکھا ہے:

"ھو العلامة فی عصرہ الفھامة فی دھرہ محقق العلوم الحکمیة مدقق العلوم العقلیة مولانا محمود الجونفوری علیہ الرحمۃ"

ترجمہ: وہ علامۂ زمانہ،فہامۂ وقت،علوم حکمت کے محقق،علوم عقلی کے مدقق ملا محمود جونپوریؒ تھے۔

مکارمِ اخلاق: ملّا محمود دیارِ پورب کے ان چند اعاظمِ رجال میں سے تھے جن کو شاہجہاں اور اس کے امراء ووزراء کی خصوصی توجہات حاصل تھیں، شاہجہاں، شاہزادہ محمد شجاع، آصف خاں، شائستہ خاں اور سعد اللہ خاں وغیرہ ان کے عقیدت مندوں میں تھے، مستقل جاگیر اور وقتی نوازشوں کے علاوہ ملا صاحب کو بادشاہ کی طرف سے منصب عالی حاصل تھا اور وہ نہایت فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر درس وتدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا، جونپور کے مدرسہ شاہی میں درس دیتے تھے اور امیرانہ انداز سے زندگی گذارتے تھے۔

ملّا صاحب کی حضرت میاں میر لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری

اگرچہ ملا صاحب کے فضل وکمال میں حکمت وفلسفہ اور ادب و ابیت کا رنگ نمایاں تھا،مگر وہ خاندانی دولت ،روحانیت ومشیخیت سے بھی حصۂ وافر

رکھتے تھے، مادری اور پدری دونوں سلسلوں میں احسان وتصوف، سلوک ومعرفت اور زہد وتقویٰ موروثی ملے تھے، ملا صاحب کو ان کے ظاہری علوم نے سجادہ وخانقاہ سے ہٹا کر مدرسہ ودربار میں پہونچا دیا تھا، مگر جب ایک صاحبِ دل کی نگاہ کیمیاء اثر نے کام کیا تو تمام باطنی کیفیات ظہور میں آگئیں، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ شاہ جہاں لاہور گیا، جلوس میں ملا محمودؒ اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ متوفی ۱۰۶۷ھ بھی تھے، تینوں میاں میر لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر اقلیم فقر واستغناء کے شہنشاہ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اقلیم دنیا کے شہنشاہ کو اس سے بہت رنج ہوا اور اقلیم علم کے دونوں شہنشاہوں نے عالمانہ شان میں میاں میر سے کہا "توجہ بہ علماء نہ کردن چہ معنی دارد" یعنی علماء کی طرف توجہ نہ کرنے کا آخر کیا سبب ہے؟ میر صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اندر سے اپنا کمبل لاکر بچھایا اور اس پر خود مؤدب ہو کر بیٹھے اور ان دونوں فاضلوں کو بیٹھا کر فرمایا "میں جاہل ہوں، ماشاءاللہ آپ حضرات عالم ہیں، اس شعر کا مطلب مجھے سمجھادیں۔

مباد اول آن فرد مایہ شاد　　که از بہر دنیا دہد دیں بباد

ترجمہ: وہ شخص کمینہ دنیا میں شاد نہ رہے جو دنیا کے لئے دین کو برباد کردے۔

یہ شعر سنتے ہی ملا عبدالحکیمؒ پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور ملا محمودؒ اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت درباری زندگی ترک کر کے جونپور آگئے اور باقی زندگی تدریس وتصنیف میں بسر کی لیکن ان کے ساتھ شاہی نوازش بدستور جاری رہی۔

احسان وتصوف: جن دنوں ملا صاحب درباری علائق سے قطع تعلق کر کے

سکون واطمینان سے جونپور میں علمی زندگی گذار رہے تھے اور حضرت میاں میر کی تنبیہ نے ان میں یکسوئی پیدا کردی تھی، بادشاہ کے حکم سے ملا صاحب کو شاہزادہ محمد شجاع کی تعلیم کے لئے بنگال جانا پڑا، یہ اللہ کی شان ہے کہ اس بار بھی دنیا کی راہ سے ملا صاحب کو زہد وتقویٰ کی دولت ملی اور وفات سے دس سال پہلے ۱۰۵۲ھ میں سرزمین بنگال میں شیخ نعمت اللہ بن عطاء اللہ فیروز پوری متوفیٰ ۱۰۷۲ھ سے سلوک وطریقت کی تعلیم وتربیت حاصل کی، اس کے بعد ملا صاحب اپنے دونوں خانوادوں کے اصلی رنگ میں نمایاں ہوگئے اور تدریس وتصنیف کے ساتھ ذکر وشغل اور اوراد ووظائف اور عبادت وریاضت میں بھی مشغول رہنے لگے۔

وفات: آپ کی وفات ۹؍ربیع الاول ۱۰۶۲ھ میں ہوئی اور آپ اپنے مولد ومنشا اور مدفن جونپور کے محلہ چاچک پور میں دفن کئے گئے۔ نوراللہ مرقدہ۔

(دیار پورب میں علم اور علماء: ص؍۳۳۴)

حضرت مولانا عطاء اللہ گھوسوی اعظمی مئویؒ المتوفی ۹۶۳ھ

نام ونسب: نام عطاء اللہ، والد کا نام قاضی حبیب اللہ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ آپ کو اصفہان کی طرف منسوب کر کے اصفہانی کہا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اجداد اَب سے اصفہان آئے پھر وہاں سے کوئی خاندانی بزرگ ہندوستان آئے اور اس خطہ کو آباد کیا۔ یہ کون تھے، کب آئے، اس سلسلہ میں تذکرہ نویس خاموش ہیں۔ قاضی صاحب غالباً ہمایوں کے دور میں (۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ) گھوسی ضلع مئو کے قاضی بنائے گئے تھے، اور میر علی عاشقان سرائمیری سے بیعت وارادت رکھتے تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت گھوسی ضلع اعظمگڈھ (موجودہ ضلع مئو) میں ہوئی اور وہیں پروان چڑھے۔

تعلیم وتربیت: اپنے زمانہ کے مشہور عالم ملا محمود بھیروی جونپوریؒ متوفی ۱۰۶۲ھ اور دیگر اساتذہ عصر سے تعلیم حاصل کی، اور شاہ عبدالقدوس جون پوریؒ کی خدمت وصحبت میں رہ کر ان کے خلیفہ ہوئے، "انتصاح عن ذکر اھل الصلاح" میں ہے کہ شاہ عبدالقدوس جونپوریؒ ۱۰۵۲ھ کے خلفاء میں سے ایک دیوان عبدالرشید جونپوریؒ اور دوسرے قدوۃ العلماء عمدۃ العرفاء شیخ عطاء اللہؒ جو مولوی غلام نقشبندؒ کے والد ہیں وہ شیخ حسام الدین مانک پوری کے سجادہ نشین

بھی تھے۔

فضل وکمال: شیخ عطاء اللہ علم ومعرفت میں قدوۃ العلماء اور عمدۃ العرفاء تھے اور اپنے والد کی طرح فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور ادب و ابیت وغیرہ میں مہارت وشہرت رکھتے تھے، تقوی اور دینداری میں ممتاز تھے۔

لکھنؤ روانگی: روحانی کشش نے آخر میں حضرت شیخ پیر محمد جون پوری لکھنوی کی خدمت میں لکھنؤ پہونچا دیا اور وہیں کے ہو رہے اور گھوسی سے ترک وطن کر کے لکھنؤ میں آباد ہو گئے۔

وفات: ۵ربیع الثانی ۱۰۶۳ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالی، آپ کے پسماندگان میں شیخ غلام نقشبند متوفی ۱۱۲۶ھ ہیں جن کا ذکر ہم ان شاء اللہ بارہویں صدی کے اولیاء کے زمرے میں کریں گے۔

(دیار پورب میں علم وعلماء: ص ر ۲۰۲)

حضرت شیخ ناصر الدین جھونسوی الہ آبادیؒ المتوفی ۱۰۶۸ھ

نام ونسب: نام ناصر الدین، والد کا نام خواجہ کلاں، دادا کا نام اسد العلماء شیخ نصیر الدین ہے۔

تعلیم وتربیت: شیخ ناصر الدین اپنے وقت میں کبار مشائخ چشت میں شمار ہوتے تھے۔ اپنے والد کے چچا کے لڑکے اور خلیفہ شیخ تاج الدین جھونسویؒ کے سایۂ عاطفت میں بچپن کے ایام گذار کر بنارس آئے اور حضرت شاہ طیب بنارسیؒ سے صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے جون پور گئے اور وہاں کے ممتاز اساتذہ سے فقہ، اصول فقہ اور علم معانی کی تعلیم مکمل کی۔ بعد ازاں کٹرہ مانک پور پرتا بگڑھ جا کر حدیث وتفسیر کی تحصیل کی۔ جملہ علوم مروجہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

بیعت وخلافت: تعلیم وتحصیل سے فراغت کے بعد اپنے والد مولانا خواجہ کلاں اور شیخ تاج الدینؒ کی صحبت میں رہ کر عرصۂ دراز تک اکتساب فیض کرتے رہے، پھر بنارس حضرت شاہ طیب بنارسی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اور انہیں کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت شاہ صاحب کے علاوہ انہیں شیخ تاج الدین جھونسوی سے بھی خلافت واجازت حاصل تھی۔

مجاہدہ وریاضت میں بڑا انہماک تھا، صفائی قلب کی بناء پر دوران ذکر

عجیب و غریب امور کا مشاہدہ کرتے تھے، خود انہیں کا بیان ہے کہ ابتدائے وقت میں ایک دن دوران ذکر قلب کی جانب توجہ کی تو دیکھا کہ تمام قلب اسم پاک کے نقش سے مزین ہے، یہ حالت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

اسی غلبۂ حال میں خیال ہوا کہ شاہ صاحب کی خدمت میں چل کر اس جاں بخش کیفیت سے انہیں مطلع کروں، جب چلنے کا قصد کیا تو دیکھتا ہوں کہ زمین کے چپے چپے پر اسم پاک کا نقش ابھرا ہوا ہے۔ شیخ تاج الدین جھونسویؒ کے وصال کے بعد خانقاہ جھونسی کے یہی سجادہ نشین ہوئے اور پوری زندگی اپنے بزرگوں کے طریق پر ارشاد و تلقین اور اصلاح و تبلیغ میں بسر کر دی۔

(مقالات حبیب ج ۳/ ص ۳۳۶/)

وفات: ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۰۶۸ھ جمعہ کے دن دار آخرت کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جیسا کہ گنج ارشدی میں ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(ترجمہ نزہۃ الخواطر ج ۵/ ص ۵۴۲/)

حضرت علامہ سید حسن جیؒ سورت المتوفی ۱۰۶۸ھ

نام ونسب: نام سید حسن، علامہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے، والد کا نام سید فتح اللہ ہے، آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کے والد بغداد سے احمد آباد تشریف لائے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۹۶۸ھ میں پٹن میں ہوئی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت آپ کے والد کی نگرانی میں ہوئی، پھر دیگر علماء سے آپ نے فارسی اور عربی زبان میں مہارت حاصل کی، علم تصوف اور حدیث میں آپ نے جلد ہی دستگاہ حاصل کرلی۔

سورت میں آمد: دین کی خدمت کا شوق آپ کو ہندوستان لایا، آپ اپنے بڑے بھائی سید محمود کے ساتھ سورت تشریف لائے اور سورت میں رہنے لگے اور سورت ہی کو رشد وہدایت کا مرکز بنایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ والد کے انتقال کے بعد احمد آباد سے سورت آگئے، سورت آکر سید ابوبکر عیدروسی کی خانقاہ میں قیام کیا۔

بیعت وخلافت: آپ کے ملفوظات حضرت شیخ ولی اللہ بن شیخ ابراہیمؒ نے ایک کتابی صورت میں جمع کرکے اس کا نام ”اتحاد احسن“ رکھا، آپ حضرت شیخ مولانا فضل اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، حضرت مولانا فضل اللہؒ برہان پور

سے مکہ معظمہ جانے کے لئے سورت تشریف لائے ہوئے تھے سورت اس وقت بندرگاہ تھا، اور جو لوگ حج کو جاتے تھے وہ سورت بندرگاہ سے جاتے تھے، وہ جب سورت تشریف لائے تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہوئے، حضرت مولانا حج کو چلے گئے اور جب واپس ہوئے تو آپ ان کے ہمراہ سورت سے برہانپور گئے اور وہاں اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر علوم باطنی کی تعلیم حاصل کی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ حضرت سید محمد عیدروس کے حلقۂ ارادت میں بھی داخل ہوئے، اور ان سے خرقۂ خلافت پایا۔ جب ۱۰۳۰ھ میں ان کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کی وفات کی تاریخ لکھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو حضرت ابوبکر عیدروس سے بھی خرقۂ خلافت ملا، آپ نے شطاریہ سلسلہ کے حضرت عین الوفا شاہ جند اللہ برہان پوریؒ سے بھی روحانی فیض پایا، وہ شاہ لشکر محمد شطاری کے خلیفہ تھے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے آپ نے حضرت مولانا شاہ محمد فضل اللہ برہانپوریؒ سے روحانی امانت حاصل کی۔

روحانی فیوض: آپ حضرت خواجہ داناؒ اور حضرت خواجہ محمد وبہدار کے روحانی فیض سے بھی مستفید ہوئے۔ حضرت شاہ وجیہہ الدینؒ اور حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ کی روح پرفتوح سے بھی فیضیاب ہوئے۔

سورت میں قیام: آپ کا سورت میں قیام خاص و عام کے لئے باعث برکت تھا، لوگ حاجت براری کے لئے آپ کی خدمت میں آتے تھے اور کامیابی سے دامن بھر کر چلے جاتے تھے۔

رشد و ہدایت آپ کا محبوب مشغلہ تھا، کفر وشرک سے لوگوں کو نجات دلانے کے لئے کوشاں رہتے تھے، بدعت اور غیر اسلامی رسومات کے سخت مخالف تھے اور لوگوں کو ان کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔

جو لوگ سورت بندرگاہ سے حج کو جاتے تھے ان کو ہر طرح کا آرام اور سہولت پہنچانے کی کوشش کرتے، سورت کو باب المکہ بھی اس زمانہ میں کہتے تھے۔

سیرت: آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی، قناعت آپ کا شعار تھا، توکّل آپ کا بے مثال تھا، عبادت و ریاضت ومجاہدات میں جو روحانی لذت پاتے تھے، اس کی وجہ سے ہر وقت ہونٹوں پر مسکراہٹ رہتی تھی۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب حال تھا، چنانچہ بعض بزرگوں کا یہ حال تھا کہ ذکر کے وقت حقیقۃً شیرینی محسوس فرماتے تھے۔ (مرتب)

آپ رشد و ہدایت اور تعلیم وتلقین کو ایک فریضہ سمجھتے تھے، اس کو خدمتِ خلق کی ایک دوسری بہترین صورت سمجھتے تھے، اس لئے کہ اندھے کو راستہ دکھانا، اللہ تعالی کی خوشنودی کا باعث ہے۔

ف: یعنی دین سے جو ناواقف ہے وہ اندھا ہی ہے اسلئے اس کو راستہ دکھانا موجب اجر وثواب ہے۔ (مرتب)

سید اور سیدزادے کا بیحد احترام کرتے تھے۔ ان سے کسی قسم کا کوئی کام نہ لیتے تھے، پیروں اور پیرزادوں کی بھی بہت عزت کرتے تھے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ادب کا سلوک تھا جس سے ان کو بڑی دولت نصیب ہوئی

ہوگی۔اس لئے کہ مقولہ مشہور ہے۔ ع

باادب بانصیب بے ادب بے نصیب (مرتب)

انکساری کا یہ عالم تھا کہ خود اپنے کو سید نہ کہتے تھے، جولوگ حج کو سورت ہوتے ہوئے جاتے تھے،آپ ان کو ہر طرح کا آرام وآسائش مہیا کرنے کی کوشش کرتے تھے،اوران کی خدمت میں دریغ نہ کرتے تھے۔

ف: اس لئے آپ ماشاءاللہ ”طریقت بجز خدمت خلق نیست“ پر عمل کرتے تھے۔اللہ ہم سب کواس کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین (مرتب)

سلطانِ گجرات نے جب یہ بات سنی تو خوش ہوکر یہ حکم دیا کہ ان کو یعنی (حضرت حسن جی) کو جتنی زمین کی ضرورت ہو دیدو،اس زمین کاان کو اختیار ہے، وہ جو چاہیں کریں۔پس جب سلطانِ گجرات کے حکم سے آپ کو مطلع کیا گیا تو آپ نے معذرت چاہی اور فرمایا کہ ”مجھے اس سے معذور رکھو۔یہ دنیا کے جھگڑے ہیں، زمین، زن اور زر،فساد اور جھگڑے کے باعث ہوتے ہیں،دنیادار تو ان کا شیفتہ اور فریفتہ ہوجاتا ہے،لیکن پھر دُکھ اٹھاتا ہے اور رنج وغم میں مبتلا ہوتا ہے،میں تو دنیادار نہیں ہوں اور نہ میری نگاہ میں ان چیزوں کی کوئی قیمت یا وقعت ہے۔ ایک درویش کو زمین سے کیا واسطہ اور بادشاہ کی جاگیر سے کیا تعلق!“

بہت اصرار کرنے پرآپ اس بات پر رضامند ہوئے کہ جتنی زمین پر لکیر کھینچوں اتنی ہی زمین مجھے نہیں،بلکہ مسلمانوں کو دے دی جائے چنانچہ جتنی زمین پر آپ نے لکیر لگائی سلطان نے اتنی ہی زمین دیدی، وہ زمین وقف کی گئی ،آپ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد اس جگہ پر بہت سے لوگ آئیں گے اورآرام کریں

گے۔ ایسا ہی ہوا۔ آپ کے ہی قبرستان میں حضرت سید کمال الدینؒ، حضرت پیر مراد شاہؒ، حضرت شیخ عبداللہ گمان پیرؒ مدفون ہیں۔ نور اللہ مرقد ہم۔

کسب معاش: عبادت وریاضت، ذکر وفکر اور اوراد ووظائف سے جو وقت بچتا، اس میں خوش خطی کرتے اور جو کچھ ملتا اس پر اکتفا فرماتے، فتوحات جو ہوتیں وہ اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے۔

ارشادات:

آپ نے فرمایا کہ ''دنیا ایک جال ہے۔ اس جال میں جو پھنسے گا وہ آخر میں پریشان ہوگا''۔

آپ نے فرمایا: خدمت خلق بڑی چیز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ خدمت خلوص سے کی جائے نہ کہ کسی غرض سے۔

آپ نے فرمایا کہ ''خدمت خلق اپنی کسی دنیوی غرض کے ساتھ ہو وہ درحقیقت خدمت نہیں ہے بلکہ ایک تجارت ہے''

آپ نے فرمایا کہ: ''لوگ نادان ہیں، وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دنیا چند روزہ ہے، دنیادار دنیا کو چند روزہ نہیں سمجھتے، اس لئے تگ ودو میں لگے رہتے ہیں اور برسوں اس کے حصول کا انتظار کرتے ہیں''۔

آپ نے فرمایا: ''دنیا فانی ہے، اس سے دل لگانا، نادانی ہے، دنیا کی زیب وزینت عارضی ہے، دنیا کے جاہ ومنصب پر فخر کرنا بے وقوفی ہے''۔

آپ نے فرمایا کہ: ''سیدوں کا مرتبہ بلند ہے، ان کی عزت کرنا فرض ہے اور سرورِ عالم ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہے''۔

آپ نے فرمایا کہ: ”درویش حقیقت میں وہی شخص ہے جو کسی سے بغض نہ رکھے“۔

”درویش وہ ہے جو سب کی حاجت برآری کرتا ہے مگر نہ احسان جتاتا ہے اور نہ معاوضہ طلب کرتا ہے“۔

ف: ماشاء اللہ! جملہ تعلیمات ونصائح لائحہ عمل میں لانے کے لائق ہیں، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

وفات: آپ ۴ر ذوقعدہ ۱۰۶۲ھ کو اپنے معبود حقیقی سے جا ملے، اس وقت آپ کی عمر ۹۴ سال کی تھی، مزار سورت میں ہے، نور اللہ مرقدہ۔

(تاریخ صوفیاء گجرات: ص ر ۱۶۷)

حضرت شیخ ابوتراب مدرس بیجاپوریؒ المتوفی ۱۰۶۸ھ

نام ونسب: نام ابوتراب، لقب سراج العلماء، والد کا نام ابوالمعالی ابن مولانا علیم اللہ محدث۔ آپ کا مولد ومنشا بیجاپور ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے سن شعور کے بعد استاذ العلماء قاضی سید علیؒ مدرس کی خدمت میں کتب درسیہ پڑھنا شروع کیا، عالم شباب میں فارغ التحصیل ہوئے، علوم معقول ومنقول میں بحرمواج تھے، آپ کو علماء، سراج العلماء کہتے تھے، جامع فضائل وکمالات تھے۔

درس وتدریس: درس وتدریس میں مشغول ہوئے، تمام دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے، طلوع آفتاب سے عصر تک درس فرماتے تھے، ہر ایک شاگرد کو ایک ساعت (گھنٹہ) تک سمجھاتے تھے، ہر وقت سامنے گھڑی رکھی ہوئی رہتی تھی، چونکہ آپ جامع العلوم تھے اور آپ کا شاگرد ہر ایک علم وفن میں ممتاز ہوتا تھا، اس لئے دور دور سے طلبہ آتے تھے اور مستفید ہوتے تھے، آپ کے تلامذہ، مشاہر علما میں سے ہوئے، ملا نظام عالمگیری، آپ کے شاگرد تھے، یہ وہ ملا نظام ہیں جو فتاوی عالمگیری کی تالیف کے مہتمم تھے، عالمگیر بادشاہ آپ کے فضائل ملا کی زبانی سن کے ملاقات کے مشتاق تھے، جب بیجاپور میں آئے اس وقت آپ کا انتقال ہوگیا تھا، آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آئے، اور فاتحہ پڑھا، آپ کا عادل شاہی سلطنت سے وظیفہ مقرر تھا، اور مدرسی کی خدمت پر مامور تھے، معزز ومکرم تھے۔

وفات: آپ نے صفر ۱۰۶۸ھ میں رحلت کی، جد امجد شیخ علیم اللہ محدث کی قبر کے متصل بیجاپور میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (محبوب التواریخ: ۱/۵۹)

حضرت علامہ حسن بن عمار شرنبلالی مصریؒ المتوفیٰ سنہ ۱۰۶۹ھ

(صاحب نورالایضاح)

نام ونسب: نام حسن، کنیت ابوالاخلاص، والد کا نام عمار اور دادا کا نام علی ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت سنہ ۹۹۴ھ میں مصر کے ''شبرابلولہ'' نامی بستی میں ہوئی اِس کی طرف نسبت کر کے شرنبلالی کہلاتے ہیں۔

تحصیل علم: چھ سال کی عمر میں ان کو ان کے والد مصر لے آئے تھے، یہیں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور شیخ محمد حمویؒ اور شیخ عبدالرحمٰن المسیریؒ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ امام عبداللہ تحریریؒ علامہ محمد محبیؒ سے علم فقہ حاصل کیا۔ شیخ الاسلام نورالدین علی بن غانم مقدسیؒ سے کافی استفادہ کیا۔

درس وتدریس: آپ اپنے زمانہ کے نامور محدثین اور فقہاء میں سے تھے بالخصوص فتاویٰ میں تو آپ مرجع خلائق تھے۔ آپ نے ایک عرصہ تک جامع ازہر میں درس دیا۔ سید السند احمد بن محمد حمویؒ، شیخ شاہین الامناویؒ، علامہ احمد عجمیؒ اور علامہ اسماعیل دمشقیؒ وغیرہ نے آپ سے سند حاصل کی۔

تصانیف: ماشاءاللہ تصنیف وتالیف میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، صاحب ''ظفر المحصلین'' مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ نے تصانیف کی تعداد سینتالیس شمار کرائی ہے، اس میں نورالایضاح کا بھی تذکرہ ہے، جو ہمارے مدارس میں بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے، خود آپ نے اپنی اس تصنیف کی دو شرحیں فرمائی ہیں جو

''امداد الفتاح'' اور ''مراقی الفلاح'' کے نام سے جانی جاتی ہیں۔

ف: الحمد للہ کہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے وصیۃ العلوم خانقاہ فتح پور تال نرجا ضلع مئو ۱۹۵۱ء میں مراقی الفلاح کا ہم طلبہ کو سبقاً سبقاً درس دیا، جس سے نماز کے بہت سے مسائل و جزئیات کا علم ہوا، اور میں سمجھتا ہوں کہ طلبہ و علماء کو جزئیات کو معلوم کرنے کے لئے اس کی طرف ضرور رجوع کرنا چاہئے۔ اس کا حاشیہ طحطاوی علی المراقی ہے وہ بھی نہایت عمدہ اور بصیرت افروز ہے۔(مرتب)

وفات: تقریباً ۷۵ ؍سال کی عمر میں جمعہ کے روز عصر کے بعد ۱۱ ؍رمضان المبارک ۱۰۶۹ھ میں سفر آخرت فرمایا اور تربۃ المجادرین (مصر) میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ ونور اللہ مرقدہ (ظفر المحصلین ص؍۲۷۴)

شیخ محمد بن ابی سعید کالپوی ؒ المتوفی ۱۰۷۱ھ

نام ونسب: نام محمد، والد کا نام ابو سعید ہے، آپ کا شمار علماء ربانیین میں ہوتا ہے۔

ولادت: ۱۰۰۶ھ میں کالپی ضلع کان پور یوپی میں آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ کے مختصر حالات: مگر آپ کی ولادت سے پہلے والد کی وفات ہو چکی تھی۔ اس لئے اپنی پاک والدہ کی گود میں تربیت پائی۔ جب یہ سات سال کے ہوئے تو شیخ محمد یونس جو علماء محدثین میں سے تھے "کٹرہ" مانک پور سے واپس آئے اور "کالپی" شہر میں رہے پھر ان کے ساتھ مشغول ہوئے درسی کتابیں علامہ تفتازانی کی "مطول" تک پڑھیں اور ان سے ہی حدیث کی سند لی۔ پھر جاجمئو کانپور گئے اور کچھ کتابیں مولانا عمر جاجمئوی ؒ سے پڑھیں، پھر "کوڑہ" جہان آباد گئے اور باقی تمام درسی کتابیں شیخ جمال الاولیاء بن مخدوم کوڑوی ؒ سے پڑھیں پھر ان سے علم طریقت بھی حاصل کیا اور اپنے شہر واپس آکر زمانہ تک لوگوں کو پڑھاتے اور فائدے پہنچاتے رہے اور ان سے طریقہ احراریہ حاصل کیا۔ اس کے بعد پڑھانے اور فائدے پہنچانے میں دس سال تک لگے رہے، پھر اکبر آباد گئے، اپنے شیخ ابو العلاء ؒ مذکور کے ساتھ چار مہینے رہے، پھر اپنے شہر لوٹ گئے اور زمانہ تک وہاں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد خلوت اختیار کرلیا۔ جیسا کہ "ضیاء محمدی" میں ہے۔ اور "بلگرامی" نے "مآثر الکرام" میں کہا ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر

آخری عمر میں روزہ سے رہنے کو لازم کرلیا تھا اور اسی پر مداومت کرتے رہے سوائے ان دنوں کے جن میں روزے حرام ہیں، ان میں افطار کرلیتے تھے، اس طرح آخر میں چھ سال تک زندگی گذاری۔ انتہیٰ

تصانیف: آپ کی تصنیفات متعدد ہیں۔ ان میں چند کتابیں درج کی جاتی ہیں۔ مثلاً سورۂ یوسف کی تفسیر۔ ارشاد السالکین اور مسئلہ فنا وغیرہ۔

وفات: ۱۰۷۱ھ سنہ کے ۲۶ر شعبان کو آپ کا انتقال ہوا۔ جب کہ آپ کی عمر پینسٹھ سال کی تھی ان کی مزار کالپی ضلع کانپور یوپی میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ

(نزہۃ الخواطر ج۵ ص۲۴۰)

حضرت شیخ تاج الدین جھونسوی الہ آبادیؒ المتوفی ۸۷۳ھ

نام ونسب: نام تاج الدین، والد کا نام شیخ منہاج الدینؒ ہے، آپ صدیقی النسل ہیں اور حضرت مولانا خواجہ کلاںؒ ابن شیخ نصیر الدین جھونسوی کے چچازاد بھائی ہیں۔

تعارف: شیخ تاج صالح ومتقی اور بزرگ شخص ہیں، والد کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا، اسی بناء پر مولانا خواجہ کلاںؒ نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا تھا، اور بڑی محبت وشفقت سے پرورش فرمائی، شیخ تاج الدینؒ نے اپنے والد گرامی کے ایماء پر صغرسنی ہی میں حضرت سید رکن الدین ابوالفتح فیض اللہ ظفر آبادیؒ سے شرف ارادت حاصل کرلیا تھا۔

تعلیم وتربیت: شیخ تاج الدینؒ نے سن بلوغ تک پہونچتے پہونچتے قرآن پاک وکتب فارسیہ کی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی تھی، اسی کے بعد رسائل صرف ونحو وغیرہ حضرت اسد العلماء شیخ نصیر الدینؒ سے پڑھا، جب کچھ علمی ذوق بڑھا اور شوق نے رہنمائی کی تو شیراز ہند جون پور تشریف لے گئے جہاں شیخ نوراللہ انصاری ہرویؒ سے بقیہ علوم وفنون کی تکمیل فرمائی، اس کے علاوہ اللہ تعالی نے آپ کو خزینہ رحمت سے علم لدنی بھی عطا فرمایا تھا، بے نظیر قوت حافظہ سے نوازا تھا، شیخ ابوالفتح ظفر آبادیؒ کی دعاؤں اور مولانا خواجہ کلاںؒ نے اس گوہر آبدار کو تاج خلافت کی زینت بنا کر جھونسی خانقاہ کا روحانی حکمراں بنا کر، رشد وہدایت کا کام سپرد فرمادیا

تھا، چنانچہ جھونسی کی ولایت آپ کی نورانیت سے جگمگائی اور دین اسلام کی خوب اشاعت ہوئی ہزاروں اللہ کے بندوں نے آپ سے فیض پایا۔

(مناقب العارفین: ص ر ۳۰،۶۵)

وفات: ایک مؤرخ کے بیان کے مطابق شیخ تاج کا وصال ۱۰۷۳ھ میں عالمگیر اورنگ زیبؒ کے فرماں روائی کے دور میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، مزار مبارک جھونسی الٰہ آباد میں ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔

(تذکرہ طیب بنارسی: ص ر ۷۰، بحوالہ تاریخ شیراز ہند جون پور)

حضرت مولانا شاہ یاسین صدیقی بنارسیؒ المتوفی ۱۲۷۶ھ

نام ونسب: نام مولانا یاسین، والد کا نام احمد، دادا کا نام شیخ عبدالرحیم ہے۔آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا ابو بکر صدیقؓ پر منتہیٰ ہوتا ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۲۰۰ھ بمقام جون پور ہوئی۔

تعلیم وتربیت: مولانا شاہ یاسین بنارسی بچپن ہی سے مولانا شاہ طیب بنارسی کی آغوش تربیت میں آگئے۔انہوں نے اولاد کی طرح آپ کی پرورش اور نگہداشت فرمائی۔مولانا یاسین بھی ان سے جدا نہ ہوئے اور اس درجہ قریب ہو گئے کہ عوام وخواص انھیں شاہ طیب کا فرزند سمجھنے لگے،شاہ طیب سے انھوں نے ابتدائی مروجہ کتابوں سے لے کر ''الارشاد'' اور ''کنزالدقائق'' تک کی تعلیم حاصل کی۔مولانا یاسین خود اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

ایں ضعیف تا آنکہ پانزدہ سالہ شد از خدمت وے جدا نہ شدہ بود ہمیشہ در نظر می بود تا ارشاد وکنزالدقائق در ملازمت وے تحصیل نمود۔	بندہ کبھی بھی آپ کے پاس سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ احقر کی عمر پندرہ سال ہوگئی،وہ ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ارشاد اور کنزالدقائق تک ان کی خدمت میں رہ کر پڑھی۔

بعدازاں شاہ طیب کی اجازت سے جون پور تشریف لے گئے۔وہاں مولانا محمد افضل بن محمد حمزہ بن محمد سلطان عثمانی جونپوری (م ۱۲۶۲ھ) اور علامہ محمد رشید بن محمد مصطفیٰ عثمانی جونپوری (م ۱۲۸۳ھ) سے فقہ،اصول فقہ،منطق وفلسفہ اور نحو کی

کتابیں پڑھیں۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) کے فرزند کبیر مفتی نورالحق محدث دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) سے بھی حدیث کی سند لی۔ جون پور کے زمانہ طالب علمی میں آپ کا معمول تھا کہ سال میں ایک بار شاہ طیبؒ کی خدمت میں آتے دو تین ماہ رہ کر فیوض و برکات سے مستفید ہوتے۔ پھر جون پور چلے جاتے۔ اس سلسلہ میں خود لکھتے ہیں:

اما در ہر سال یکمرتبہ در خدمت پیر دستگیر رسیدے انواع و برکات و فیوض حاصل کردے دو سہ ماہ بخدمت ایشاں ماندہ باز جونپور رفتے۔	سال میں ایک بار خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور فیوض و برکات حاصل کرتا اور دو تین ماہ خدمت میں رہ کر جونپور چلا جاتا۔

مولانا کی ضروریات، مصارف و اخراجات شاہ طیب ہی پورا فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے لئے جونپور سے ان کے من پسند کپڑے بھی روانہ فرماتے تھے۔ مولانا یاسین بھی شاہ طیب کو اپنا بزرگ اور سرپرست تسلیم کرتے تھے۔ مولانا شاہ صاحب کی عنایات لطف و مہربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خود بحضور خود میخوارند، اگر کم می خوردم می فرمود کہ ایں قدر خوردن چہ قوت حاصل خواہد شد و اکثر برائے طعام مرغن و چرب تاکید کردے کہ دماغ زبوں نشود۔	شاہ صاحب اپنے سامنے بٹھا کر کھانا کھلاتے، اگر میں کم کھاتا تو فرماتے کہ اتنا کم کھانے سے کیا ہوسکتا ہے؟ چربی اور روغن دار کھانے کی تاکید کرتے تاکہ دماغ کمزور نہ ہو۔

ف: حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بھی صحت و قوت کے خیال رکھنے

کی ہم سب کو برابر تاکید فرماتے تھے کہ بغیر صحت وقت کے دین کا کیسے کام کرو گے۔ ہاں اگر مریض کو معالج مرغن غذاؤں سے پرہیز بتلائے تو عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ نہیں۔ (مرتب)

بہر کہ شاہ صاحب ان کی ہر طرح دلجوئی فرماتے۔ ساتھ ہی ساتھ تہجد اور ذکر کی تلقین فرماتے اور نماز تہجد کے لئے سخت تاکید فرماتے۔ اکثر نفل روزوں سے منع کرتے کہ یہ تمہارے حال کے مناسب نہیں ہے۔ صرف ایام بیض کے روزے پر اکتفاء کرنے کا حکم کرتے۔ مولانا یاسین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت کی خدمت میں بنارس آیا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ "وقت تہجد برمی خیزی" تہجد کے لئے اٹھتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ "گاہ گاہ برمی خیزم" کبھی کبھی اٹھ جاتا ہوں۔ اس وقت شاہ صاحب نے فرمایا کہ تہجد کے وقت میں بڑی وسعت ہے اس میں ہرگز ناغہ نہیں ہونا چاہئے۔ اور اسماء حسنیٰ کے ذکر کی بھی تاکید کرتے تھے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں کو تہجد کی نماز اور اسماء حسنیٰ کی اہمیت کس قدر تھی کہ اپنے لوگوں کو اس کی ادائیگی کی تاکید فرماتے تھے۔ اس لئے ہم سب کو اس کی پابندی کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین (مرتب)

اجازت وخلافت: مولانا یاسین بنارسی جونپور کے تعلیم کے دوران اکثر بنارس آتے تھے۔ جس سے تعلیم میں کافی نقصان ہوتا تھا شاہ صاحب نے اس نقصان سے بچنے کے لئے اور مزید تحصیل علم کی خاطر مولانا یاسین کو کٹرہ مانک پور بھیج دیا۔ وہاں شیخ جمال الاولیاء کوڑہ جہان آبادی (م ۱۰۴۷ھ) سے تفسیر بیضاوی اور ہدایہ جلد اول پڑھی۔ ابھی وہاں ڈھائی ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ

شاہ طیب نے ایک شخص کو خط دے کر بھیجا جس میں تحریر تھا کہ خط دیکھتے ہی بلا تاخیر بنارس آجاؤ۔ یہ خط رمضان کی انتیسویں تاریخ کو موصول ہوا۔ اس لئے آپ دوسرے دن نماز عید ادا کر کے کٹرہ سے روانہ ہوئے۔ ابھی سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے جھونسی پہنچے تھے کہ شاہ طیب کے وصال کی خبر موصول ہوئی۔ وصال کی خبرسن کر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ صدمہ و پریشانی کی انتہاء نہ رہی۔ اسی حال میں سفر جاری رکھا اور ۱۰ رشوال کو منڈواڈیہہ (بنارس) پہنچے جب کہ شاہ طیب کے انتقال کے کئی دن گذر چکے تھے یہ واقعہ ۱۰۴۲ھ کا ہے۔

مولانا یاسین بنارسی جب اپنی عمر کی انیسویں سال کو پہنچے تو شاہ طیب نے انھیں ۱۰۳۹ھ میں اپنے سلسلہ طریقت میں داخل کرلیا تھا۔ اور کچھ وظیفوں کی تلقین کردی تھی جس پر وہ پابندی سے عمل کرتے تھے۔ پھر بیعت کے ایک سال بعد ۱۰۴۰ھ میں رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کا حکم کیا اور عید کے روز خواجگان چشت کا پیراہن عنایت فرمایا۔ اوراد و وظائف کی تلقین کی۔ اور اسی سال سلسلۂ قادریہ سہروردیہ کی بھی اجازت وخلافت سے نوازا۔

مولانا یاسین حضرت شاہ طیب صاحبؒ کی وفات کے بعد مولانا محمد رشید عثمانی جونپوری سے سلوک ومعرفت کی تعلیم حاصل کرنے لگے، ان سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔ آپ نے منڈواڈیہہ بنارس میں پوری زندگی اصلاح وتبلیغ میں گذاردی، عبادت وریاضت میں شب وروز منہمک رہتے، عام طور سے نصف شب کو بیدار ہوتے اور فجر تک نوافل اور ذکر میں مصروف رہتے، بعد میں شاہ طیب کے جانشین ہوگئے۔

تصنیف: آپ نے ایک گراں قدر اور اہم کتاب ”مناقب العارفین“ ۱۰۵۴ھ میں تصنیف فرمائی جس میں اپنے پیر و مرشد مولانا شاہ طیب بنارسی اور ان کے خاندان کے بزرگوں کے مفصل حالات قلمبند فرمانے کے بعد دوسرے مشائخ چشت کے حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

وفات: زندگی کے اخیر ایام میں جھونسی تشریف لے گئے، وہیں ۲۰؍ربیع الثانی ۱۰۷۶ھ شب سہ شنبہ کو وصال ہوا۔ جھونسی ہی میں اسد العلماء شیخ نصیر الدین جھونسوی (م ۹۸۰ھ) کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ اور مرقع بنارس میں آپ کا مزار منڈواڈیہہ میں لکھا ہے جو قرین قیاس نہیں۔

(تذکرہ علماء بنارس مؤلفہ مولانا وسیم احمد قاسمی ص؍۳۵۰)

حضرت عبدالرحمن متقی بیجاپوریؒ المتوفی ۱۰۷۸ھ

تعارف: آپ کی ولادت احمد آباد گجرات میں ہوئی آپ ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں گجرات سے بیجاپور دکن میں آئے، اہل شہر آپ کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے، آپ جامع فضائل وکمالات تھے، زہد وتقویٰ، ریاضت و پارسائی میں بے مثال تھے، کسب واکل حلال میں عدیم النظیر تھے، زراعت کرتے تھے، جو کچھ غلّہ برآمد ہوتا تھا اس میں سے بقدر ضرورت خرچ کیلئے رکھ لیتے تھے، باقی فقراء پر تقسیم کردیتے تھے، منقول ہے کہ فخر الیقین شاہد المتقین شیخ متقی المکی الگجراتی نے آپ سے ایک مشت غلہ منگوایا تھا، آپ نے ایک مشت باجرا روانہ کیا تھا، دہلی سے ایک بزرگ آپ کی شہرت سن کے بیجاپور آئے، اور آپ کی خدمت میں مدت تک رہے، اور فیض صحبت سے کافی حصہ حاصل کرکے روانہ ہوئے، آپ عالم فاضل وعارف کامل تھے، طالبین ومریدین کو ہدایت وتلقین فرماتے تھے۔

وفات: شروع ماہ ذوالحجہ ۱۰۷۸ھ میں رحلت کی، بیرون شہر بیجاپور فتح دروازہ میں مدفون ہوئے، آپ کی عمر ایک سونو (۱۰۹) برس کی تھی، نور اللہ مرقدہ۔

(محبوب التواریخ: ۱/۵۸۰)

حضرت مولانا قاضی محمد حسین جونپوریؒ المتوفی ۱۰۸۰ھ

فضل وکمال: جون پور کے باشندے اور اپنے وقت کے ممتاز علماء میں تھے۔فرحۃ الناظرین میں ہے:

ازعلم وفضل بہرہ وافر داشت۔(یعنی علم وفضل میں ممتاز تھے)

شاہجہاں کے عہد میں جون پور کے قاضی تھے،عالمگیر کے عہد میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے۔جلوس عالمگیری کے ساتویں سال دربارشاہی میں حاضر ہوئے۔عالمگیر نے انعام واکرام کے علاوہ فوج کا عہدہ احتساب بھی ان کے سپرد کر دیا۔اور اس کے بعد سے برابر وہ اسی کی خدمت کو انجام دیتے رہے۔ محبوب الاحباب میں ہے۔

خدمت احتساب عسکر خلعت امتیاز پوشیدہ ورفع مناہی وترویج احکام رسالت پناہی وقمع آلات ملاہی کوشش وارادہ بکار برد۔(ص ۵۱۶)	احتساب کی خدمت ان کے سپرد ہوئی انھوں نے احکام اسلامی کی ترویج اورلہو ولعب کے ذرائع کو دور کرنے کی پوری کوشش کی۔

بختاور خاں جو عالمگیر کا بہت مقرب امیر تھا،قاضی صاحب اوران کے علم وتقویٰ کا اس پر بڑا اثر تھا،چنانچہ عالمگیر سے بھی ان کے علم وفضل ،دیانت وتقویٰ کی تعریف کرتا تھا۔ ۱۰۷۹ھ میں عالمگیر نے عہدۂ احتساب کے علاوہ اور بھی مناصب ومراتب عطا کئے۔مآثر عالمگیری میں ہے۔

"بادشاہ ہنر پرور نے ان کو ایک صدی منصب دار مقرر فرمایا رفتہ رفتہ قاضی محمد حسین اعانت و امداد اور اپنی سلیقہ شعاری سے مرتبۂ امارت خانی پر سرفراز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے"۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

فتاویٰ عالمگیری کے لئے انتخاب: ان کے ان کمالات کی بنا پر ان کو بھی فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک کیا گیا۔ اور اس کی تکمیل میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ تذکرہ علمائے ہند میں ہے:

در تالیف فتاویٰ عالمگیری سعی نمودہ۔

یعنی فتاویٰ عالمگیری کی تکمیل میں کافی حصہ لیا۔

محبوب الاحباب میں ہے:۔

یک ربع فتاویٰ عالمگیری تالیف نمودہ۔

یعنی ایک چوتھائی فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں حصہ لیا۔

وفات: مآثر عالمگیری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۰۸۰ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (ص/۶۵)

(فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص/۳۸)

حضرت قطب الاقطاب دیوان محمد رشید عثمانی جونپوریؒ المتوفی ۱۰۸۳ھ

نام ونسب: نام محمد رشید، لقب شمس الحق، فیاض اور دیوان ہے، کنیت ابوالبرکات ہے، تخلص شمسی، والد کا نام شیخ مصطفیٰ جمال ہے۔

ولادت: آپ دس ذیقعدہ ۱۰۰۰ھ میں موضع برونہ میں پیدا ہوئے، یہ جون پور کے مشرق میں واقع ہے، اور اس وقت حدود اعظم گڑھ میں ہے۔

علمی مقام ومرتبہ: گیارہویں صدی ہجری کے علماء میں دیوان صاحب امامت وعبقریت کے مقام پر فائز اور شریعت وطریقت کے مسلّم مقتدا تھے، آپ کے اساتذہ ومعاصرین آپ کی جودت طبع، ذہانت، فطانت اور علمی وفنی مہارت کے معترف تھے، آپ کے معاصر اور استاذ بھائی شیخ رکن الدین بحریا آبادی تلمیذ خاص شیخ مفتی شمس الدین برونوی المتوفی ۱۰۴۷ھ کو جب کوئی علمی شبہہ وارد ہوتا تو اپنے تبحر علمی کے باوجود دیوان صاحب کی طرف مراجعت فرماتے اور تشفی بخش جواب سے مطمئن ہوتے۔

یوں تو دیوان صاحب جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، لیکن فقہ، اصول اور تصوف میں خاص امتیاز حاصل تھا، اسلئے استاذ الملک مقدمات اصول وفقہ، دیوان صاحب سے پوچھتے تھے، اور مبادیات حکمت وفلسفہ ملا محمود جونپوری سے۔ (مقالات حبیب: ۳/۳۴۳)

دیوان صاحب کے بارے میں اہل باطن کی پیشین گوئیاں

جس دن استاذ الملک شیخ محمد افضل جونپوری کی وفات ہوئی، اسی دن لاہور

میں ملاخواجہ نے جو سلسلہ قادریہ کے مشائخ میں ہیں، فرمایا کہ

امروز قطب جونپور وفات یافتہ و بعدے چند شیخ محمد رشید نامی خواہد گشت۔

(آج قطب جونپور کی وفات ہوگئی اور چند دن کے بعد اس مقام پر محمد رشید نامی فائز ہوں گے)

شیخ عبدالعزیز جونپوری خلیفہ قاضی خاں ظفرآبادی نے اپنی آخری عمر میں فرمایا کہ:

بعد ما مردے فقیر پیدا خواہد کہ نام وے محمد رشید خواہد بود۔ (گنج ارشدی: ص/۱۲۳)

(میرے بعد ایک مردِ فقیر پیدا ہوگا جس کا نام محمد رشید ہوگا۔)

شیخ عبدالعزیز بڑے باکمال و صاحب حال وقال بزرگ تھے، ۹۷۵ھ میں آیت پاک سُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (سورۃ یٰسین: ۸۳) کے سماع پر واصل بحق ہوگئے، دیوان صاحب کے ایام طفولیت میں ایک تقریب کے سلسلہ میں شیخ عبدالجلیل لکھنوی برونہ تشریف لائے، حصول برکت کے لئے آپ کو شیخ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، شیخ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا:

عارف کامل عالم و عامل خواہد بود و نیشکر بسیار تناول نمود۔ (ایضا: ص/۱۳)

(عالم باعمل و عارف اجل ہونگے اور گنا کثرت سے استعمال کریں گے۔)

ان پیشین گوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ دیوان صاحب کا مقام علم و ولایت کس درجہ کا تھا۔ (مقالات حبیب: ص/۳۴۷)

دیوان صاحب بحیثیت استاذ: تحصیل و تکمیل کے بعد دیوان صاحب

مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے اور تشنگانِ علوم کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کرنا شروع کر دیا، بیشمار بندگانِ خدا آپ کے علمی فیوض سے مستفید ہوئے، طلبہ کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے، اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ جس پتھر پر طلبہ جوتیاں اتارتے تھے اس کو میرے قبر میں تختہ کے طور پر رکھ دیا جائے۔

آپ کے درس و تدریس کو علماء و مشائخ بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اس شغل کو باقی رکھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔

دیوان صاحب کو طلبہ کا تعلیمی نقصان گوارا نہیں تھا، ان کو مطالعہ اور ہمہ وقت درس کیلئے مستعد رہنے کی تاکید کرتے رہتے تھے اور اپنے آپ کو بھی اس کے لئے فارغ رکھتے تھے،، لیکن آخری وقت میں جب عبادت و ریاضت اور سیر الی اللہ میں انہماک بڑھ گیا اور اکثر جذب اور استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی اور درس میں ناغہ ہونے لگا تو تلامذہ کو اپنے تلمیذ رشید و خلیفہ اجل شیخ نورالدین مداری کے حوالہ کر دیا اور اس وقت سے تدریس کا کام موقوف ہوگیا۔

دیوان صاحب کے اکثر شاگرد علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی دیوان صاحب ہی سے استفادہ کرتے تھے، اور ان میں اکثر خلعتِ خلافت سے بھی مشرف ہوئے۔

اَحسان و سلوک: دیوان صاحب جس طرح علوم ظاہری میں شہرۂ آفاق تھے، اسی طرح علوم باطنی میں بھی طاق تھے، نو برس کی عمر میں جو کھیلنے کھانے کا زمانہ ہوتا ہے کسی

مرشد سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرنا تو درکنار اس کا تصور آنا بھی غیر معمولی بات ہے۔

دیوان صاحب اسی زمانہ میں اپنے والد شیخ مصطفیٰ جمال سے بیعت ہو گئے تھے، اور خرقہ خلافت سے بھی مشرف ہوئے۔

اس کے بعد آپ نے شیخ طیب بنارسیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، آپ نے سلسلہ چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں خرقہ خلافت سے نوازا۔

ان سلاسل میں تکمیل کے بعد بھی ذوق طلب نے چین نہیں لینے دیا اور خواہش پیدا ہوئی کہ سلسلہ قادریہ چشتیہ میں شیخ حسام الحق مانکپوریؒ کے خاندان سے نسبت حاصل کر لینا چاہئے، چنانچہ شاہ راجی سید احمد مانکپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ راجی نے بکمال شفقت ومحبت چند دن اپنے پاس رکھ کر خلعتِ خلافت سے مشرف فرمایا۔

ان مشائخ کے علاوہ اس دور کے دوسرے مشائخ سے بھی آپ کو اجازت حاصل ہوئی، بخوف طوالت ان کو نظر انداز کر دیا گیا۔ (مقالات حبیب: سوم/۳۵۶)

تصنیف وتالیف: دیوان صاحب درس وتدریس کے علاوہ تالیف وتصنیف میں بھی اپنے معاصرین میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔

سرعت تالیف میں آپ کے ہم عصروں میں آپ کا کوئی ثانی نہیں، آپ نے بعض ایسی اہم کتابیں لکھیں جو گیارہوں صدی کی علمی یادگار بن گئیں، ان کے ہر تذکرہ نگار نے ان کے دوسرے کمالات کے ساتھ تصنیفی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے، اور اکثر کتابوں کا تعارف کرایا ہے، مگر افسوس کہ ان کتابوں میں دو کے سوا اب تک کوئی کتاب بھی طبع نہ ہو سکی اور نہ آئندہ کی امید ہے، آپ کی چند کتابوں کا

تذکرہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً رشیدیہ أبی، تذکرۃ النحو، شرح ہدایۃ الحکمۃ أبی، مقصود الطالبین اور زاد السالکین وغیرہ۔

اخلاق وسیرت: مزاج میں حد درجہ قناعت واستغنا تھا، امراء وسلاطین کے دربار میں جانا قطعاً پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ نواب سعد اللہ خاں جب شاہ جہاں کی وزارت سے مستعفی ہوئے تو شاہجہاں نے ان سے کہا کہ اپنا قائم مقام تجویز کرلو، انہوں نے دیوان صاحب کا نام نامی پیش کیا، شاہجہاں نے ایک شخص حاجی محمد سعید نامی کے ذریعہ دو ہزار روپئے زادراہ کے لئے اور ایک أیضہ دیوان صاحب کی خدمت میں ارسال کیا اور اشتیاق ملاقات ظاہر کیا، دوسرا خط حاکم جونپور مرزا امکرم خاں کے نام روانہ کیا کہ جس طرح ہوسکے دیوان صاحب کو آمادہ کرکے میرے پاس دہلی بھیج دو؛ لیکن زبردستی نہ کرنا، دیوان صاحب نے شاہجہاں کی پیشکش کو قبول نہیں کیا، بعد میں دو ہزار روپئے بطور نذرانہ پیش کئے مگر اسے بھی قبول نہیں فرمایا۔

شہد اور کلونجی سے شفا کا واقعہ: سنت نبوی کو حتی الوسع ترک نہ فرماتے، جملہ امراض میں شہد اور کلونجی استعمال فرماتے اور شفایاب ہوتے، ایک مرتبہ بخار آیا، محمود جونپوری المتوفی ۱۰۶۲ھ نے علاج کیا مگر صحت نہ ہوئی تو آپ نے کلونجی اور شہد منگا کر استعمال کیا تو بخار زائل ہوگیا، ملا محمود نے تعجب کے لہجے میں فرمایا: ”دوائے گرم در تپ صفراوی چگونہ مفید شد“ دیوان صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ”شمارا برقول حکماء اعتماد است ومرا برقول خدا ورسول“۔ (تم کو حکماء کے قول پر اعتماد ہے اور مجھے اللہ ورسول کے ارشاد پر اعتماد ہے)

ف: اسی طرح امام غزالیؒ نے کہا ہے کہ، تعجب ہے کہ محمد ابن زکریا حکیم کے قول کو

صحیح سمجھتے ہو مگر محمد ابن عبداللہ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد پر یقین نہیں۔العیاذ باللہ تعالیٰ (مرتب)

وضوء، نماز اور مصلیٰ کی پاکی میں حد درجہ اہتمام تھا، جب تک دریا کا پانی ملتا کنویں کے پانی سے وضو اور غسل نہیں کرتے تھے۔

ارشادات

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: تا کسے بجمعیت خاطر باحتیاط وضو کند نماز او ہم بجمعیت میسر آید و چوں در وضو احتیاط نمی کند در نماز تفرقہ خاطر آید۔

ترجمہ: جب تک جمعیت اور احتیاط کے ساتھ وضوء ہوگا نماز میں یکسوئی و جمعیت حاصل ہوگی، اور جب وضوء میں بے احتیاطی ہوگی تو نماز انتشار کا شکار ہوگی۔

مائے مستعمل اگر کپڑے میں لگ جاتا تو اسے دھوتے اور فرماتے کہ ہر چند موافق فتویٰ آب آن طاہر است اما تقویٰ شستن رامی خواہد۔

ترجمہ: از روئے فتویٰ اگرچہ ماء مستعمل طاہر ہے مگر تقوی کی رو سے دھونا مناسب ہے۔

علمی کمالات کے ساتھ بڑے شجاع و دلیر تھے، تیر اندازی میں مہارت رکھتے تھے۔

وفات: فجر کی نماز میں سجدہ کی حالت میں ۹؍رمضان ۱۰۸۳ھ یوم جمعہ کو روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی، آپ کے تلمیذ خاص وخلیفہ شیخ محمد ماہ دیوگامی اعظم گڑھی نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشید آباد شہر جونپور، یوپی میں ہمیشہ کیلئے اس گنجینۂ علم کو دفن کر کے سپرد خاک کر دیا گیا۔ (مقالات حبیب سوم: ص؍۳۶۰)

حضرت شاہ برہان الدین راز الٰہی برہان پوریؒ المتوفی ۱۰۸۳ھ

نام ونسب: نام برہان محمد، لقب راز الٰہی، مگر آپ برہان الدین اولیاء سے مشہور ہیں، آپ حضرت شیخ کبیر محمد بن علی صدیقی گجراتی کے فرزند ہیں، آپ ماں کی طرف سے حسینی اور باپ کی طرف سے صدیقی ہیں۔

آپ کے جد بزرگوار کا وطن بھروچ، گجرات تھا لیکن آپ نے برہانپور میں سکونت اختیار کی۔

ولادت: آپ کی ولادت ۹۹۸ھ میں ہوئی چنانچہ آپ کی سن ولادت ''فیض حق'' (۹۹۸ھ) سے برآمد ہوتی ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ کی عمر دس برس کی تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ انتقال کرگئیں، اور پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت سے بھی محروم ہوگئے، آپ کے عم بزرگوارؒ آپ کے کفیل ہوئے، اور عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے عمؒ بزرگوار کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، اس کے بعد شیخ علم اللہؒ سے حدیث وفقہ اور سلوک کی تکمیل کی، دوسرے علوم متداولہ میں بھی کامل وفاضل ہوئے، علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کے حصول کا جذبہ بھی موجزن تھا، اسلئے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ہی مرشد کامل کی جستجو شروع کی۔

بیعت واجازت: اس زمانے میں برہانپور میں حضرت ملک حسین بنبانیؒ کا شہرہ تھا، آپ سے بیعت ہوئے، آپ نے ذکر نفی واثبات کی تلقین کی، اور اس کے

فوائد تفصیل سے بتلائے، جب شیخ بنبانیؒ سیر وتفریح کیلئے نواح ملک میں چلے گئے تو اس وقت حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہؒ کی خدمت میں گئے اور بیعت ہو گئے، اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ مرشد کے بڑے معتمد علیہ بن گئے، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

عظمت و بزرگی: حضرت کے دیدار اور شرف ملاقات کیلئے بڑے بڑے امراء ورؤساء آپ کے گھر آتے، آپ کے کلمات نصیحت سنتے اور آپ کی صحبت میں فیض سے مستفید ہوتے تھے، نصیر خاں فاروقی تلمیذ نصیر الدین فاضل ہندی حضرت کی خدمت بابرکت میں ۳۰ ؍سال تک رہ کر فیض یاب ہوتا رہا۔

امیر الامراء شائستہ خان جو آصف خان وزیر اعظم کا فرزند اور شہنشاہ عالمگیر کا ماموں تھا حضرتؒ کا معتقد تھا، جب کبھی حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بیعت کی التماس کرتا لیکن آپ اس کو ٹال دیتے، ۱۰۸۲ھ میں ایک مرتبہ رات کے وقت شہزادہ معظم بن عالمگیرؒ بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مجلس ختم ہونے کے بعد پانی دم کر کے مرحمت کرنے کی التماس کی، حاضرین میں سے کسی نے وہ پانی جو جماعت خانہ میں فقیروں کیلئے تھا لانا چاہا، حضرت نے منع فرما دیا اور شہزادہ کے ہمراہ جو پانی تھا وہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ وہی پانی لایا گیا، حضرت نے اس پانی کو دم کر کے شہزادے کو دیا، اس پانی کے پیتے ہی شہزادہ کے دل میں جو وسوسے تھے وہ دور ہو گئے۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور: ۴۲۳)

ف: حضرت شیخ نے شہزادے کی نزاکت کا لحاظ رکھ کر عام پانی پر دم نہیں فرمایا جو ہمارے بزرگوں کے نفسیات کے علم پر دال ہے جو اصلاح وتربیت کے کام

کرنے والوں کیلئے نہایت درجہ ضروری ہے۔(مرتب)

متفرق حالات وواقعات: حضرت شاہ برہان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد وہدایت کے ساتھ درس وتدریس کا شغل بھی جاری رکھتے تھے، اوراس سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں تشریف لاتے اور فقہ وتفسیر وسلوک کا درس دیتے، جس کا سلسلہ اکثر نصف النہار تک جاری رہتا۔

آپ کی شہرت وفیض رسانی کے باعث دن رات معتقدین کا مجمع لگا رہتا، اس کے علاوہ لوگوں سے بچنے کیلئے اور بھی مختلف تدبیریں اختیار کرتے، لیکن کسی طرح خلق اللہ کا ہجوم کم نہ ہوتا تھا، اس لئے آخر عمر میں جب کہ آپ کے قویٰ بالکل کمزور ہوگئے، آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی، نماز پنج گانہ جماعت خانہ میں پڑھتے اوراوراد ووظائف حجرے میں ادا کرتے۔

حضرت راز الٰہی بڑے عابد وزاہد ومرتاض تھے، آپ کے شبانہ یوم کا بڑا حصہ عبادت وریاضت میں گزرتا تھا، آپ سومرتبہ روزانہ یا حیّ یا قیّوم لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین پڑھتے، روزانہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد انّا انزلنا پڑھتے تھے، اور فجر کی سنت میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھتے تھے، اور سنت فجر کے بعد سبحان اللہ بحمداللہ، سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ سوبار پڑھتے تھے اور آخر میں تین بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتے تھے اور فجر اور مغرب کی نماز کے بعد استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ تین مرتبہ اور" اللّٰھم انت السلام

ومنك السلام وإليك يرجع السلام حينا ربنا بالسلام تباركت ربنا وتعاليت ياذا الجلال والاكرام ۔ اللّٰهم لامانع لما اعطيت ولامعطي لما منعت ولا راد لما قضيت ولاينفع ذا الجد منك الجد

ایک مرتبہ پڑھتے تھے، اسکے بعد بھی متعدد وظائف ادا فرماتے تھے۔

(تاریخ اولیاء کرام برہانپور: ۴۲۷)

ف: نہایت مفید وظائف ہیں۔ اللہ ہم سب کو ان وظائف پر مواظبت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

اقوال

فرمایا کہ: جو عمل اللہ تعالیٰ تک پہونچائے وہ دین ہے اور جو عمل اللہ تعالیٰ سے باز رکھے وہ دنیا ہے۔

ف: سبحان اللہ! کیا خوب دین و دنیا کی حقیقت بیان فرمائی جو ہر شخص کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کارہائے دین کرنے کی توفیق دے۔ آمین (مرتب)

فرمایا کہ: سلطان ابوسعید ابوالخیر فرماتے تھے کہ ایک دسترخوان پر اور ایک طبق میں مل کر کھانا سنت ہے اور باعث برکت بھی۔

فرمایا کہ: جہاں ادب نہیں وہاں فیض نہیں، ہر کام میں اللہ کی مدد ڈھونڈو۔

فرمایا کہ: جمعہ اور جماعت میں بڑا ثواب ہے، جماعت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں قوت اسلام ہے، دوسرے جمال دین اور تیسرے کافروں اور ملحدوں پر رعب ڈالنا۔

فرمایا کہ جمعہ وعیدین اور حرمین شریفین میں مسلمانوں کے اجتماع اور آپس میں مصافحہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ازل میں تمام ارواح اکٹھا تھیں اور ابد میں پھر ایک جگہ جمع ہوں گی، اس لئے ازل اور ابد کے درمیانی اوقات میں مجتمع ہوکر اتحاد ازلی اور ابدی کو یاد کریں، مصافحہ کا دوسرا فائدہ یہ ہیکہ مؤمنوں میں جو مغفور ہے اس سے مصافحہ کرنے سے دوسرا شخص بھی مغفور ہو جاتا ہے''۔

ف: ماشاء اللہ! کتنی بڑی نعمت مصافحہ سے نصیب ہوتی ہے، پھر اس میں کیوں ہم کسل کرتے ہیں۔ (مرتب)

فرمایا کہ: جب مومنوں کے ساتھ بیٹھو تو عمر میں جو تم سے چھوٹا ہو اس کے متعلق یہ گمان کرو کہ اس کے نامۂ اعمال میں گناہ کم لکھے گئے ہیں اور اسی کے مطابق اس سے پیش آؤ، اور جو تم سے عمر میں بڑا ہو اس کے متعلق سمجھو کہ وہ معرفت اور عرفان الٰہی میں تم سے زیادہ ہے۔ اور اسی کے مطابق اس سے سلوک کرو''۔

ف: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے چھوٹے بڑے ہر شخص سے تواضع اختیار کرنے کا یہ طریقہ بتلایا ہے کہ چھوٹوں کے متعلق سوچو، اس کے گناہ کم ہیں اس لئے قابل اکرام ہے، اور جو بڑا ہے اس کے متعلق سمجھو، اس کی طاعت زیادہ ہیں اس لئے قابل ادب ہے۔ (مرتب)

فرمایا کہ: جواں مرد وہ ہے جس میں سخاوت، شفقت، دنیا سے بے نیازی اور حق سے نیازمندی ہو''۔

فرمایا کہ: از دیاد ثواب کی نیت سے جماعت کی پہلی صف میں بیٹھنا اہل شریعت کے مذہب کے مطابق ہے اور آخر صف میں بیٹھنا تا کہ دوسرے

مومنوں کوثواب زیادہ ملے فقراء کے مذہب کے مطابق ہے۔

ف: لِکُلٍّ وِجۡہۃٌ یعنی ہر ایک کے لئے ایک وجہ ہے اس لئے اختلاف کی بات نہیں ہے۔(مرتب)

فرمایا کہ: خاموشی گفتگو سے بہتر ہے لیکن کلام نافع خاموشی سے بہتر ہے، خلوت جاہلوں اور غافلوں کی صحبت سے انسب ہے، لیکن عالم دین اور درویش صاحب تمکین کی صحبت خلوت سے افضل ہے"۔

جس طرح طالب حق کیلئے لازم ہے کہ خود کو مرشد کامل کی خدمت میں ملازم سمجھے، اسی طرح مرشد کامل پر واجب ہے کہ وہ طالبان صادق کی تربیت میں پورے التفات سے کام لے اور اس کو اللہ کی امانت پہونچادے"۔

ف: سبحان اللہ! پیر و مرید کے درمیان کیسا تقسیم کار فرمایا جو آب زر سے لکھے جانے بلکہ لائحہ عمل بنانے کے لائق ہے۔(مرتب)

فرمایا: اگر کوئی ملاقات کے لئے آئے تو اسکا شکر یہ ادا کرلے اور اگر روگردانی کرتا ہے تو اسکو فراغت دل کیلئے غنیمت سمجھے"۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب فیصلہ ہے کہ جو اہل اللہ ہی کر سکتے ہیں، جس پر عمل کرنے پر نفع ہی نفع ہے۔(مرتب)

فرمایا کہ: اگر سالک تارک الدنیا ہو جانیکے بعد بھی مقصد کو نہیں پہونچتا ہے تو اس کو چاہئے کہ دل تنگ نہ ہو، اس کا حال اس مکھی کے جیسا ہے جو نجاست سے اٹھ کر پرواز کرتی ہے اگر چہ وہ آسمان تک نہیں پہونچتی مگر غلاظت سے تو دور ہو جاتی ہے۔

ف: سبحان اللہ! ہم جیسے ناکاروں کے لئے تسلی کی بات ارشاد فرمائی۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

فرمایا کہ: پڑوسیوں کے حقوق میں بھی فضیلت ہے، وہ تین قسم کے ہیں اگر ہمسایہ کافر ہے تو وہ صرف ایک حق رکھتا ہے اور وہ حق ہمسائیگی ہے، اور اگر ہمسایہ مسلمان ہے تو وہ دو حق رکھتا ہے، ایک حق ہمسائیگی اور دوسرا حق اسلام اور اگر ہمسایہ مسلمان ہونے کے علاوہ رشتہ دار بھی ہے تو وہ تین حق رکھتا ہے، حق ہمسائیگی، حق اسلام، اور حق قرابت۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب پڑوسی کے حقوق کی تشریح فرمائی جس کی رعایت ہم سب کے لئے لازمی ہے۔ (مرتب)

فرمایا کہ: اہل دنیا معاش کے معاملہ میں تین قسم کے ہیں: ایک وہ جو عطیۂ الٰہی کو اہل دنیا سے چھپاتے ہیں، اور اپنی ابتری کا اظہار کرتے ہیں یہ لوگ منافق ہوتے ہیں، دوسرے وہ کہ جن کو جتنا اسباب دنیوی حاصل ہوتا ہے اسی پر قناعت کر کے اس کو ظاہر کرتے ہیں وہ موفق (توفیق یافتہ) ہوتے ہیں، تیسرے وہ ہیں جن کی زندگی فقر و فاقہ میں گزرتی ہے مگر اس کی پردہ پوشی کرتے ہیں تو ایسے لوگ سب سے برتر اور فائق ہوتے ہیں۔“

فرمایا کہ: درویشی آٹھ صفتوں میں منحصر ہے: (۱) کم کھانا (۲) کم سونا (۳) کم بولنا (۴) اہل دنیا کے ساتھ کم رہنا (۵) اکثر روزہ رکھنا (۶) ہمیشہ باطہارت رہنا (۷) ذکر الٰہی میں مشغول رہنا (۸) مرشد کی طرف قلب کو رجوع رکھنا۔

جس شخص میں یہ صفتیں موجود ہوں اگرچہ وہ بظاہر دنیادار ہو مگر محمود ہے، اور جس شخص میں یہ صفتیں معدوم ہوں اگرچہ وہ بظاہر فقیر ہو مگر فقر کے ثمرہ سے محروم ہے“۔

ف: سبحان اللہ! درویشی کی کیا ہی خوب صفات بیان فرمائیں جو سالکین راہ بلکہ ہر مسلمان کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اللہ ہم سب کو ان صفات سے متصف فرمائے۔ (مرتب)

فرمایا کہ: بعض مشائخ کی اولاد اپنے والد کی زندگی میں مرتبہ کمال کو نہیں پہونچ سکیں اور بعد میں بھی انہوں نے اپنے کو کسی مرشد سے متعلق نہیں کیا، بلکہ اپنے آباء واجداد کی قبروں کی طرف متوجہ ہوگئیں اور ارشاد وولایت کے منتظر رہے، یقیناً یہ غلط طریقہ ہے اس لئے کہ طالبوں اور مریدوں کی تربیت اور ان کی ظاہری وباطنی اصلاح کے لئے مرشد، مربی کا حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ وہ موقع بہ موقع تربیت کر سکے۔

پھر فرمایا کہ: اگر قبروں ہی سے فائدہ اور ارشاد حاصل کرنا جائز اور فائدہ مند ہوتا تو پھر کسی شخص کو کسی پیر سے مرید ہونیکی ضرورت نہ پیش آتی اور تمام طالبانِ حق حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی طرف توجہ کرتے اور اس آستان قدسی کے فیض سے اپنے مطلب کو پہونچ جاتے۔

ف: کیا ہی خوب حقیقت کا انکشاف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ (مرتب)

فرمایا کہ: جب تک کوئی شخص صدق وخلوص سے کام نہ لے دین حاصل نہیں ہوتا اور اسی طرح جب تک جھوٹ اور فریب سے کام نہ لے دنیا حاصل نہیں ہوتی یعنی دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

ف: یقینا اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ عموما جھوٹے اور فریبی لوگ دنیا میں بڑھتے جارہے ہیں، بخلاف اہل صدق وخلوص کے کہ دین میں ترقی کر رہے ہیں۔ (مرتب)

فرمایا کہ: مشائخ میں ایسے بھی ہوتے ہیں جنکی مشیخت کی شہرت شرق و غرب تک تمام روئے زمین پر ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالی کے نزدیک ان کی قدرومنزلت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتی یعنی قبولیت خلق سے قبولیت حق کا ہونالازمی نہیں ہے، بلکہ بعض مرتبہ مخلوق کارد قبولیتِ حق کا باعث ہوتی ہے۔ بعض مردود الخلق مقبول الحق ہوتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ ہیکہ قبولیت خلق شہرت کیلئے لازم ہوتی ہے اور شہرت آفت کا موجب ہوتی ہے، اور درحقیقت رد خلق میں راحت وسلامتی ہے۔

نیک باشی وبدت گویند خلق به که بدباشی ونیکت دانند

ترجمہ: اگر نیک ہو اور مخلوق تم کو برا کہتی ہے تو بہتر ہے اس سے کہ تم برے ہو اور لوگ تم کو نیک کہتے ہوں۔

فرمایا کہ: اللہ سے ایسی التجا نہیں کرنا چاہئے کہ اے اللہ! میری نعمت دنیوی مجھ سے سلب کر لے اور میری آخرت معمور فرمادے، بلکہ یہ مناجات کرنا چاہئے کہ الٰہی! مجھے دین و دنیا کی ہر ایک نعمتیں عطا کر، کیونکہ اللہ تعالی دونوں کو ایک جگہ جمع کرسکتا ہے، اگرچہ دونوں کا اجتماع دشوار ہے، مگر ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وّقنا عذاب النّار، قرآنی دعاء ہے جس میں دونوں جمع ہیں۔

ف: اس لئے دین و دنیا ہر ایک کی نعمتوں کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے۔ (مرتب)

فرمایا کہ: تین شخص عموماً استفادۂ پیر سے بے بہرہ رہتے ہیں، اول فرزند، دوسرے بیوی، تیسرے خادم جو مقرب ہو۔ اسی طرح فیض شیخ سے تین شخص اور

محروم رہتے ہیں، ایک طالب دنیا کہ ناجنس ہوتا ہے، دوسرا حاسد، تیسرے غبی کہ اس کو پیر کی مرضی بالکل معلوم نہیں ہوتی۔

ف: اس کی وجہ عموماً بے طلبی ہوتی ہے مگر جب لوگ خلوص وطلب کے ساتھ رجوع ہوتے ہیں تو یہ بھی محروم نہیں رہتے۔ (مرتب)

فرمایا کہ: حدیث میں وارد ہے کہ پانچ قسم کے لوگوں کو اللہ تعالی قیامت کے روز دوزخ میں بھیجنے کا حکم دے گا، اول ان علماء کو جنہوں نے دنیا، جاہ اور قربت سلاطین کے حصول کیلئے علم حاصل کیا۔ دوسرے وہ قرآن خواں جنہوں نے حصول جاہ وشہرت کے لئے قرأت قرآن پاک کی سند حاصل کی، تیسرے اسی قسم کے زہاد اور عباد جو حصول جاہ کے لئے زہد وعبادت اختیار کی تھی، چوتھے ارباب سخاوت جنہوں نے ریا ونام آوری کیلئے خرچ کیا، پانچویں اصحاب شجاعت کو بھی اللہ تعالی دوزخ میں ڈالے جانیکا حکم دے گا کیونکہ ان لوگوں کا مقصد دنیوی مال ومتاع اور شہرت کا حصول تھا، اسلئے ان کے اعمال صالحہ قطعی قبول نہ ہوں گے۔

فرمایا کہ بعض لوگ حج کو جانے کیلئے امراء وسلاطین کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں حالانکہ ان پر حج فرض نہیں ہے اور وہ اس کام کے لئے جوان پر فرض نہیں ہے مرتکب حرام ہوتے ہیں یعنی اسکے لئے سوال کرنا یہ کسی طرح جائز نہیں ہے۔

فرمایا کہ: فقیر کے والد ماجد نے دادا بزرگوار سے پوچھا کہ بابا ہم کس قوم سے ہیں؟ فرمایا ئب، پھر پوچھا کہ ئب میں اصیل بھی ہیں اور رذیل بھی؛ ان دونوں میں سے ہمارا تعلق کس سے ہے؟ فرمایا: تم اپنے عمل سے سب کچھ ہو سکتے

ہو، اگر تمہارے عمل شائستہ یعنی اچھے ہیں اور لوگوں سے حسن معاملات رکھتے ہو تو نجیب یعنی شریف واصیل ہو ورنہ رذیل"۔

ف: سبحان اللہ! کیسی عمدہ نصیحت صاجزادے کو فرمائی جو سب کو پیش نظر رکھنے کے لائق ہے خصوصاً عالی نسب حضرات کو۔ (مرتب)

فرمایا کہ: حضرت مسیح الاولیاءؒ صبح کی فرض نماز ادا کرنے کے بعد اللھم اغفرلی وللمؤمنین والمؤمنات ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اور فقیر بھی اس وظیفہ کو ہمیشہ پڑھتا ہے، اس لئے ہر نمازی کو چاہئے کہ فجر کی فرض نماز کے بعد یا ہر اس نماز کے بعد جس کو وہ مقرر کرے، یہ وظیفہ ۲۵ یا ۲۷ مرتبہ روزانہ پڑھا کرے، تو حق تعالی اس کو ان اولیاء کے زمرے میں شمار کرے گا جن کی برکت سے اہل زمین کو رزق پہونچتا ہے۔

فرمایا کہ جو شخص سورہ فاتحہ تیس مرتبہ رات کے وقت شروع ماہ سے اس مہینے کی پانچ تاریخ تک اوقات معینہ میں پڑھ لیا کرے تو وہ پورا مہینہ خیر وعافیت سے گزارے گا اسی طرح ابتدائی ماہ کی شب میں انا فتحنا کی سورت پڑھنا چاہئے۔

فرمایا کہ: اگر روز عاشورہ ستر (۷۰) مرتبہ کلمہ حسبنا اللہ، نعم المولیٰ ونعم النصیر پڑھا جائے تو بے حساب ثواب ملتا ہے۔

فرمایا کہ: جو شخص یا حی یا قیوم لاالٰہ الاانت سبحانك انی کنت من الظالمین ہمیشہ پڑھتا رہے اور روزانہ ۳۶۰ رمرتبہ یا جس قدر ہوسکے پڑھا کرے تو اسکو دین ودنیا دونوں میں مرادیں حاصل ہوں گی، کیونکہ تمام موجودات

کا قیام انہیں دو بنیادوں یاحی یاقیوم کی تجلیات پر ہے اور اس کے اثرات دو قسم کے ہیں: ایک روحانی، دوسرا جسمانی، روحانیت کی زندگی اسم حیٌ کی تاثیر سے ہے، اور جسمانیات کا قیام اسم قیّوم کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جب کوئی ان دونوں ناموں سے اللہ کو یاد کرتا ہے تو گویا وہ تمام روحانی اور جسمانی موجودات سے تسبیح کرتا ہے۔

ف: ماشاءاللہ! حضرت شاہ برہان الدین ؒ راز کے ارشادات بہت ہی مفید اور حقائق سے پُر ہیں، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمارے متاخرین مشائخ کی ہدایات وارشادات سے ملتے جلتے ہیں، اس لئے کہ اس تصنیف سے ہمارا مقصد اصلی یہی ہے کہ ہم متقدمین ومتاخرین کی تعلیمات میں تطابق وتوافق کو دکھلائیں، اللہ اس امر میں ہمیں کامیابی سے ہم کنار فرمائے، آمین۔ اور قبول فرمائے۔ واللہ الموفق۔ اسی طرح شیخ نے جو وظائف ومعمولات تحریر فرمائے ہیں وہ ماشاءاللہ بہت ہی مختصر اور جامع ہیں۔ متاخرین بھی ان وظائف کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی ؒ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ ورد اکثر بتلاتے تھے، بلکہ تعویذ میں لکھ کر لوگوں کو دیتے تھے۔ (مرتب)

وفات: پچاس سال کی عمر میں ۵؍ شعبان ۸۳۰ھ کو وصال ہوا، محلہ سندھی پورہ شہر برہان پور میں آپ کا مزار ہے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (تاریخ اولیاء کرام برہانپور: ۴۳۵)

حضرت میر سید طٰہٰ قطب الدین کوتانویؒ باغپت المتوفی ۸۴۲ھ

نام ونسب: نام طٰہٰ، کنیت ابوالحسن، لقب قطب الدین، والد کا نام میر سید محمود بخاری شہید ہے۔

فضل وکمال: فقر اور تجرید میں شان عالی رکھتے تھے، اہل بصیرت آپ کو مخدوم جہانیاں کہتے تھے، اپنے والد میر سید محمود بخاری سے خلافت حاصل کیا تھا، اپنے چچا سید عبدالوہاب اور دادا میر سید حسن سے استفادہ کیا۔ حضرت شیخ فتح محمد غیاث الدینؒ سے روایت ہے کہ حضرت سید طٰہٰ نے کل پاؤ سیپارہ اپنے عم سید حسینؒ سے پڑھا تھا، مگر فضل الٰہی سے تمام علوم دینی و دنیوی کھل گئے تھے، جو کتاب روبرو آتی اس کو پڑھ کر اس کی شرح فرماتے جو مسئلہ دشوار تر ہوتا اس کو احسن طریقے پر حل فرماتے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ علوم دینی و دنیوی از بر (حفظ یاد) ہیں، ایک بار اوائل حال میں آپ نارنول تشریف لے گئے اور حضرت شیخ عاشق بن فرخ شاہ ابن قطب شاہ شیخ نظام الدین نارنولی سے ملے جو کہ خلیفہ خواجہ خانو علی چشتی نظامی کے تھے۔ انھوں نے نہایت تکلف سے ان کی دعوت کی، کھانے انواع واقسام کے روبرو رکھے اور فرمایا خوب سیر ہو کر کھاؤ، سید صاحب نے کہا کہ مجھ کو دوسرا کھانا درکار ہے تب شیخ نے جانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا طالب ہے، اور فرمایا کہ یہ کھانا کھاؤ اللہ تعالیٰ وہ طعام بھی عطا کرے گا، بعد تناول شیخ نے فرمایا کہ میرے ہمراہ تالاب پر چل، سید صاحب نے کہا کہ مجھ کو تالاب سے کیا کام ہے، مجھ کو تو حرف وحدت (کمال توحید جو باطنی

اعلیٰ حال ہے) چاہئے، یہ سن کر شیخ عاشق نے فرمایا کہ تمہارا کام تمام ہوا، کتانہ (ایک جگہ کا نام ہے) جاؤ، تمہاری ذات سے بہت سے لوگ اولیائے عارفین ہوں گے۔ پس وہاں سے رخصت ہو کر کتانہ آئے اور گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر فقر وفاقہ اختیار کیا اور ہدایت خلق میں مشغول ہوئے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ نارنول کا حق میرے ذمہ ہے، شیخ محمد نصیر ساکن گڑھی جو کہ مرد بزرگ گذرے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب آپ کے وصال کی خبر شیخ ابراہیم رام پوری کو پہنچی تو بہت رو کر فرمایا کہ سبحان اللہ! کیا عارف باللہ، صاحب ارشاد پیدا ہوا تھا۔ اگر چند روز دنیا میں اور رہتا تمام ہندوستان عاشق الٰہی ہو جاتا۔

ف: مگر بقول شاہ عبدالعزیزؒ کے کہ اللہ تعالیٰ رزق وعمر میں بے نیاز ہے۔ یہ بات اس وقت فرمائی جب کہ ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدینؒ کا کم عمری میں انتقال ہو گیا تھا کہ ان سے سارے عالم کو فیض پہونچ رہا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ رزق وعمر کے بارے میں بے نیاز ہے۔ (مرتب)

زہد وتوکل: لکھا ہے کہ حضرت نہایت متوکل اور ابٓاء دوست تھے، امراء اور دولتمندوں سے نفرت فرماتے تھے، نواب جعفر خاں آپ کا معتقد تھا، ہمیشہ کتانہ حاضر ہوتا مگر آپ نے کبھی اس کی نذر قبول نہیں کی۔ جب اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے آپ کو طلب کیا تھا، آپ نے جواب میں تحریر کیا کہ فقیر یہیں بیٹھا بادشاہ کے واسطے دعا کرتا ہے۔ غیبوبت کی دعا میں بڑا اثر ہے، شاہ نے پھر خود کتانہ حاضر ہونا چاہا، آپ نے قبول نہ فرمایا، کچھ نقد ارسال کیا اس کو بھی نہ لیا، برائے خرچ خانقاہ کچھ ہدیہ دینے چاہے، آپ نے منظور نہ فرمایا اور ایسے پابند سنت تھے کہ کبھی طریقۂ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فروگذاشت نہ فرماتے تھے۔

عبادت کا حال: نماز فجر اول وقت با جماعت ادا کرتے، تا اشراق کسی سے متکلم نہ ہوتے، تا بہ چاشت شوق و ذوق سے تلاوت کرتے، بعد نماز چاشت بغیر بولے لیٹ جاتے اور آرام فرماتے، بعد نماز ظہر وظائف ادا کرتے، قبل عصر حاضرین سے ہمکلام ہوتے، بعد نماز عصر کے پھر درود شریف پڑھتے تا مغرب بات نہ کرتے، بعد مغرب بعد ادائے نوافل آدھی رات تک تلاوت کرتے، بعد ادائے تہجد ذکر میں مشغول رہتے۔ نماز جمعہ کے واسطے سب سے پہلے جامع مسجد میں جاتے اور صائم الدہر بھی رہتے۔ پیش جمعہ سورۂ کہف پڑھتے، بروز جمعہ غسل کر کے کفنی پہنتے، کلاہ چارترکی کو دوست رکھتے، جو حاضر خدمت ہوتا اس کو جلدی رخصت فرماتے۔

ارشادات

ارشاد فرماتے کہ طالب کو شب تنہا بسر کرنا چاہئے، تا کہ وسعت و کشائش میسر ہو۔

ز طٰہٰ شنو ایں سخن اکتفا ست تنفر خلائق تقرر خدا ست

ترجمہ: طٰہٰ سے ایک بات سنو جو کافی ہے وہ یہ کہ مخلوق سے دوری اللہ تعالیٰ کی قربت کا سبب ہے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ کوئی مجھ کو نہ جانے اور نہ میں کسی کو جانوں، اللہ مجھ کو جانے اور میں اللہ کو۔ نظر فیض اثر کی یہ کیفیت تھی کہ مومن پر نظر پڑتے ہی اس کا دل ذاکر ہو جایا کرتا تھا۔ ہر روز دو تین کرامت ظاہر

ہوتی تھی، چنانچہ ایک روز ساڈھورے سے ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ ایک مرتبہ کشتی دریا میں غرق ہو رہی تھی، کسی نے آپ کا نام لیا، نام لیتے ہی نصف ڈوبی ہوئی کشتی باہر آئی اور تمام مردم سلامت رہے۔ آپ نے فرمایا دریا کوئی چیز نہیں ہے "ان اللّٰہ یفعل ما یرید" اللہ جو ارادہ فرماتا ہے وہی کرتا ہے۔

نقل ہے کہ اپنے وصال سے ایک سال پہلے اپنے خلیفہ محب اللہ کو فرمایا کہ میرا سفر قریب ہے اور سات روز پہلے خرقہ اور سند خلافت شیخ فتح محمد غیاث الدین کو مرحمت فرمایا۔

وفات: عمر شریف ۶۳ر سال کی ہوئی، وفات اس جامع الکمالات کی بتاریخ ۱۱ر ربیع الآخر بروز چہارشنبہ ۸۴۰ھ میں ہوئی۔ سبحان اللہ حضرت کے وصال کا وقت مابین عصر اور مغرب لکھا ہے۔ مزار بمقام کتانہ تحصیل باغپت (اب یہ خود ضلع بنا دیا گیا ہے) ضلع میرٹھ میں زیارت گاہ ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہ

(تذکرہ اولیاء برصغیر (پاک وہند، ج ر ۳ ص ر ۶۸)

حضرت شیخ پیر محمد جونپوری ثم لکھنویؒ المتوفی ۱۰۸۵ھ

نام ونسب وولادت: نام شیخ پیر محمد، والد کا نام اولیاء ہے۔ ۲۶/رمضان ۱۰۲۷ھ میں جونپور یوپی کے ایک دیہات "مڑیاہوں" میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوگیا، چچا نے پرورش کی، کٹرہ مانکپور پرتابگڈھ جا کر وہاں کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، وہیں شیخ عبداللہ سیاح دکنیؒ سے ملاقات ہوئی، ان سے طریقت وروحانیت کی تربیت حاصل کر کے ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے لکھنؤ آ کر قاضی عبدالقادر لکھنویؒ متوفی ۱۰۷۷ھ سے بقیہ کتب درسیہ پڑھیں، اس کے بعد دوبارہ شیخ عبداللہ سیاح کی خدمت میں رہ کر طریقۂ چشتیہ میں مرتبۂ کمال کو پہنچے، شیخ عبداللہ سیاح نے ان کو تاکید کی کہ پہلے علمی وتعلیمی اشغال میں کوشش کریں، پھر طریقت کے معاملات میں مشغول ہوں، اس نصیحت کے مطابق شیخ پیر محمد دہلی گئے اور شیخ حیدر کی خدمت میں رہ کر کتب درسیہ کی تکمیل کی، یہاں بھی ان کی ملاقات شیخ عبداللہ سیاح سے ہوئی اور انھوں نے شیخ پیر محمد کو طریقت کے تمام طرق وسلاسل اور عوارف المعارف وجواہر خمسہ کی اجازت دی، علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تحصیل وتکمیل کے بعد لکھنؤ واپس آ کر تعلیم وتدریس اور ارشاد وتلقین کا مشغلہ اختیار کیا اور گیارہویں صدی میں دیار مشرق کے مشاہیر علماء ومشائخ میں شمار کئے گئے۔

تصنیف تالیف: ان کی تصانیف میں حاشیۂ ہدایہ، مجموعہ فتاویٰ، سراج الحکمۃ

حاشیہ ہدایت الحکمۃ اور منازل اربعہ مشہور کتابیں ہیں، ان سے بہت سے علماء ومشائخ نے فیض پایا جن میں شیخ عطاء اللہ گھوسوی مئویؒ سرفہرست ہیں۔

(دیار پورب میں علم وعلماء ص/۴۰۵)

صاحب بحر زخار علامہ وجیہہ الدین اشرفؒ نے آپ کے فضل وکمال کو یوں ارقام فرمایا ہے۔

فضل وکمال: آپ منصب کمال پر فائز تھے اور وہ صاحب علم الیقین اور مقام تمکین حاصل کرنے والے تھے، اور علوم ظاہری اور باطنی کے واقف تھے، مشائخ عظام اور موحدین کی جماعت میں سب سے بڑے تھے۔ بزرگی میں بلند مرتبہ، قوی الحال اور بلند ہمت رکھتے تھے، بے انتہاء کرامات کثیرہ، اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ رکھتے تھے۔ وہ تنگدستی کے باوجود غایت رعب ودبدبہ اور انتہائی وقار واحترام کے ساتھ شیخ وقت تھے۔ بالاتفاق کاملین زمانہ ان کی ولایت وکمال کے معترف تھے، دنیا ومافیہا کو ترک کرنے والے تھے، عنقا پرندہ کی طرح گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے۔ پس آنجناب علوم ظاہریہ کے حصول سے مکمل طور پر فراغت حاصل کر کے لکھنؤ تشریف لائے۔ اور اسی جگہ جہاں آج مزار شریف واقع ہے مسند ارشاد پر بیٹھ کر طالبین کو ہدایت سے نوازتے رہے، بقیہ عمر اطاعت وعبادت میں مجردانہ زندگی گذاری اور اس طرح بے تعلق ہو کر زندگی گذاری کہ کبھی تو یہ حال تھا کہ ایک صراحی بھی نہیں رکھا اور وضو اور غسل اور پینے کے پانی کے لئے دریا کے پانی ہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جو بھی ہدایا وتحائف حاصل ہوتے تھے اسی دن اس کو ختم فرمادیتے تھے اور دوسرے دن کے لئے باقی بچا کر نہیں رکھتے تھے اور کبھی

سواری پر سوار ہو کر راستہ طے نہیں کرتے تھے۔ایک مرتبہ آنحضرت اپنے وطن اصلی جونپور کی طرف تشریف لے گئے،مخدوم الملک و شیخ محمد ماہؒ و حضرت دیوان شیخ عبدالرشیدؒ ،وسید عبدالباریؒ نے وظائف ضیافت کی رسم ادا فرمائی، پھر وہاں سے عظیم آباد پٹنہ گئے،وہاں کے مشائخ کو دیکھ کر پھر لکھنؤ آگئے اور معمار کا بچہ جو کہ مر گیا تھا باذن اللہ زندہ کر دیا۔اور ایک مرتبہ مع مریدین کے پانی کے اوپر سے گذر گئے۔(بحر زخار ص/۳۹۱)

وفات: ۱۴/ جمادی الاخریٰ ۸۵۰ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی،اور دریائے گومتی کے کنارے ایک ٹیلہ پر دفن کئے گئے جو بعد میں ٹیلہ پیر محمد شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (دیار پورب کے علم وعلماء ص/ ۴۰۶)

حضرت سید جعفر بدر عالم بخاری گجراتی ؒ المتوفیٰ ۱۰۸۵ھ

نام ونسب وولادت: نام سید جعفر بدر عالم، تخلص صفا، والد کا نام سید جلال مقصود عالم ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲ر شعبان المعظم ۱۰۲۳ھ میں احمد آباد گجرات میں ہوئی۔ ''وارث شاہی'' ولادت کی تاریخ ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف ختم کیا۔ اور کتب درسیہ جد امجد اور والد ماجد سے تمام کیا، اور خلافت کا خرقہ اور اجازت کا فرمان والد سے حاصل کیا، جد امجد نے اپنی زندگی میں سجادہ نشین بنایا تھا، علوم ظاہری وباطنی میں اعلم العلماء واکمل الکاملین تھے۔

اور علم حدیث وتفسیر میں فرد فرید تھے، اکثر علماء آپ سے حدیث میں سند واجازت لیتے تھے، آپ اکثر حدیث وتفسیر اور تصوف کی تدریس فرماتے تھے، خوش تقریر وخوش تحریر تھے، محاورات عرب سے خوب واقف وماہر تھے، تفسیر میں خوب دقائق ونکات بیان فرماتے تھے، ہر ایک کلمہ وفقرہ کی بلاغت وفصاحت پر نہایت خوبی سے تقریر کرتے تھے، جس سے سامعین وطالبین لطف اندوز ہوتے تھے۔

تصنیفات: آپ صاحب التصانیف تھے، اکثر رسائل وحواشی لکھے ہیں، ایک کتاب روضات شاہی چوبیس (۲۴) مجلدات میں تصنیف کی، جلد اول بزرگان سلف کے احوال میں ہے۔ اور باقی مجلدات میں مضامین علوم وفنون لکھے ہیں، کتاب

عجیب و نایاب ہے، فی الحال شاید گجرات کے کسی کتب خانہ میں موجود ہوگی۔

فضل وکمال: آپ موزون الطبع بھی تھے، صفا تخلص فرماتے تھے، آپ کے اشعار دلاویز وحکمت آمیز ہوتے تھے، دیوان مرتب ہوگیا تھا مگر نادرالوجود ہے، آپ خوش نویس وجلد نویس تھے، خط نستعلیق ونسخ میں استاد تھے، ایک مرتبہ دونوں میں قرآن شریف لکھا تھا، اس کو اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ ایک رات روضۂ شاہیہ سے تہجد کی نماز پڑھ کے برآمد ہوئے، راہ میں ایک شخص ملا اس نے سوال کیا کہ مجھ کو تلاوت کیلئے قرآن شریف دیجئے، آپ نے فرمایا کل صبح کو کتب خانہ سے دونگا، فقیر نے کہا: یہ مصحف جو آپ کے پاس ہے کیا اس کو نہیں دے سکتے؟ آپ نے اس وقت لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ کا مضمون خیال کر کے اس عزیز ترین دولت کو دیدیا۔ فقیر لے کے چلتا ہوا نظروں سے غائب ہوگیا۔

ف: سبحان اللہ! اس آیت پر کیا بروقت عمل فرمایا اسی لئے تو برو تقویٰ کے درجۂ عالیہ کو پہونچے اور مقبول بارگاہ خداوندی ہوئے۔ (مرتب)

وفات: ۹/ذی الحجہ ۱۰۸۵ھ میں رحلت کی، رسول آباد علاقہ احمد آباد گجرات میں والد کی قبر کے متصل مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (محبوب التواریخ: ۱/۲۳۹)

حضرت علامہ محمد علاء الدین حصکفیؒ المتوفیٰ سنہ ۱۰۸۸ھ

صاحب درمختار

نام ونسب: محمد نام، لقب علاء الدین، والد کا نام علی ہے۔ علامہ حصکفی سے مشہور ہیں۔ حصکفی، حصن کیف کی طرف منسوب ہے جو دیار بکر میں ایک قلعہ کا نام ہے مشترک میں مذکور ہے کہ ''حصن کیف'' دریائے دجلہ کے کنارے پر جزیرہ ابن عمر اور میافارقین میں واقع ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت سنہ ۱۰۲۵ھ میں ہوئی۔

فضل وکمال: آپ کی علمی صلاحیت اور فقہی کمالات کے سلسلہ میں علماء تحریر کرتے ہیں کہ آپ فقیہ، محدث، عالم، فاضل، نحوی، حافظ احادیث ومرویات، طلیق اللسان، فصیح البیان، جید التقریر والتحریر، جامع معقول ومنقول اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی فضیلت کا خود آپ کے مشائخ اور ہم عصر علماء نے اقرار کیا ہے۔ (حدائق الحنفیہ مؤلفہ مولانا فقیر محمد صاحب ص ر ۴۲۱)

تعلیم وتعلم: آپ کی علمی صلاحیت اور فقہی کمال کے سلسلے میں آپ کے استاذ شیخ خیر الدین رملی (م سنہ ۱۰۸۱ھ) کا یہ اعتراف کافی ہے جو وہ اپنی سند اجازت میں تحریر فرماتے ہیں۔

''محمد بن علی نے پہلے مجھ سے کچھ ایسے سوالات کئے کہ ان کی وجہ سے مجھ پر ان کی روایت کا کمال اور ان کی وسعت ملکہ نمایاں ہوگئی، میں نے مختصر طریقے پر

ان کے سوالات کے جوابات دیئے، پھر انھوں نے جیسے جیسے نکات پوچھے کہ مجھ پر ان کا علم وفضل عیاں ہوگیا، وہ برابر استفادہ کرتے رہے اور میں جو کچھ کرسکتا تھا کرتا رہا''۔

آپ نے علم کا بڑا حصہ اپنے پدر بزرگوار اور امام محمد محاسنیؒ وخطیب دمشق سے حاصل کیا، ۱۰۶۲ھ میں حدیث کی سند حاصل کی، اور پھر رملہ تشریف لے گئے جہاں مشہور فقیہہ شیخ الحنفیہ خیر الدین رملیؒ سے فقہ حاصل کیا، پھر بیت المقدس گئے اور فخر بن زکریا المقدسی الحنفیؒ سے استفادہ کیا۔ ۱۰۶۷ھ میں انھوں نے حج کیا اور مدینہ منورہ میں صفی قشاشیؒ سے مستفید ہوئے اور انھوں نے سند اجازت مرحمت فرمائی اور بھی بہت سے علماء ومشائخ سے آپ نے علم وفن حاصل کیا۔

درس وتدریس کا مشغلہ برابر جاری رکھا، گھر پر تنویر الابصار پڑھاتے تھے، مدرسہ میں بیضاوی شریف اور جامع اموی دمشق میں بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

شروع میں آپ نے عسرت کی زندگی گذاری مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے فراغت وخوش حالی عطا فرمائی، روم کا سفر کیا جہاں بہت دنوں مدرسہ حتمقیہ کے مہتمم رہے۔ پھر بڑی شان اور ئت واحترام سے دمشق کے مفتی بن کر واپس ہوئے اور پانچ سال دمشق میں افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے، درس بخاری جب جامع اموی میں شروع کیا تو وہاں سے شہرت ہوئی اور علمی دنیا میں آفتاب وماہتاب بن کر نمودار ہوئے۔

تصنیف وتالیف: آپ کی تصانیف میں سب سے اہم درمختار ہے۔

درمختار فقہ کی کتابوں میں ظاہری اور معنوی حیثیتوں سے ممتاز ہے، اپنی ترتیب وتبویب، جامعیت اور جزئیات فقہی پر حاوی ہونے کے اعتبار سے علماء امت میں ہمیشہ یہ کتاب مقبول رہی ہے، اس کے مصنف محمد علاء الدین حصکفیؒ بہت سی دوسری گراں قدر کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔

درمختار کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف یہ ہیں:۔

الدر المنتقی فی شرح الملتقی، شرح المنار، شرح قطر، مختصر فتاویٰ صوفیہ، تعلیقات بخاری، حاشیہ تفسیر بیضاوی از بقرہ تا اسرائیل، حواشی درر۔ ان کے علاوہ دوسرے حواشی اور رسالے۔

انھوں نے درمختار میں فقہ کی ۷۳ مستند کتابوں سے مسائل اخذ کئے ہیں اور جو جزئیات کہیں نہیں ملتیں وہ یہاں مرتب نظر آئیں گی۔

وفات: ۱۰ر شوال ۸۸ھ ۱۰ھ یوم دوشنبہ کو آپ کا انتقال ہوا، اور مقبرہ باب الصغیر میں آپ کی تکفین وتدفین عمل میں آئی۔ جس سال آپ کا انتقال ہوا اس پورے سال آپ نے یہ اہتمام کیا کہ بخاری کا سبق شروع کرتے وقت اور ختم کرتے وقت سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے اور اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو ہدیہ فرماتے۔ اخیر رمضان میں یہ سلسلہ ختم ہوا اور عید کے دوسرے دن جامع اموی میں آپ تشریف لے گئے جہاں بہت سارے لوگ جمع ہوئے، وہاں آپ نے آخری درس دیا اور لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سب حضرات ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ورد فرمایا کریں، اور بکثرت ایسا کیا کریں۔

اس مجمع سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے اور آٹھویں یا دسویں دن آپ

اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (مقدمہ اردو ترجمہ درمختار، ص ۱۶)

ف: سبحان اللہ! اس سے معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام ہی نہیں بلکہ ہمارے فقہائے کرام بھی کثرت ذکر کے پابند ہی نہیں بلکہ اپنے متعلقین کرام کو اس کی تلقین بھی فرماتے تھے۔ اس لئے یہ حضرات بھی نسبت مع اللہ کی دولت سے مشرف تھے۔ اور عین حقیقت تو یہ ہے کہ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو علم دین کی ایسی عظیم ترین خدمات عالیہ کی توفیق مرحمت فرمایا۔ لہٰذا آج بھی علمائے کرام، مفتیان عظام وغیرہم کو ذکر وفکر کا اہتمام کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ عالم کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی ایسا ورد ووظیفہ ہو جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (مرتب)

حضرت سید مولانا علی اکبر الہ آبادیؒ المتوفی ۱۰۹۰ھ

(مصنف فصول اکبری)

نام ونسب: نام علی اکبر، والد کا نام علی ہے، نسباً حسینی اور مذہباً حنفی ہیں۔

حالات: آپ فقہ واصول اور ادبیت کے بلند پایہ عالم، وزیر سعد اللہ خاں کے صاحب زادے لطف اللہ اور عالمگیر اورنگ زیبؒ کے صاحبزادے محمد اعظم کے معلم تھے، عالمگیرؒ نے آپ کی علمی مہارت اور زہد وورع کو پا کر شہر لاہور کا قاضی بنایا، آپ عالمگیرؒ کی حیات تک پوری ہیبت اور دبدبہ کے ساتھ امور قضاء انجام دیتے رہے، حدود وتعزیرات اور دیگر امور میں کبھی آپ نے کوتاہی نہیں کی۔ بہت پابند شریعت، نہایت پاکیزہ سیرت، بارعب وباوقار اور بلند مقام تھے، آپ بڑے صاحب فضل وکمال تھے جس وقت فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہو رہی تھی تو اس کی نگرانی کرنے والوں میں ایک آپ بھی تھے۔

تصنیف: فن صرف میں فصول اکبری آپ کی مشہور ومتداول تصنیف ہے، اس کے علاوہ ''اصول اکبری'' بھی ایک تصنیف ہے۔

وفات: جب امیر قوام الدین اصفہانی لاہور کا قاضی ہوا تو اس نے نظام الدین وغیرہ کے ذریعہ سے آپ کو اور آپ کے بھانجے کو قتل کرادیا تو بادشاہ عالمگیر اورنگ زیبؒ نے امیر کو اور نظام الدین کو معزول کردیا اور نظام الدین کو قصاصاً قتل کردیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالی۔ (ظفر المحصلین: ۲۸۵)

سن وفات کے سلسلہ میں اختلاف ہے، نزہۃ الخواطر اور تاریخ مشائخ الہ آباد وغیرہ میں ۱۰۹۰ھ مذکور ہے جب کہ ظفر المحصلین میں ۱۰۰۹ھ درج ہے۔ (مرتب)

حضرت قاضی ابراہیم زبیری بیجاپوریؒ المتوفی ۱۰۹۲ھ

تعارف: آپ کا اصلی وطن گجرات ہے، آپ تحصیل علوم کے بعد وطن سے برہانپور خاندیس گئے، اور وہاں شیخ جان اللہ لقب عطاء اللہ کے سہروردیہ طریقہ میں مرید وخلیفہ ہوئے، پھر برہان پور سے شہر بیجاپور میں آئے، یہاں خدمت قضا پر مامور ہوئے، عدالت و دیانت میں بے نظیر تھے، تحقیق و تنقیح کے بعد احکام شرعی جاری فرماتے تھے، کسی کی دعوت میں شریک نہیں ہوتے تھے، نہ کسی کا تحفہ لیتے، کھانے پینے میں بڑی احتیاط فرماتے تھے، طعام مشکوک کو مثل حرام تصور کرتے تھے، کھانے کا اہتمام خاص آپ کی زوجہ محترمہ کرتی تھیں، اور خود آپ پکاتی تھیں۔

قاضی کے تقوی کا واقعہ: نقل ہے کہ آپ کے محلہ کی بڑھیا کسی مقدمہ کے سلسلہ میں استغاثہ کرنے والی تھی، اور ہمیشہ کچہری میں آمد ورفت کرتی تھی، ایک روز کچہری میں استغاثہ کرنے والوں کا مجمع تھا، بوڑھیا بھی آئی، کثرت کو دیکھ کر قاضی صاحب کے محل میں گئی، دیکھا کہ قاضی صاحب کی بیوی ساگ کو درست کررہی ہیں، پیرزن بھی ساگ درست کرنے میں شریک ہوئی اور بیوی صاحبہ سے تکلم کرتی تھی اور کہا کہ جب قاضی صاحب اندر تشریف لائیں تب آپ ان سے میرے مقدمہ کی بابت کہنا، بعد ازاں قاضی صاحب کچہری برخاست کرکے محل میں آئے اور دسترخوان چنا گیا، آپ نے کھانا شروع کیا، پہلے ہی لقمہ میں فرمایا کہ آج کھانے میں شبہ معلوم ہوتا ہے، بیوی نے کہا کہ معاذ اللہ کسی قسم کی بداحتیاطی

نہیں ہوئی، آپ نے فرمایا کہ کچھ تو ہے! بیوی نے غور وفکر کے بعد بوڑھیا کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا یہی وجہ ہے، غضب ہے کہ میں قضا کے کام میں مامور ہوں اور مجھ کو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنا واجب ہے، اور یہ مستغیثہ بھی مسلمہ ہے، اس کا مقدمہ بھی بدون نفع فیصلہ کرنا چاہئے، کیونکہ آپ کے ساتھ ساگ درست کرنے میں شریک ہوئی تو ہم کو اس سے نفع حاصل ہوا، یہ واقع میں رشوت ہے، قیامت میں قاضی رشوتی کے لقب سے پکارا جاؤں گا، اسی روز خدمت قضا سے مستعفی ہوئے، اور گوشہ نشینی اختیار کی، عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

ف: یہ تھا اس زمانہ کے قاضی وجج صاحبان کا تقوی، مگر افسوس اس زمانہ میں رشوت دیکر جو چاہے فیصلہ کرائے العیاذ باللہ۔ (مرتب)

وفات: آپ نے ۱۲/رجب المرجب سنہ ۱۰۹۲ میں رحلت کی، رنگین مسجد کے متصل مشرقی جانب میں ایک ٹیلہ پر بیجاپور میں مدفون ہوئے۔ نوّر اللہ مرقدہ۔

(محبوب التواریخ: ج/۱ ص/۶۱)

حضرت شاہ مراد بیجاپوریؒ المتوفی ۱۰۹۵ھ

ولادت وارادت: آپ کی ولادت بیجاپور میں ہوئی، آپ کو شاہ عبدالرزاقؒ سے ارادت واجازت حاصل ہوئی تھی، شاہ قدس سرہ کی رحلت کے بعد شاہ ہاشم علویؒ کی خدمت میں استفادہ کیا، چند روز کے بعد خلافت واجازت سے مشرف ہوئے اور نعمت باطنی سے کامل حصہ پایا، ہر وقت مشاہدہ الٰہی میں مستغرق رہتے تھے، اور آپ نے حضرت مرشد کے ملفوظات واذکار واشغال کو جمع فرمائے۔

اور مسائل سلوک وریاضات وخوارق عادات وکرامات کو شرح وبسط سے لکھے ہیں۔

ف: افسوس کہ وہ مجموعہ دستیاب نہیں ورنہ ہم لوگ بھی اس سے مستفیض ہوتے تاہم اللہ پاک کی ذات کریم سے ہم امیدوار ہیں کہ ان کے باطنی فیوض وبرکات اور علوم ومعارف سے محروم نہ فرمائیں گے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

وفات: آپ نے ۱۰۹۵ھ میں رحلت کی، بیجاپور میں حضرت شاہ کے روضہ میں مشرقی جانب باولی کے قریب مدفون ہوئے، نوراللہ مرقدہ۔

(محبوب التوارخ: ج ر ۲ ص ر ۷۳۸)

حضرت شیخ داوٗد گنگوہیؒ المتوفی ۹۸۵ھ

نام ونسب: نام داوٗد، والد کا نام شیخ صادق ابن فتح اللہ گنگوہی ہے۔ فضل وصلاح کے اعتبار سے مشہور لوگوں میں تھے۔

ولادت: گنگوہ میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑے بھی ہوئے۔

فضل وکمال: مشاہیر میں آپ کا شمار ہوتا ہے، سرزمین گنگوہ کی مایۂ ناز وصاحب افتخار ہستی ہیں تصرف وہمت میں اعلیٰ مقام پر متمکن تھے، ''مرأۃ الاسرار'' اولیاء اللہ کے حالات میں ایک کتاب ہے جو آپ کے عہد میں لکھی گئی تھی، اس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اوائل عمر ہی میں آپ کو طلب حق کی تلاش ہوگئی تھی اس لئے اپنے والد شیخ محمد صادق کی خدمت میں بغرض اصلاح وتربیت روحانی حاضر ہوکر باضابطہ بیعت ہوئے اور خوب ریاضت ومجاہدہ کیا، نماز، روزہ، ذکر اللہ، تلاوت، توبہ، استغفار، تقویٰ وپرہیز گاری کو اپنا شعار بنایا، شرک وبدعت سے بچنا اور دوسروں کو توبہ کرانا آپ کا مقصد حیات بن گیا اور ذکر اللہ اس کثرت سے کیا کہ بکثرت آپ سے کشف وکرامات کا صدور ہونے لگا۔ آپ کے والد ماجد سے آپ کو خلافت واجازت حاصل ہوئی اور ان کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے اور حق کی اشاعت، شریعت وسنت کی ترویج میں سرگرم ہوگئے اور شرک وبدعت غلط قسم کے رسوم ورواج اور بداخلاقی سے لوگوں کو بچانے میں بہت حصہ لیا اور ایک خلق کثیر آپ سے فیضیاب ہوئی یہاں تک کہ شیخ ابوالمعالی انبیٹھوی ؒ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے خلیفہ

ہوئے۔

آپ کے چند ملفوظات: آپ سے معلوم کیا گیا کہ فقیر سالکِ الٰہی کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب اس کا فقر تام ہو جائے یعنی تمام لوگوں سے کٹ کر صرف ذات باری کی طرف متوجہ ہو جائے اور خلق سے امیدیں چھوڑ دے۔

اور آپ سے معلوم کیا گیا کہ بندہ اللہ کا نام لینے کے لائق حقیقت میں کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب ''اللہ احد'' اس کثرت سے کہے کہ ماسوی اللہ سب فنا ہو جائے اور صرف وہی باقی رہ جائے۔

ف: سبحان اللہ! کیا ہی خوب حقائق کا افشاء فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ (مرتب)

وفات: صاحب اقتباس الانوار نے لکھا ہے کہ انتقال پر ملال سے تین روز پہلے اپنے چھوٹے بھائی شیخ محمد سے فرمایا کہ میری قبر کی تیاری کرو تین روز سے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر رہا ہوں، اس کے بعد چند نصائح فرمائیں اور ۹۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ کے خلفاء میں شیخ سوندھاؒ اور شیخ ابوالمعالی چشتی صابری انبیٹھویؒ بہت مشہور ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (تذکرہ اکابر گنگوہ ص/۱۹۰)

حضرت مولانا سید شاہ علم اللہ[1] رائے بریلویؒ المتوفی ۱۰۹۶ھ

نام ونسب: نام شاہ عَلَم اللہ، والد کا نام سید محمد فضیل ہے۔ آپ سادات کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جن کو حسنی اور حسینی کہا جاتا ہے۔

ولادت: آپ کے والد سید محمد فضیل نے سید شاہ علم اللہ کی پیدائش سے پہلے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ میرے گھر میں مٹی کے ایک بڑے طشت کے پیچھے آفتاب چھپا ہوا ہے اور اس کے چاروں طرف سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں، تھوڑی دیر کے بعد وہ بلند ہوگیا اور میرا سارا گھر بلکہ قریب کا سارا علاقہ اس کی روشنی سے جگمگا اٹھا، انھوں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا با کمال فرزند عنایت فرمائے گا جس کے وجود سے ہر طرف سنت کی روشنی پھیلے گی اور اس کے ظاہری و باطنی کمالات سے بہت لوگ فیضیاب ہوں گے، اس کے کچھ ہی عرصہ بعد احیاءِ سنت کا یہ درخشاں سورج ۱۲/ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ کو وجود میں آیا۔ اللہ کو منظور تھا کہ اس بچہ سے احیاءِ سنت اور ازالہ بدعت کا بڑا کام لینا ہے اس لئے پیدا ہوتے ہی سنت یتیمی کی تکمیل ہوئی، والد کا سایہ ان کی ولادت سے تقریباً ڈھائی مہینے پہلے ہی اٹھ چکا تھا، اور والدہ کی وفات بھی ان کی ولادت کے تین سال بعد ہوگئی اور ان کی پرورش

---

(۱) حضرت شیخ کے خاندان کے چشم و چراغ مولانا محمد الحسنی نے آپ کی سوانح ”تذکرہ سید شاہ علم اللہ“ کے نام سے ارقام فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ معتبر اور قابل وثوق ماخذ کہاں سے نصیب ہوسکتے ہیں اس لئے اسی سے آپ کے حالات وارشادات نقل کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ (مرتب)

اور کفالت کے ذمہ داران کے حقیقی ماموں دیوان قاضی سید ابومحمد ہوئے۔

دیوان قاضی سید ابومحمد نے اپنی اولاد سے زیادہ ان کا خیال رکھا اور پوری دلسوزی شفقت اور محبت کے ساتھ ان کی پرورش کی، ہر چیز میں ان کو بچوں پر مقدم رکھتے تھے، پہلے ان کی خواہش اور ضرورت پوری کرتے اس کے بعد اپنے بچوں کی، انھوں نے ان کو یہ محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ والدین کی نعمت سے محروم ہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ علم اللہؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد واحفاد پر لازم ہے کہ وہ خال گرامی کے ساتھ تعظیم وتکریم اور حسن سلوک کے تمام آداب ملحوظ رکھیں کہ یہ امر میری خوشنودی کا موجب ہوگا۔

تعلیم وتربیت: سید شاہ علم اللہ کی تعلیم وتربیت زیادہ تر ان کے چچازاد بھائی دیوان سید خواجہ احمدؒ کے ذمہ رہی، ابتدائی درسیات اپنے ماموں سید ابومحمد سے اور تکمیل علوم دیوان سید خواجہ احمدؒ سے کی ہوگی۔

ایک بشارت: بچپن میں جب ان کی عمر سات سال کی تھی ان کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور اس سے لوگوں کو اندازہ ہوا کہ یہ بچہ آئندہ کیا بننے والا ہے اور قدرت اس کے لئے کیا سامان کر رہی ہے۔

سید علم اللہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کسی گذرگاہ پر کھیل کود میں مشغول تھے کہ حضرت بندگی جعفر (فرزند بندگی نظام الدین امیٹھوی قدس اللہ سرہ) کا اچانک ادھر گذر ہوا، شاید مخدوم حسام الدین مانکپوریؒ کی زیارت کے لئے جا رہے تھے، سید شاہ علم اللہ پر نظر پڑتے ہی ٹھہر گئے اور بہت غور سے ان کو دیکھنے لگے جب دیر تک اسی حالت میں کھڑے رہے تو ہمراہیوں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ

آپ رک کر دیر تک اس لڑکے کو دیکھتے رہے انھوں نے جواب دیا، دوستو! میں مبارک وسعید بچہ کی پیشانی سے عرش اعظم تک تجلی الٰہی کا ایک نور دیکھ رہا ہوں، خوش قسمت ہے وہ شخص جس کا یہ بچہ ہے، یہ مخلوق کی شریعت وطریقت کی طرف رہنمائی کرے گا، ایک عالم اس سے منور ہوگا، یکتائے زمانہ، فرد فرید ہوگا۔

حضرت بندگی جعفرؒ کی تاریخ وفات ۱۰۴۰ھ ہے اور شاہ علم اللہؒ کی تاریخ پیدائش ۱۰۳۳ھ اس لحاظ سے ان کی عمر اس وقت سات سال ہونا چاہئے۔

چند روز لشکر شاہی میں: سید علم اللہؒ کا آغاز شباب ہی تھا کہ سید ابو محمدؒ نے کمال ہمدردی میں ان کو لشکر شاہی کی ملازمت میں لینا چاہا، چونکہ وہ خود صوبہ دار تھے اور امراء میں سے تھے اس لئے اس کاروائی میں تاخیر ودشواری کا کوئی سوال نہ تھا۔ اسباب وسامان اور خیل وحشم جو اس قسم کی شاہی ملازمت کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے، وہ سب انھوں نے مہیا کئے، سید علم اللہ کو ملازمت کی مخصوص پوشاک (یونیفارم) پہنائی اور دربار میں لے گئے، ملازمت کی باضابطہ کاروائی ابھی باقی تھی اور یہ وقفہ گویا ان کو اس نئے ماحول سے روشناس کرانے اور آداب شاہی سے واقف کرانے کے لئے تھا، اس درمیان میں سید شاہ علم اللہ کو چند بار وہاں جانے کا اتفاق ہوا، آتے وقت ان کو بڑا انقباض اور طبیعت میں افسردگی محسوس ہوئی لیکن اپنے شفیق ماموں کی خاطرداری کے لئے کچھ روز صبر آزما آمد ورفت برداشت کی۔

زندگی کا نیا موڑ: اِدھر یہ کارروائی ہورہی تھی اُدھر اللہ ان کے لئے کچھ اور سامان کر رہا تھا، اسی درباری وابستگی سے ایسی صورت پیدا ہوئی جس نے ان کی پوری زندگی کا رخ تبدیل کر دیا اور ان کو ایک نئے عالم میں پہنچا دیا، ان کے

مورخین نے اس سلسلہ میں دو واقعات قلمبند کئے ہیں لیکن دراصل وہ ایک ہی واقعہ کے دو پہلو ہیں اور باہم مربوط ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہجہاں کا دستور تھا کہ سفر میں جہاں اس کا خیمہ لگایا جاتا تھا اس میں چار منصب دار، رات بھر ہر وقت اس کے تخت کے پاس موجود رہتے تھے، ایک مرتبہ دہلی میں کسی جگہ بادشاہ کی فرودگاہ ہوئی، رات کو کسی وقت بادشاہ کی آنکھ کھلی، اس نے پوچھا کوئی موجود ہے؟ اتفاق سے اس وقت کوئی ڈیوٹی پر نہ تھا اور سید شاہ علم اللہؒ قریب ہی موجود تھے، انھوں نے جواب دیا علم اللہ، رات تاریک تھی اور ابر و باد کا موسم تھا اس لئے اتفاق سے اس وقت کوئی بھی بادشاہ کے پاس موجود نہ تھا، آدھی رات کے وقت پھر بادشاہ کی آنکھ کھلی اور اس نے پوچھا اس وقت کون ہے؟ سید شاہ علم اللہ بیدار تھے، انھوں نے فوراً کہا علم اللہ، بہرحال جتنی بار بادشاہ نے پوچھا اس کو یہی جواب ملا، صبح کے وقت بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آج کی رات تمہارے سوا اور کوئی نہیں تھا؟ سید شاہ علم اللہ نے فرمایا ہاں، بادشاہ اس فرض شناسی اور کارگزاری سے بیحد خوش ہوا اور بڑے انعامات اور خلعت فاخرہ سے نوازا، لیکن سید شاہ علم اللہ پر اس کا الٹا اثر پڑا، ان کو اس رات کے ضائع ہونے پر افسوس ہوا، مہر جہانتاب میں ہے کہ ان کے دل میں خیال آیا کہ محض ایک مخلوق کی خاطرداری کے لئے میں نے پوری رات گزار کر سحر کر دی، کاش یہ رات خالق ارض وسماوات کی عبادت میں بسر کی ہوتی اور اس کے بدلہ میں لافانی دولت اور لازوال نعمت حاصل ہوتی، مجازی بادشاہ حاجب و دربان رکھتے ہیں اور مقربین کو کبھی کبھی باریاب کرتے ہیں، بادشاہ حقیقی تک پہنچنے کے لئے کوئی حاجب و دربان نہیں، آشنا و ناآشنا اور شاہ و گدا سب کے لئے اس

کا دروازہ کھلا ہوا ہے، پھر ان سب بندوں کا انجام اسی بے نیاز کے ہاتھ میں ہے، اسی کی طرف اپنا رخ کیوں نہ رکھا جائے اور اسی سے کیوں نہ مانگا جائے۔

ترک وتجرید: اس خیال نے اتنا بے قرار کیا کہ اپنے خیمہ سے ننگے پیر، ننگے سر لنگی باندھ کر خیمہ سے باہر نکل آئے اور صلائے عام کر دی کہ یہ سارا سامان احتشام، اسباب گھوڑے اور خیمہ کے سارے شاہی لوازمات اور سامان عشرت جس کا جی چاہے لے جائے، یہ اعلان کرنا تھا کہ تمام لوگ ٹوٹ پڑے اور دیکھتے دیکھتے سارا سامان واسباب اٹھ گیا، جب سید ابومحمد کو یہ خبر پہنچی تو ان کو بڑا رنج ہوا، وہ آئے اور بڑی منت سماجت سے اپنے محبوب بھانجہ کو سمجھانے اور اس ارادہ سے باز رہنے کی کوشش کی، سید شاہ علم اللہ نے اس کا جو جواب دیا وہ راقم سطور کے نزدیک پورے تصوف کا خلاصہ اور ہماری زندگی کی ایسی حقیقت ہے جس کو سمجھے بغیر نہ آدمی اپنے آپ سے واقف ہوسکتا ہے اور نہ اپنے حقیقی محبوب سے روشناس۔ ع

دلے دارند ومحبوبے ندارند۔ (یعنی ایک دل رکھتے ہیں مگر کوئی محبوب نہیں رکھتے۔)

انھوں نے کہا کہ ماموں جان آپ کا میرے ساتھ جو محبت وشفقت کا برتاؤ ہے اور جو سلوک وصلۂ رحمی آپ فرما رہے ہیں شاید اسی لئے میرے اس تغیر حال پر آپ کو رنج ہے لیکن میں کیا کروں کہ آدمی کے پہلو میں ایک ہی دل ہوتا ہے اور ہر جگہ اس کے ساتھ رہتا ہے، اس سے دو متضاد کام نہیں لئے جاسکتے۔

”وما جعل اللہ فی جوف ابن آدم من قلبین“ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

از دل بروں کنم غم دنیا وآخرت | یا خانہ جائے رخت بود یا سرائے دوست

ترجمہ: دنیاوآخرت کا غم دل سے نکالتا ہوں، دل یا تو سامان خانہ ہوگا یا دوست کا آشیانہ۔

پھر کہنے لگے کہ اب تو آپ مجھ سے مایوس ہو جائیں اور میری فکر چھوڑ دیں۔
بھائیوں اور دوستوں نے بھی ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی لیکن کوئی بات کارگر نہ ہوئی اور وہ اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔

مجاہدات کے دو سال: اس کے بعد سید شاہ علم اللہؒ نے دو سال لشکر گاہ میں گزارے لیکن اس طرح کہ پہلے سال جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور تہذیب نفس کے لئے خود اپنے سر پر لاد کر سر بازار اپنے جاننے والوں اور دوستوں کے ہاں جو ان کی سابقہ حیثیت سے واقف تھے فروخت کرتے اور جو کچھ ملتا اس پر گذر بسر کرتے، دوسرا سال اس طرح گزرا کہ لوگوں کے گھروں میں کنویں سے پانی بھرتے اور اس کے معاوضہ سے اپنے اخراجات پورے کر لیتے، ان خدمات شاقہ اور مجاہدات کے بعد کسی شیخ کامل کی رہنمائی اور تربیت حاصل کرنے کا شوق دامنگیر ہوا اور یہ شوق لاہور تک کھینچ لایا۔

حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں: سید شاہ علم اللہ کو ابتداء ہی سے حضرت سید آدم بنوریؒ سے بیحد عقیدت تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ ایام تعلیم ہی سے ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر کسی سے بیعت ہونا ہے تو وہ سید آدم بنوریؒ ہیں۔

سید شاہ علم اللہؒ حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور چند ہی روز میں توفیق الٰہی سے تمام منازل سلوک طے کر لئے اور ولایت خاصہ واخص وخاص الخاص اور مراتب کمالات نبوت سے سرفراز ہوئے، حضرت سید آدم بنوریؒ نے خلافت ونیابت عطا کی اور اپنا عمامہ اور حضرت مجددؒ کی دستار مبارک عنایت کی۔
حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت وصحبت میں کتنا زمانہ گزرا اس کے متعلق

کوئی متعین بات نہیں کہی جا سکتی، مہر جہاں تاب سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بارہ راتیں بہت عسرت اور تہی دستی کے ساتھ گزاریں، روزانہ صبح جنگل کی طرف نکل جاتے اور لکڑیاں اپنے سر پر لاد کر فروخت کرتے اور صرف یہی نہیں بلکہ نصف رقم سے اپنا کام چلاتے اور باقی نصف محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔

اس شان کے ساتھ تھوڑی مدت وہاں رہے، جب رخصت ہونے لگے تو عرض کیا کہ اس طرف اودھ میں بہت سے اولیاء اور عالی مرتبہ لوگ ہیں، میری ان میں حیثیت ہی کیا ہوگی، حضرت سید آدم بنوریؒ نے کچھ دیر مراقب ہو کر فرمایا ان میں تمہاری حیثیت ایسی ہوگی جیسے چراغوں میں شمع کی، پھر کچھ دیر مراقبہ کے بعد فرمایا، سید خاطر جمع ہو کر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ، تمہاری نسبت ان میں ایسی ہوگی جیسے ستاروں میں آفتاب کی۔

سید شاہ علم اللہؒ کے شب و روز: سید شاہ علم اللہ کے شب و روز کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو کسی سنت یا مستحب سے خالی ہو یا اس کے بغیر گزر جاتا ہو۔

ناخوش آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت ضائع آں روزے کہ بر مستاں بہ ہشیاری گزشت

وہ وقت نازیبا ہے جو عاشقوں پر بے عشق کے گذرا، اور وہ وقت خراب ہے جو مستوں پر ہوشیاری کے ساتھ گذرے۔

وہ ہر معاملہ میں رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل پیرا تھے، اور اس کی کوشش کرتے تھے کہ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اور کھاتے پیتے، ملتے جلتے ہر چیز میں ان کا عمل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اور اس کے انوار و برکات سے معمور ہو، اس میں ان کو کسی تکلیف یا تکلف کی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ ان

کی روح و دل کی غذا بن گئی تھی اور جس طرح مچھلی پانی کے بغیر یا انسان ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح ان کے لئے پیروی سنت کے بغیر زندہ رہنا مشکل تھا۔

عبادات میں سنن کا لحاظ اور نوافل کی کثرت پھر بھی آسان ہے اور بہت سے مشائخ صوفیہ شب بیداری اور کثرت عبادت میں ایسے ممتاز تھے کہ زمانہ قدیم میں بھی اس کی مثالیں خال خال ملیں گی اور ان کے اذکار و اشغال اور عبادات و معمولات کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اس کم ہمتی اور عافیت طلبی کے دور میں لوگوں کو شاید یقین نہ آئے۔ ایک جلیل القدر شیخ اور مرجع خاص و عام کے لئے اپنے چھوٹوں کو سلام کرنا، جھاڑو دینا، پانی بھرنا، گھر کے کام کاج میں اہل خانہ اور خادمان خانہ کے ساتھ شریک ہونا، مریدین و اہل تعلق کی موجودگی میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا، سر پر بوجھ اٹھانا، اور دوسروں کا سامان ضرورت خرید کر خود ان کے گھر پہنچا دینا بہت مشکل اور سخت امتحان و آزمائش کی بات ہے۔

سید شاہ علم اللہؒ نے اس میدان میں جو کمالات حاصل کئے وہ بلا شبہ ان کی زندگی کا روشن ترین باب اور ہماری تاریخ کا ایک تابناک صفحہ ہے جس کو کوئی تذکرہ نگار یا مورخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔

ہر کام میں سنت کا خیال: سید شاہ علم اللہؒ کو ہر کام میں سنت کا اس درجہ خیال تھا کہ وہ اس میں سنت کے سارے آداب ملحوظ رکھتے تھے، مثلاً سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، اس میں چھوٹے بڑے اور مرد و عورت کی کوئی تفریق نہ تھی۔

بدعت سے نفرت: بدعت سے اس قدر نفرت تھی کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص بدعت میں مبتلا ہے، تو اس کا منہ دیکھنا اور سلام کا جواب دینا بھی

گوارا نہ فرماتے، ملاقات کرنا، ہدیہ قبول کرنا تو بہت آگے کی بات ہے۔

رسوم و بدعات اور خلاف شرع کاموں سے قلبی نفرت تھی اور بغیر کسی مداہنت اور تاویل کے اس کو منع فرما دیتے تھے، ایسے کاموں سے چشم پوشی گوارا نہ تھی، اور اکثر لوگ جو ان کی خدمت میں آتے تائب ہو کر واپس جاتے اور ان کی اصلاح ہو جاتی۔

ارشادات وملفوظات: مؤمن کا قلب اللہ کا حرم ہے، فرمایا کہ طالب کو جس طرح زبان سے سوال کرنا ممنوع ہے، اس سے کہیں زیادہ دل سے سوال کرنا بھی ممنوع ہے، السؤال ذل، (سوال کرنا ذلت ہے) کا اثر صرف انسانوں تک محدود رہتا ہے، اور دل کے سوال سے حضوریٔ قلب میں خلل واقع ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے: قلب المؤمن حرم اللہ حرام یلج فیہ غیر اللہِ، (مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کا حرم ہے، حرام ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز داخل ہو۔

طالبان حق کو چاہئے کہ تمام عمر اسی جد و جہد میں گزاریں کہ دل ماسوا اللہ سے خالی ہو، اگر اسی جہاں میں یہ دولت مل جاتی ہے تو زہے سعادت، اور اگر نہیں ملتی تو اسی طلب میں مردانہ وار جان دیدے، اس لئے کہ جو ان حجابات کے دور کرنے اور واصل حق ہونے میں جان دے گا، امید ہے کہ مرنے کے بعد یہ حجاب اس سے اٹھا لیا جائے گا اور عشق و محبت کی جو ترقی یہاں نہ ہو سکی تھی وہ شوق وطلب کی برکت سے وہاں حاصل ہو جائے گی۔

در مذہب طریقت سستی نشان کفر ست   آرے طریق دولت چالاکی ست و چستی

ترجمہ: مذہب طریقت میں سستی اور کاہلی کفر کی علامت ہے، ہاں اس

طریق کی اصل دولت مستعدی وچستی ہے۔

صبر کی حقیقت: صبر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی غریب مسلمان بازار جاتا ہے اور بازار کی نعمتیں دیکھتا ہے، لیکن اپنی تنگدستی کی وجہ سے خرید نہیں سکتا اور اس پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے صبر کے معاوضہ میں جنت میں اس کو نیا درجہ عطا فرماتا ہے۔

ابراہیم ابن ادہمؒ کے صبر کا واقعہ: ایک مجلس میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک بار سلطان ابراہیم ابن ادہمؒ حج کے لئے آئے ہوئے تھے، قربانی کے دن حجامت بنوانے کی ضرورت ہوئی اور ایک حجام سے بات ہوئی، لیکن جس وقت اس نے بال کاٹنے شروع کئے اسی وقت ایک مالدار آدمی جو اس کو ایک دینار اجرت دینے پر تیار تھا آگیا اور اس نے اس سے کہا کہ میری حجامت بنادو، پیسہ کی لالچ میں وہ ابراہیم ابن ادہمؒ کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا اور جب اس سے فارغ ہوا تو پھر ان کی طرف آیا، ابھی تھوڑے ہی بال کاٹے تھے کہ ایک اور صاحب دینار آگیا اور وہ حجام ان کو چھوڑ کر پھر اس کے بال کاٹنے میں مشغول ہوگیا، غرض پانچ یا چھ مرتبہ یہ قصہ پیش آیا، آخر کسی نہ کسی طرح جب سلطان ابراہیم ابن ادہمؒ کے بال کاٹ کر فارغ ہوا تو انہوں نے مزدوری دوگنی دی، وہ یہ دیکھ کر بہت شرمندہ اور حیران ہوا کہ میں نے تو ان کو اتنا پریشان اور ذلیل کیا اور یہ الٹے مجھے دوگنی مزدوری دے رہے ہیں، اس نے پوچھا اے درویش! آپ مجھے دوچند اجرت کیوں دے رہے ہیں؟ میں نے طمع دنیاوی اور اہل دنیا کے خوف سے آپ کی حق تلفی کی تھی، مجھے تو آپ سے کچھ بھی ملنے کی امید نہ تھی، اگر دینا ہی ہے تو جتنا سب دیتے ہیں وہ آپ بھی دے دیں، دوچند دینے

کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ نے جواب دیا، اجرت تو حق محنت کی ہے اور زیادتی اس بات کی کہ جب تم مجھے چھوڑ کر کسی مالدار کی حجامت بنانے کے لئے جاتے تھے تو میرے نفس میں شدید غصہ اور اشتعال پیدا ہوتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ تم کو کچھ کہہ دوں، لیکن میں نے اپنے نفس کو شکست دینے کے لئے صبر سے کام لیا اور صابرین کا درجہ بہت بڑا ہے اور یہ سب مجھے تمہاری بدولت حاصل ہوا، اس لئے درحقیقت تم میرے دوست ہو اور اجرت میں اضافہ کی یہی وجہ ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا:-

اے بھائیو! درویشوں کے اخلاق یہ تھے، ماتم تو ہم جیسوں کو کرنا چاہئے جو لباس درویشوں کا پہنتے ہیں اور کام سرکشوں اور فرعونوں کا کرتے ہیں اور ہُوا اور نفس کا شکار ہیں۔ اسی نشست میں یہ بھی فرمایا کہ:-

اے عزیزو! ہم میں ہر شخص کو اپنا ماتم کرنا چاہئے اور نظر ہر دم اللہ کے فضل وکرم پر رکھنی چاہئے اور اپنے نفس کے بود و پندار سے باہر آنا چاہئے کہ اللہ کے فضل کے بغیر سب ہیچ در ہیچ ہے۔ (ص ر ۱۱۶)

صبر و عزیمت: صبر و عزیمت سید شاہ علم اللہؒ کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے اور اتباع سنت کے بعد ان کی پوری سیرت اسی سے عبارت تھی، شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے ملفوظات میں اس کا ذکر بار بار اور تفصیل سے ملتا ہے، ذیل میں ایک طویل مجلس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے جو زیادہ انہیں مضامین پر مشتمل ہے۔

فرمایا: طالب تحقیق کو جب تک لوگ زندیق نہ کہیں وہ مرتبہ و مقام صدیق تک نہیں پہنچ سکتا، پیغمبر اور اولیاء اللہ سب نے اپنے اپنے دور میں منکرین و حاسدین کے

ہاتھوں بے حدوحساب سختیاں اور تکلیفیں برداشت کی ہیں اور اس کے بعد ان صابرین کے درجات ان کو حاصل ہوئے جن کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔)

مزید فرمایا: بندہ دو حال سے کبھی خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ حال اس کے لئے ساز گار ہوتا ہے مثلاً مال نعمت اور وجاہت اس کو میسر ہوتی ہے، یا ناساز گار ہوتا ہے، اور دونوں حالتوں میں اس کو صبر کی حاجت ہے، اگر حالات اس کے موافق ہیں، تندرستی، مال و اولاد اور دلی مرادیں اس کو حاصل ہیں تو اس کو چاہئے کہ ان سے دل نہ لگائے، اس کو بڑھانے کی ہوس نہ کرے اور سمجھے کہ یہ سب عاریت ہے اور بہت جلد اس سے جدا ہو جائے گا، جو احوال اس کے موافق نہیں ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں، اول قسم وہ ہے جس میں اختیار دیا گیا ہے، جیسے طاعت و ترک معصیت، دونوں میں اس کو صبر کی ضرورت ہے، طاعت کے آغاز، درمیان اور آخر، تینوں حالتوں میں صبر کا کام ہے، اولاً یہ کہ اس میں نیت کو درست کرے، دل کو ریا سے پاک کرے، اور یہ دونوں چیزیں بہت صبر چاہتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ طاعت کے شرائط و آداب کا پورا خیال رکھے اور اس میں کسی اور چیز کی آمیزش نہ کرے، مثلاً اگر نماز میں ہے تو نہ کسی طرف دیکھے، نہ کسی بات کو سوچے، طاعت کے آخر کا صبر یہ ہے کہ ان طاعات کے اظہار اور ان پر عجب سے باز رہے، معاصی میں صبر کی اہمیت ظاہر ہے اور بلا صبر کے ان سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں، شہوت جتنی قوی تر ہوگی معصیت اتنی ہی آسان تر اور صبر اسی قدر دشوار تر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں کسی بندہ کے جان و مال اور فرزند و عیال

پر کوئی مصیبت نازل کرتا ہوں اور وہ صبر سے کام لیتا ہے تو مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس کا حساب کروں اور اس کو میزان و دیوان کے حوالہ کروں، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا: جس بندہ کی بینائی میں سلب کرلیتا ہوں، جانتے ہو اس کو اس کا کیا بدلہ دوں گا؟ انہوں نے عرض کیا: آپ زیادہ جاننے والے ہیں، ارشاد ہوا کہ میں اس کو اپنے دیدار سے نوازوں گا۔ (ص:۱۲۱)

وفات: سید شاہ علم اللہؒ کی پیدائش ۱۲؍ربیع الاول ۱۰۳۳ھ کو ہوئی تھی بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اور ماموں نے پرورش کی تھی، اس طرح ان کی زندگی کا آغاز ہی سنت سے ہوا، پوری عمر پیروئ سنت واشاعت سنت میں گزری، اور اللہ تعالیٰ کے رحمت و کرم کی عجب شان ہے کہ ان کی وفات بھی اسی عمر میں ہوئی جس عمر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تھی۔

''تذکرۃ الابرار'' میں ہے کہ سید شاہ علم اللہؒ کی بہت آرزو تھی کہ ان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر سے متجاوز نہ ہو، اور آخری وقت یہ سعادت بھی ان کو حاصل ہوئی، چنانچہ ۹؍ذی الحجہ ۱۰۹۶ھ کو ۶۳؍سال کی عمر میں وفات پاکر حیات جاودانی حاصل کی اور اللہ کا یہ بندہ جس نے زندگی بھر سنت، عزیمت اور مجاہدہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور کسی سنت، مستحب اور اولیٰ سے منہ نہ موڑا، اپنے محبوب حقیقی سے جاملا۔

چیست ازاں خوب تر در ہمہ آفاق کار دوست رسد نزد دوست، یار بہ نزدیک یار

ترجمہ: دنیا میں اس سے عمدہ بات کیا ہوگی کہ دوست دوست کے پاس اور یار یار کے ہمکنار ہو۔

اسی دن اورنگ زیبؒ کا خواب: اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اسی تاریخ

کو یہ خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی ہے اور فرشتے جنازہ مبارک کو آسمان کی طرف لئے جارہے ہیں، بادشاہ کو بہت تردد ہوااور اس نے علماء وصلحاء سے اس کی تعبیر معلوم کرنی چاہی، انہوں نے کہا کہ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات کو سید محمد علَم اللہؒ (جو اتباعِ سنت میں رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم ہیں) کا انتقال ہوگیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ تاریخ لکھ لی جائے، اس کے بعد ہی وقائع نگار نے اطلاع دی کہ سید شاہ علَم اللہؒ کا اسی شب کو انتقال ہوا۔

اورنگ زیبؒ نے بعد میں دریافت کیا کہ یہ خواب سنتے ہی یہ تعبیر ان کے ذہن میں کیسے آئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اتباع سنت میں کوئی دوسرا آدمی ان کا ہمسر نہیں، شرف فرزندی کے ساتھ اتباع سنت وعشق رسول کی دولت اور سنن ومستحبات کے اس درجہ اہتمام والتزام میں وہ اکثر علماء ومشائخ سے فائق نظر آتے ہیں۔

آپ کے دائرہ کی تاریخی مسجد (۱) کے جانب مشرق وجنوب چہار دیواری

---

(۱) اس کی تاریخی حیثیت جیسا کہ آپ کے تذکرہ مولفہ مولانا سید محمد حسنی میں مذکور ہے، یہ ہے کہ آپ نے دوسرا حج تقریباً ۸۲ھ میں کیا اس کی کچھ تفصیلات کتابوں میں نہیں ملتیں۔ اتنا ثابت ہے کہ اس مرتبہ واپسی پر اپنے ساتھ ایک کاغذ پر حرم کا نقشہ کھینچ کرلائے، اس کے ایک سال بعد ۸۳ھ میں کعبۃ اللہ کی پیمائش کے مطابق سئی ندی کے بالکل کنارے اپنے مسکن کے پاس مسجد کی تعمیر کی، اس کی بنیادوں میں آب زمزم ڈالا، اور طول وعرض اور ساخت ہر چیز میں ادب کے خیال سے چند انگل کم رکھا، روشنی کے لئے اس کے چاروں طرف تین تین دروازے بنائے اور چاروں طرف مطاف کی طرح فرش بھی بنایا۔

زہے پرفیض آں مسجد مکرم ✿ دہد از کعبۃ اللہ یاد ہر دم (تذکرہ شاہ علم اللہ صاحبؒ: ۶۸)

میں چند کچی قبریں معمولی نشان کے ساتھ موجود ہیں، انہیں قبروں میں سے ایک خام اور بے نشان قبر اس ذات والاصفات کی ہے جس کی علوشان قوت نسبت، اتباع سنت، مشائخ وقت سے لے کر سلطان الہند عالمگیرؒ تک کو تسلیم تھی۔

(تذکرہ شاہ علم اللہ صاحب)

الحمدللہ علیٰ احسانہ کہ جب بھی مخدومی المکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی (جو اس خاندان عالی شان کے چشم و چراغ، انکے علوم ومعارف کے حامل اور ان کے اخلاق وخصال حسنہ کے وارث ہیں) کی خدمت میں حاضری ہوتی ہے تو ان مزارات پر حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کی دولت اور ایصال ثواب کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس فقیر کو ان حضرات کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین الحمدللہ یہاں پہونچ کر ان حضرات کی برکات وتاثیرات کا یہ کرشمہ نظر آتا ہے کہ نماز وتلاوت وغیرہ طاعات وعبادات میں خشوع وخضوع کا احساس ہوتا ہے اور دل کو انس وسکون محسوس ہوتا ہے۔ اللھم زد فزد

حضرت حکیم الامتؒ کا انکشاف: حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی زید مجدہم سے متعدد بار یہ واقعہ سنا کہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری (اعظم گڑھی) خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ لکھنؤ تشریف لے جارہے تھے، جب ان کا گذر رائے بریلی اسٹیشن سے ہوا تو فرمایا: حضراتِ تکیہ کے انوار یہاں نظر آرہے ہیں، ادھر تکیہ دائرہ شاہ علم اللہؒ کے معزز فرد خاندان سید خلیل الدین صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے بیعت تھے، نے خواب دیکھا کہ

حضرت شاہ علم اللہ صاحب؎ فرمارہے ہیں کہ مولانا تھانوی کو تکیہ لاؤ، چنانچہ انہوں نے ایک شخص کو حضرت مولانا تھانوی؎ کی خدمت میں لکھنؤ بھیجا اور اس خواب کی بات کہلائی تو ارشاد فرمایا: اس طرح جانے میں میری شہرت ہوگی اس لئے جانا مناسب نہیں ہے، لہٰذا دوسرے موقع پر حاضری کی سعادت حاصل کروں گا۔

ف: اس سے حضرت شاہ علم اللہ؎ کی روحانیت و کرامت کا تو پتہ چلا ہی، مزید حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ آپ کو نام ونمود اور شہرت سے بچنے کا بیحد اہتمام تھا، اور اسی کی اپنے متعلقین کو تعلیم دیتے تھے جیسا کہ ان کے مکتوبات وتالیفات، ارشادات وملفوظات سے ہویدا ہے، مگر افسوس کہ ان باتوں کا لحاظ ہم منتسبین کو بھی کماحقہ نہیں رہا۔ فالعیاذ باللہ تعالیٰ۔

حضرت مصلح الامت؎ کی تمنا وخواہش: چونکہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب؎ کو اس خاندان عالی شان سے خاص ارتباط و اعتقاد تھا اور مخدوم مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی؎ کی آمد ورفت برابر حضرت مصلح الامت کی خدمت میں رہا کرتی تھی، اس لئے حضرت مصلح الامت کے قلب میں دائرہ شاہ سید علم اللہ؎ کی حاضری کا داعیہ وجذبہ برابر رہا کرتا تھا چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ نے خود فرمایا کہ ایک مرتبہ بمبئی میں میری قیام گاہ پر مولانا عبدالرحمن جامی سے کہلا بھیجا کہ ان شاء اللہ میں تکیہ چلوں گا مگر افسوس کہ امراض واعذار کی بناء پر یہ تمنا وخواہش پوری نہ ہوسکی۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حضرت شاہ سید علم اللہ جیسی اتباع سنت اور حسن اخلاق، تواضع ومسکنت وغیرہ صفات حسنہ سے ہم سب کو مشرف فرمائے۔ آمین (مرتب)

حضرت سید محمد بخاری بیجاپوریؒ المتوفی ۱۰۹۷ھ

تعارف: آپ بخاری کے رہنے والے تھے، آپ کے اجداد میں کوئی بزرگ ہند میں وارد ہوئے، بعد ازاں گجرات میں آئے، وہاں سکونت پذیر ہوئے، اور آپ گجرات سے بیجاپور میں رونق افروز ہوئے، جامع کمالات صوری ومعنوی اور حاوی حقائق ومعارف تھے، شہر کے امراء وشرفاء آپ سے حُسن عقیدت رکھتے تھے، اور آپ کا اعزاز واکرام کرتے تھے۔

آپ کی تعلیم: آپ کی ہدایت وتلقین کا بازار گرم تھا، خاص وعام فیضیاب ہوتے تھے، اکثر گجراتی لوگ راہ راست پاتے تھے، آپ مریدین وطالبین کو دل آزاری سے سخت ممانعت فرماتے تھے۔

ف: صوفیہ کرام کی خاص نصیحت یہی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنی زبان وہاتھ سے ضرر نہ پہنچایا جائے۔ چنانچہ یہ شعران کے ورد زبان ہوتا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

ترجمہ: بہشت وہ ہے جہاں کوئی آزار وتکلیف نہو، کسی کو کسی سے کوئی کام نہو یعنی کسی کو کسی سے آزار وتکلیف نہ پہنچے۔ (مرتب)

وفات: آپ نے ۱۰۹۷ھ میں رحلت فرمائیؒ نور اللہ مرقدہ۔ اندرون شہر پناہ بیجاپور علی باغ میں مدفون ہوئے ''مقبول خدا ورسول بود'' رحلت کی تاریخ ہے۔ نور اللہ مرقدہ (محبوب التواریخ: ۲/ ۹۹۱)

حضرت مولانا میر سید قنوجیؒ المتوفی ۱۰۹۷ھ سے پہلے

نام و فضل و کمال: محمد نام اور میر خطاب تھا، قنوج کے باشندے، عہد عالمگیری کے مشہور اور وسیع العلم علماء میں تھے۔ ریاضی وادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے۔ شاہ جہاں نے بڑی تعظیم واکرام کے ساتھ انہیں دربار میں بلایا، اور اپنے مقربین میں شامل کیا۔ شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر رحمہ اللہ تخت نشین ہوئے تو انھوں نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ قائم رکھا، اور جب اکبر آباد سے دلی آئے تو انھیں بھی اپنے پاس بلالیا۔

عالمگیرؒ کو امام غزالی کی تصنیفات خصوصاً احیاء العلوم سے بڑا شغف تھا، انھوں نے امام غزالیؒ کی اکثر کتابیں سید محمد قنوجیؒ کی زیر نگرانی اور ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں۔ تذکرہ علماء ہند میں ہے:

مصنفات حجۃ الاسلام غزالیؒ خصوص احیاء العلوم پیش وے (سید محمد) دیدہ۔	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی تصانیف خاص طور پر احیاء العلوم ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں۔

ان کو دربار میں کافی اثر حاصل تھا، عالمگیرؒ کی ہر مجلس میں شریک ہوتے تھے، شاہزادہ اعظم کا نکاح ان ہی کی وکالت میں ہوا تھا۔ سنہ ۱۰۹۱ھ میں عالمگیر اودے پور اور اجمیر کی مہم پر گئے اور وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے کئی مہینہ رک جانا پڑا، اس لئے سید محمد قنوجی نے اجمیر جا کر ان سے ملاقات کی۔ انھوں نے ان کا بڑا اعزاز واکرام کیا، اور ایک ہزار نقد اور میوؤں کے دو خوان تحفہ میں پیش کئے۔

فتاویٰ عالمگیری کے لئے انتخاب: جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے لئے انتخاب ہورہا تھا تو قرعہ انتخاب ان کے نام بھی پڑا۔ چنانچہ اس کی تکمیل میں ان کا بھی کافی حصہ تھا۔ تذکرہ علماء ہند میں ہے:

در تالیف فتاویٰ عالمگیری مساعی جمیل بکار بردہ۔	فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں پوری کوشش کی۔

وفات: وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی۔ صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۹۷ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے:

''سید شریف پسر قدوۃ المشائخ میر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی (شاہ جہاں) جو فضل وکمال، عقل وشعور میں مشہور ومعروف تھے کرورہ گنج کی خدمت میں مامور ہوئے''۔

اس بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۹۷ھ سے پہلے وفات پاچکے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص ر ۳۲)

حضرت شیخ الاسلام خواجہ عابد صدیقی سمرقندیؒ المتوفی ۱۰۹۸ھ

نام ونسب: نام خواجہ عابد، لقب شیخ الاسلام، خطاب قلیچ خان بہادر، والد کا نام ایزان عالم شیخ ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت علی آباد علاقہ سمرقند میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: والد ماجد نے تعلیم شروع کی، آپ ذہین وذی فہم تھے، تعلیم میں روز بروز ترقی کرنے لگے۔ عین عالم شباب میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ حجۃ الذاکرین کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم کی تکمیل علمائے بخارا سے ہوئی۔ بخارا کا حاکم و بادشاہ نے آپ کو شیخ الاسلام کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ اس خاندان میں یہی بزرگ ہیں کہ اس خطاب سے سرفراز ہوئے اور اسی شہر میں صدارت کی خدمت پر مامور کیا۔ زمانہ دراز تک اس خدمت پر مامور رہے۔

سفرحج: چند مدت گذر جانے کے بعد برائے حج وزیارت عازم حجاز ہوئے۔ اولاً بخارا سے وطن علی آباد علاقہ سمرقند میں آئے، چند دن اعزہ واحباب کی ملاقات میں بسر کئے، آپ کے ہمراہ مریدین وملازمین ساٹھ یا ستر اشخاص تھے، آپ ہی تمام کے کفیل تھے زاد وراحلہ (مصارف سفر) میں جو خرچ ہوتا آپ ہی عطا فرماتے تھے، جب بخارا میں شیخ الاسلام کی خدمت پر مامور تھے اس وقت بخارا اور بلخ وغیرہ ممالک پر نذر محمد خان حکمرانی کرتا تھا۔ خان موصوف آپ کی نہایت ہی عزت وتوقیر کرتا تھا، جب آپ ملاقات کو جاتے تھے تو مسند سے اٹھ کر آپ کا استقبال

کرتا تھا اور آپ کو مسند پر اپنے بازو میں بٹھاتا تھا۔ آپ کو رخصت کرتے وقت جدائی کا بہت افسوس کرتا تھا۔

ف: یہ تھے صالح حکمراں جو درویش کی اس قدر تعظیم وتکریم کرتے تھے جو صحیح معنوں میں نعم الامیر علی باب الفقیر (قابل قدر امیر وہ ہے جو فقیر کے گھر جائے) کہے جانے کے لائق تھے۔ کثر اللہ امثالھم فی الشیوخ والملوک۔(مرتب)

بخارا سے چند منازل تک آپ کے ہمراہ علماء وطلباء کا مجمع مشایعت میں رہا۔ آپ ہر ایک منزل سے علماء وطلبہ کو رخصت فرماتے تھے۔ صاحبزادۂ میر شہاب الدین المخاطب بہ غازی الدین خان بہادر آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس وقت صاحبزادے کی عمر تخمیناً بارہ برس کی تھی۔ پھر آپ سنہ ۱۰۶۶ھ میں علی آباد سے مع رفقاء بارادۂ حج وزیارت روانہ ہوئے، جب آپ سندھ پہنچے تو اس وقت سندھ کے واقع نگار نے شاہجہاں بادشاہ ہند کی خدمت میں آپ کی تشریف آوری کی خبر دی۔ اس وقت بادشاہی حکم سندھ کے حکام پر صادر ہوا کہ آپ کی مہمانداری ومدارات عمدہ طرح سے کریں اور سندھ سے ہند تک کے حکام منازل پر یہی حکم بھیجا گیا، جب آپ تشریف لائیں ہر ایک مقام میں آپ کی مہمانداری بجالائیں جس چیز کی ضرورت ہو اس کو حاضر کریں، شاہجہاں بادشاہ بزرگان سلف کے صفات وکمالات سے واقف تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا کہ آپ بادشاہوں کے منظور نظر ہیں اور ظاہری وباطنی کمالات سے موصوف ہیں، ہمہ تن آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا۔ سنہ ۱۰۶۶ھ میں آگرہ دارالسلطنت میں مع الخیر داخل ہوئے، حسب حکم بادشاہ، اعیان دولت وارکان سلطنت نے اعزاز واکرام سے آپ کا استقبال کیا۔ اور بادشاہی مکان میں

اتارے، مہمانداری ومدارات کا تمام سامان مہیا کر دیئیے۔ دوسرے روز آپ دربار میں بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ شاہجہاں علم دوست وہنر پرور تھا، نہایت ادب وتعظیم کے ساتھ آپ سے ملا اور آپ کو اپنی مسند پر جلوس کی اجازت دی۔ دیر تک آپ سے سفر کے حالات استفسار کرتا رہا۔ اور بزرگان سلف کا بھی تذکرہ پوچھتا رہا، آپ بادشاہ کی ملاقات سے بہت ہی محظوظ ہوئے آپ کا شکریہ ادا فرمایا اور دعائے خیر سے یاد کیا۔

بادشاہ کی درخواست: بادشاہ نے بھی مہمان عزیز کی خیر مقدم میں مرحبا مرحبا کہا، آپ سے درخواست کی کہ حضرت، بادشاہ ورعایائے دولت کو اپنے فیض عام سے سرفراز فرمائیں اور ہند کو اپنا قیام گاہ معین کریں۔ بادشاہ ورعایا آپ کے فیضان صحبت سے مستفید ہوں گے۔ آپ نے درخواست طوعاً و کرہاً اس شرط پر قبول کی کہ حج وزیارت سے واپس ہوتے وقت ہند میں سکونت اختیار کروں گا۔ اور سمرقند وبخارا سے اپنے عیال واطفال کو بلالوں گا۔ بادشاہ آپ کے فرمانے سے خوش ہوا۔ اور آپ کا شکریہ ادا کیا اس وقت آپ کو شاہزادۂ عالمگیر کی اتالیقی پر مقرر فرمایا۔ اور آپ کو حج وزیارت کے جانے کے لئے اجازت دی اور آپ کے لئے زاد وراحلہ کا پورا بندوبست کردیا۔ عالمگیر نے آپ کو غائبانہ قلیچ خان بہادر خطاب سے سرفراز فرمایا۔ بذریعہ مراسلہ آپ کو اطلاع دی گئی۔ پس آپ سورت سے جہاز پر سوار ہو کر مکہ شریف روانہ ہوئے، وہاں مع الخیر پہنچ کے حج وزیارت سے مشرف ہوئے، اور متبرکات مزارات کی زیارت سے بھی بہرہ مند ہوئے۔

ہندوستان میں واپسی: تخمیناً ایک سال کے بعد ہند میں آئے، بادشاہ

وشہزادے کی ملازمت سے مشرف ہوئے۔ اولاً شہزادے کی تربیت میں رہے، شاہزادہ نے اپنے اختیارات کے زمانہ میں آپ کو متعدد خدمات پر یکے بعد دیگرے رکھا، جو خدمت آپ کو متعلق ہوتی تھی آپ اس خدمت کو عمدہ طرح سے بجالاتے تھے، کبھی صدارت کبھی صوبہ داری، کبھی سپہ سالاری وغیرہ پر مامور رہے۔ شاہزادے کی خدمت میں زمانہ شاہزادگی وشاہی میں بیشمار نمایاں کام کیئے۔ عالمگیر آپ سے نہایت ہی خوش رہا، ابتدا سے انتہا تک آپ کی تعریف وتحسین کرتا رہا۔

آپ کے اخلاق: آپ بظاہر امیر تھے لیکن باطن میں فقیر، صاحب دل، خوش اخلاق ونیک محضر تھے، منکسر المزاج وحلیم الطبع تھے، بزرگان سلف کے صفات وکمالات سے موصوف تھے۔ اُباء پرور، مہمان نواز تھے۔ آپ کی وجہ سے سمرقند وبخارا کے اکثر بزرگ زادے اور بڑے لوگ ہند میں امارت کو پہنچے۔ آپ کا دولت خانہ عالمگیری عہد میں سمرقندیوں وبخاریوں کا فرودگاہ تھا۔ آپ مہمانوں کی مہمانی میں ایک دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے تھے، روزانہ آپ کے دسترخوان پر دوڈھائی سو بزرگ شریک طعام ہوتے تھے۔ کھانے کے انواع ہوتے تھے۔ فیاض دل وسیر چشم تھے۔ اُبا ویتامیٰ وبیواؤں ومعذورین کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے۔ اکثروں کے لئے ماہانہ وظائف مقرر کردیئے تھے۔ حجاج وزائرین کی بھی مدد کرتے تھے، سمرقند وبخارا وبلخ کے علماء وحفاظ کے لئے ہند سے نفیس تحائف بھیجتے تھے، اور نقد سونا، چاندی روانہ کرتے تھے۔ فی زمانا ہم حضرت نظام خلد اللہ ملکہ کو جو خواجہ عابد قلیج خان بہادر مرحوم کے باقیات الصالحات میں بمصداق الولد سر لابیہ وبفحوائے "کل شیء یرجع الی اصلہ" خواجہ

کو قدم بقدم پاتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً بزرگان سلف کے جواہر دکھلائی دیتے ہیں۔ وہی داد و دہش کے چشمے جاری نظر آتے ہیں، بزرگان سلف کی نیک نیت و برکت سے یہی فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ف: اس سے حضرت شیخ الاسلام کی مدح و منقبت اور قبولیت کا بخوبی علم ہوا، یہ ان کی انتہائی شرافت وسعادت کی بات ہے۔ مزید شاہجہاں اور ان کے شہزادے عالمگیرؒ کی تواضع وانکساری اور اہل علم اور اہل معرفت حضرات سے محبت وعقیدت اور ان کی خدمت کا داعیہ وجذبہ کا بھی علم ہوا جو قابل صد افتخار ہے۔ کاش کہ یہ اوصاف ان کی اولاد میں پشت در پشت رہتے تو یقیناً ہند اور اہل ہند اور ان کی اولاد کو روز بد دیکھنا نہ پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تدین وتقویٰ کی زندگانی نصیب فرمائے۔ اور ہماری اولاد کو بھی ناخلفی کے بدنما داغ سے محفوظ رکھے۔ آمین (مرتب)

وفات: ۱۰۹۷ھ میں عالمگیر بادشاہ ہند نے گولکنڈہ حیدرآباد پر حملہ کیا۔ اس وقت ابوالحسن قطب شاہ عرف تاناشاہ حکمرانی کی مسند پر جلوس فرما تھا، تاناشاہ حیدرآباد سے فرار ہو کے گولکنڈہ کے قلعہ میں متمکن ہو گیا۔ عالمگیری فوج نے تعاقب کر کے قلعہ کا محاصرہ کیا باہم طرفین سے توپ وتفنگ وآلات جنگ سے آتشبازی ہوتی تھی۔ طرفین سے مجروح ومقتول ہوتے تھے، اس میں شیخ الاسلام بھی تھے۔ آپ بھی زخمی ہوئے۔ زخم شدید تھا، آخر تیسرے روز ۲۴؍ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گولکنڈہ کے میدان میں مدفون ہوئے۔ (محبوب التواریخ ج؍۱ص؍۲۵)

حضرت میر اسد اللہ شہیدؒ گولکنڈہ المتوفی ۱۰۹۸ھ

نام ونسب: میر اسد اللہ نام، آپ میر فضل اللہ بخاری کے فرزند ہیں، صحیح النسب والحسب ہیں، آپ کے والد ماجد شاہجہانی عہد میں ملازم تھے، معزز عہدوں پر مامور تھے، امیر ووزیر آپ کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے، عالمگیری زمانہ میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا، آپ کے کئی بھائی تھے، عالمگیرؒ نے سب کو خاندانی بزرگی کے لحاظ سے خدمات جلیلہ پر مامور فرمایا۔

حالات: آپ ہمت وجرأت میں یگانۂ روزگار تھے، مروت وسخاوت میں شہرۂ آفاق، طریقت وحقیقت کے شائق، معرفت ووحدانیت کے عاشق تھے، آپ اکثر اوقات عبادت الٰہی وتلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے، معرفت وتوحید کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے، شوق الٰہی کی آگ میں سوختہ وکباب تھے، اور آپ اپنے حالات کو عوام الناس سے مخفی رکھتے تھے، ہمیشہ شب زندہ دار وتہجد گزار تھے، قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ میں موجود تھے، قلعہ فتح نہیں ہوتا تھا، عالمگیر اور اہل لشکر اولیاء کے بھی جویا تھے کہ دعا سے بھی تائید لینا چاہیے، کسی ملازم نے بادشاہ کو آپ کی شب بیداری کی خبر دی، عالمگیر نے ایک خاص معتمد کو بھیج کر آپ کے حال کی تصدیق کے بعد آپ سے دعا چاہی، آپ نے دعاء بھی کی اور محاصرہ میں شریک بھی ہوئے آپ کی دعا اور توجہ کی برکت سے قلعہ فتح ہوا۔

وفات: آپ توپ کی ضرب سے شہید ہوئے، ۱۰۹۸ھ میں اسی قلعہ کے میدان میں نیک نام پورہ گولکنڈہ کے قریب مدفون ہوئے، اور آپ کا لقب میر اسد اللہ شریف ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (محبوب التواریخ: ۱/۸۸)

حضرت قاضی خوب اللہ جون پوریؒ المتوفی ۱۱۰۰ھ

نام ونسب: محترم، فاضل، قاضی خوب اللہ جو شیخ محمد حفیظ حسینی جون پوری کے پوتے تھے۔ فن نحو ادبیت میں نامور علماء میں تھے۔

ولادت: جون پور شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑے بھی ہوئے۔

فضل وکمال: آپ نے خزانۂ علوم بہت زیادہ جمع کیا کہ افضل المحدثین ہوئے۔ آپ کو ایک ہزار آٹھ سو حدیث راویوں کے نام کے ساتھ یاد تھیں۔ آپ کی اس زیادتی علم کی وجہ سے آپ کو منصب قاضی القضاۃ شہر الہ آباد پر مقرر کیا گیا۔ آپ نے اپنے منصب کو نہایت نیک نامی کے ساتھ انجام دیا، آپ نہایت ظریف طبع تھے۔

نقل ہے کہ نواب شجاع الدولہ الہ آباد تشریف لائے اور ملاقات کے وقت آپ کا نام دریافت کیا۔ فرمایا۔ ”میرا نام خوب اللہ ہے“ نواب نے پوچھا، ”خوب۔ لفظ فارسی اور اللہ لفظ عربی۔ ترکیب کہاں تک درست ہے“ جواب دیا کہ نام کے لئے معنی کی ضرورت نہیں ہے۔ نواب نے کہا ”آپ قاضی اور نام بے معنیٰ“، قاضی نے کہا جس وقت نام رکھا گیا۔ اس وقت قاضی نہیں تھا۔ نواب اس لطیفے پر ہنسے اور آپ سے اتفاق کیا۔

نقل ہے کہ قاضی خوب اللہ نے قاضی ثناء اللہ جون پوری کی ملاقات اور مزاج پرسی کے بعد نوکر کو حقہ لانے کا اشارہ کیا۔ نوکر نے حقہ حاضر کیا۔ قاضی ثناء اللہ

نے چند شعر حقہ کی مذمت میں پڑھا۔ قاضی خوب اللہ نے فی البدیہہ یہ قطع منظوم کیا اور پڑھ دیا۔

قطعہ

تمباکو اگرچہ ہست زیاں کار بسے
زو فائدہ ہیچ گہہ ندید است کسے
آخر بہ ازیں چہ خوب باشد کہ ترا
خاموش کند ز ہرزہ سرائی نفسے

ترجمہ: تمباکو اگرچہ نقصان دہ شئی ہے اور کسی کو اس سے فائدہ ہوتے نہیں دیکھا۔ مگر خرابیوں کے علاوہ یہ اچھائی بھی ہے کہ آپ کو ہرزہ سرائی سے کچھ دیر کے لئے باز رکھتا ہے۔

حاضرین مجلس نے آپ کی اس موزونی طبع کی تعریف کی۔

وفات: آپ کی وفات ۱۴ر شعبان المعظم ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء میں ہوئی۔ نور اللہ مرقدہ (تاریخ جون پور ج ر ۲ ص ر ۱۶۸۶)

لیکن نزہۃ الخواطر جلد پنجم میں آپ کی تاریخ وفات ۱۱۰۱ھ درج ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

حضرت شیخ صلاح الدین چشتی گجراتیؒ المتوفی ۱۱۰۰ھ

نام وولادت: شیخ صلاح الدین نام، آپ شیخ رکن الدین احمد بزرگ کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا مولد احمد آباد گجرات ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے عالم شباب میں والد ماجد اور گجرات کے علماء وفضلاء کی خدمت میں کتب تحصیلی ختم کیا۔ عربی وفارسی میں استعداد کامل پیدا کی اور تصوف وتوحید میں وحید العصر انشاء پردازی وشاعری میں فرید الدہر تھے۔

فضل وکمال: آپ کا کلام، حشو وزوائد سے پاک وصاف ہے۔ حقائق ومعارف کے مضامین میں ڈوبا ہوا ہے۔ آپ صاحب دیوان تھے۔ آپ صاحب جمال وجلال تھے۔ عالی ہمت وذی مروت تھے۔ خوش خوراک وخوش پوشاک تھے۔ آپ ظاہر میں امیر مگر باطن میں فقیر تھے۔ رقیق القلب، کسیر النفس (شکستہ دل) تھے، درویش دوست وغریب پرور، بندہ نواز اور خزانۂ فیض تھے۔ اکثر اوقات مجلس منعقد فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس میں مشائخ وامراء جمع ہوتے تھے۔ آپ کی زندگی کا مدار توکل وقناعت پر تھا۔ اللہ تعالیٰ بیشمار عطا فرماتا تھا۔ امراء ومعتقدین تحائف ونذر بھیجتے تھے۔ آپ فی الفور خرچ کر دیتے تھے۔

وفات: آپ نے ۱۲؍ذی الحجہ ۱۱۰۰ھ میں رحلت کی، محلہ شاہپور احمد آباد گجرات میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ (محبوب التواریخ، ج؍۱ص؍۱۷۴)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ

(آل عمران:۲۶)

تذکرہ

نیک سیرت

سلاطین ہند

یعنی ہندوستان کے چند صالح، عادل اور متبع سنت بادشاہوں کے ملک وملت کی اہم خدمات اور عبرت آموز حالات، قابل تقلید اخلاق، بے مثال معدلت گستری، ہر قوم، ہر مذہب اور ہر ملت کے ساتھ غایتِ عدل وانصاف کے مختصر تذکرے حصہ سوم و چہارم میں کئے جا چکے ہیں۔اب اس حصہ پنجم میں بعض سلاطین مغلیہ مثلاً جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے تذکرے کئے جا رہے ہیں۔و باللہ التوفیق

اللہ تعالیٰ اس کو ناظرین کرام کے لئے مفید وبصیرت افروز بنائے۔آمین

بعض خوش نصیب سلاطین مغلیہ

اب تک آپ حضرات نے علمائے ربانیین کی صلاح واصلاح کی باتیں پڑھیں، اب جی چاہتا ہے کہ ان حضرات کی تعلیم وتربیت سے جو شاہان مملکت متأثر ہوئے ان کے حالات وارشادات بھی درج کروں تاکہ ہم لوگوں کو عبرت ونصیحت ہو، اور ایسے فتنہ کے دور کرنے میں صوفیہ صافیہ، علماء کرام اور مشائخ عظام کی خدمات خصوصاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا تجدیدی کارنامہ اجاگر ہو۔

یقیناً بادشاہوں کے تدین کا رعایا پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے کہ "الناس علی دین ملوکھم" مشہور مقولہ ہے، اس لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت مجدد صاحبؒ نے ان بادشاہوں کی اصلاح وتربیت کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی اور اس کا اثر بھی ظاہر ہوا۔

ان بادشاہوں میں اولاً جہانگیر بادشاہ ہے جو ابتداءً اپنی بد دینی کی بنا پر حضرت مجدد صاحبؒ کا مخالف ہوگیا تھا جس کی بناء پر آپ کو قید وبند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت فرمائی اور مجدد صاحبؒ کو جیل سے رہائی دیا اور اختیار دیا کہ وطن میں قیام فرمائیں یا لشکر شاہی میں تشریف رکھیں، حضرت مجدد صاحبؒ نے دوسری ہی شق کو اختیار فرمایا۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کو حضرت مجدد صاحبؒ کی رفاقت کا شرف نصیب ہوا اور آپ کے وعظ وبیان کی سماعت کا موقع ملا۔ اس سے وہ متأثر ہوا اور آپ کے متعلق کلمات عقیدت کہے۔

پھر اس کے بعد اس کا بیٹا شاہجہاں بادشاہ ہوا جو جہانگیر سے بدرجہا بہتر ودیندار

تھا۔ پھر اس کے بعد اورنگ زیب علیہ الرحمہ سلطان الہند ہوئے جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ شاہی لباس میں درویش کامل تھے، آپ کا رشتۂ ارادت و بیعت حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ سے تھا اور باقاعدہ مراحل سلوک طے فرمایا بلکہ ہندوستان میں اسلام کی حفاظت و بقاء میں حضرت عالمگیرؒ کا خاص دخل تھا۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشآء۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی کہ دین کی ترویج و اشاعت کے لئے حکومت عادلہ کی بھی ضرورت پڑا کرتی ہے، اس لئے کہ بہت سے احکام شرعیہ کی تنفیذ بغیر حکومت کے ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ صاحب روح المعانیؒ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلَوْ لَا دَفعُ اللّٰہِ النَّاسَ بعَضَھُم بِبَعضٍ لَفَسَدَتِ الاَرضُ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَفِی ھٰذَا تَنبِیه عَلٰی فَضِیلَةِ	اس آیت میں سلطنت کی فضیلت پر تنبیہ ہے
المُلکِ وَاَنَّه لَولَاہُ مَا استَتَبَّ	کہ اگر یہ نہ ہو تو نظام عالم درست نہ رہ جائے۔
اَمرُ العَالَمِ ، لِھٰذَا قِیلَ "اَلدِّینُ	اسی لئے کہا گیا ہے کہ "دین اور ملک تو اَم
وَالمُلکُ تَواُمَانِ" فَفِی	یعنی جڑواں ہیں" کیونکہ ان میں سے ایک
اِرتِفَاعِ اَحَدِھِمَا اِرتِفَاعُ الاٰخَرِ	کے نہ ہونے سے دوسرے کا ارتفاع لازم،
لِاَنَّ الدِّینَ اُسٌّ وَالمُلکُ	اس لئے کہ دین بنیاد ہے اور ملک اس کا
حَارِس۔ وَمَالَا اُسَّ لَه فَمَھدُوم	محافظ ہے، اور جس چیز کی بنیاد ہی نہ ہو تو وہ
وَمَالَا حَارِسَ لَه فَضَائِع۔	منہدم ہو جائے گی اور بنیاد تو ہو مگر اس کا
(روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۴)	کوئی محافظ نہ ہو تو وہ برباد ہو جائے گی۔

ف: سبحان اللہ! کتنی عمدہ بات فرمائی جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور مستحضر رکھنے کے لائق ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سراپا عدل وانصاف جہانگیر بادشاہ ہند المتوفی ۱۰۳۷ھ

نام ونسب: نام سلیم، لقب ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ، والد کا نام جلال الدین اکبر بادشاہ۔

ولادت: ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ بروز چہارشنبہ بمقام ضلع فتح پور سیکری یوپی میں ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت: "بزم تیموریہ" میں سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ آپ کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:

جہانگیر دعاؤں سے پیدا ہوا، حوصلوں اور تمناؤں میں پلا اور ناز ونیاز کے ساتھ بڑھا، ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم وکمال کے گہوارے میں پایا، جب چار سال چار مہینے اور چار روز کا ہوا تو علم پرور باپ نے اس کی رسم مکتب کی تقریب انجام دی، فیضی اور مولانا میر کلاں ہرویؒ محدث کو اس کی تعلیم کے لئے مامور کیا، قطب الدین خانؒ اور عبدالرحیم خانخاناںؒ اس کے اتالیق مقرر ہوئے، مولانا احمد علی کے والد بھی اس کے استاذوں میں تھے، یہ ہیئت، طبعیات اور املا وانشاء اور خطاطی میں اپنی نظیر آپ تھے، جہانگیر نے چہل حدیث سید صدر جہاںؒ سے پڑھی، ایسے استاذوں اور اتالیقوں کے فیض تعلیم کا جو خوشگوار نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ علم وسخن کے آسمان پر ماہتاب بن کر چمکا۔

عبدالرحیم خانخاناںؒ سے اس نے ترکی زبان سیکھی، وہ خود لکھتا ہے کہ "باوجودیکہ میں نے ہندوستان میں پرورش پائی، لیکن ترکی زبان کے بولنے اور

لکھنے سے عاری نہیں ہوں تزک بابری‘‘ کے آخر میں کچھ اجزاء ترکی زبان میں لکھ کر اضافہ کیا ہے۔ (بزم تیموریہ، ج ر ۲ ص ر ۶)

تخت نشینی: پنجشنبہ ۱۸ ر جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۱۴ھ بعمر ۳۸ سال بمقام آگرہ سریر آرائے دولت مغلیہ ہوا، اکبر اور شاہجہاں کے درمیان جس طرح جہانگیر نسباً واسطہ تھا اسی طرح مذہبی اور سیاسی تبدیلیوں کے لحاظ سے بھی برزخ کی حیثیت رکھتا تھا۔

خود بعض مؤرخ مسلمانوں کی تمام ہی حکومتوں کو برا کہتے ہیں تو جہانگیر کی کیا تعریف کرتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اتنا برا نہیں تھا جتنا بتایا جاتا ہے۔

قدرت نے فطری طور پر اس کو بہتر استعداد اور عمدہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، وہ جس طرح اپنے ذاتی حقوق، منافع اور عیش و عشرت کی حفاظت چاہتا تھا، اسی طرح وہ رعایا کی راحت و آرام اور آسودگی کا بھی خواہاں تھا، رعایا کا درد اس کے دل میں تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ بادشاہ پر فرض ہے کہ وہ جنگل کے درندوں اور چرندوں اور ہوا کے پرندوں تک کی حفاظت کرے اور اپنے تخت کے نیچے ان جانوروں کی بھی حق رسی کرے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

عدل وانصاف: جلوس کے بعد سب سے پہلا حکم مجھ سے صادر ہوا کہ زنجیر عدل آویزاں کی جائے تاکہ مہمات دارالعدالت کے کارپرداز اگر ستم رسیدوں اور مظلوموں کی دادرسی میں سستی یا کوتاہی کریں تو یہ مظلوم اس زنجیر تک پہنچ کے بذات خود مجھ کو آگاہ کر سکیں۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج ر ۱ ص ر ۸۷)

عدل جہانگیری منظوم: بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کی محبت مشہور ہے، حتی کہ مشہور ہے کہ جہانگیر کے پردہ میں نور جہاں ہی سلطنت کرتی تھی، مگر اس

کے باوجود جہانگیر کے عدل وانصاف پسندی کا دردناک واقعہ بھی مشہور ہے۔

علامہ شبلیؒ نے اس کو اس طرح نظم کیا ہے۔

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گذر ۔۔۔ ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن
کوئی شامت زدہ رہ گیر ادھر آ نکلا ۔۔۔ گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن
غیرت حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا ۔۔۔ خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور وکفن
ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر ۔۔۔ غیظ سے آگئی ابروئے عدالت پہ شکن
حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی ۔۔۔ جاکے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن
نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا ۔۔۔ میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حسن
ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں ۔۔۔ مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن
اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک ۔۔۔ کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن
مفتیٔ دیں سے جہانگیر نے فتوی پوچھا ۔۔۔ کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
مفتیٔ دین نے بے خوف وخطر صاف کہا ۔۔۔ شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے ۔۔۔ پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر ۔۔۔ پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
پھر اسی طرح اسے کھینچ کے باہر لائیں ۔۔۔ اور جلاد کو حکم دیں کہ ہاں تیغ بزن
یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی ۔۔۔ تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
اس کی پیشانیٔ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ ۔۔۔ جاکے بن جاتی تھی اوراق حکومت پہ شکن
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ انداز اور ۔۔۔ نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ اُبدۂ صبر شکن
اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھراتے ہیں ۔۔۔ جن کی رفتار سے پامال تھے مرغان چمن

ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع — ایک بے کس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن
خدمت شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام — خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امر حسن
مفتیٔ شرع سے پھر شاہ نے فتوی پوچھا — بولے جائز ہے رضا مند ہوں گر بچہ وزن
وارثوں کو جو دئے لاکھ درم بیگم نے — سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہ زمن
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص — قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن
ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں — کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ وفن
اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم — تھی جہاں نور جہاں معتکفِ بیتِ حزن
دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور کہا — ”تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من“

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ج/۱ص/۸۷)

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ العزیز مکتوب نمبر ۹۲ جلد دوم میں اس کے عدل وانصاف کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

”حق سبحانہ وتعالیٰ نے جس طرح بادشاہ وقت کے عدل وانصاف کے نور سے عالم کو منور کیا ہے اسی طرح شریعت وملت محمدیہ کو بھی ان کے حسن اہتمام سے نصرت و تائید بخشی۔

مکتوب نمبر ۴۷ جلد سوم میں تحریر فرماتے ہیں جو جہانگیر بادشاہ کے نام ہے:

”وہ امن وامان کہ بندگان بارگاہ واقبال کے باعث خواص وعوام کو شامل حال ہے اس کا شکرادا کرتا ہوں“۔ (حوالہ بالا: ص/۸۷)

ف: سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر جہانگیر بادشاہ کے عدل وانصاف پر کس کی شہادت ہوسکتی ہے۔ (مرتب)

فکرآخرت: ایک مقام پر جہانگیر خود لکھتا ہے کہ ”اللہ کے فضل وکرم سے عادت ایسی ہوگئی ہے کہ رات و دن میں دو تین گھنٹہ سے زیادہ سرمایہ وقت کو سونے میں غارت نہیں کرتا، اس سلسلہ میں دو فائدے مدنظر ہیں، ایک ملک کی حالت سے آگاہی، دوم یادحق میں دل کی بیداری، افسوس یہ چند روزہ عمر غفلت میں گذر جائے جب کہ ایک خواب گراں درپیش ہے، اس بیداری کو جو بعد میں خواب میں بھی نہیں آسکتی غنیمت جان کر ایک لمحہ کے لئے یادحق سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔“ باش بیدارکہ خوابے عجبے درپیش است“۔ (حوالہ بالا: ص؍۸۸، توزک: ص؍۲۳۴)

اس کے دل میں مذہب کا کافی احترام تھا، وہ ہمیشہ اپنے آپ کو نیاز مندان درگاہ الٰہی لکھتا ہے اور تمنا کرتا ہے، امید کہ مدت حیات در مرضیات الٰہی صرف شود، ونفسے بے یاد او نگذرد۔ یعنی کاش کہ مدت حیات مرضیات الٰہیہ میں صرف ہو اور ایک سانس بھی اللہ کی یاد کے بغیر نہ گذرے۔

ف: ظاہر ہے کہ رعیت کی اس قدر خبر گیری، نیز یادحق میں قلب کی اس درجہ بیداری اور اپنے ہر لمحۂ حیات کی قدردانی وہ عالی صفات ہیں جو اچھے اچھے مسلمانوں تک کو نصیب نہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضرت مجدد الف ثانی ؒ کی رفاقت کا فیض تھا کہ جہانگیر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

چنانچہ جہانگیر کو اس کا احساس تھا اور اخیر عمر میں کہا کرتا تھا کہ کوئی کام ایسا نہ کیا کہ نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے کہ ایک روز شیخ احمد سرہندی ؒ نے فرمایا تھا کہ ”اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے“۔

ظاہر ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے بزرگ نے جہانگیر بادشاہ کے متعلق یوں ہی نہ فرمایا ہوگا بلکہ تدین کے آثار ملاحظہ فرمایا ہوگا جبھی جنت میں اپنی رفاقت پر رضامندی کی بشارت سنائی ہوگی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

نیز جہانگیر کی یہ اقبال مندی ہی تھی کہ سرہند میں حضرت مجدد صاحبؒ کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوا، اور کھانا اگرچہ سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا: میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔ (مرتب)

کتب خانہ جہانگیری: جہانگیری دور کا سب سے اہم اور مستند مؤرخ خود جہانگیر ہے، جس کی تزک کی تاریخ اور ادبی اہمیت غیر معمولی ہے، اس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جہانگیر کے پاس ایک شاندار کتب خانہ تھا، جب وہ سفر میں جاتا تو یہ کتب خانہ بھی اس کے ساتھ رہتا تھا اور جن علماء اور مشائخ کی قدردانی کرتا ان کو اپنے کتب خانہ سے کتابیں بھی نذرانے میں پیش کرتا۔

وہ اپنے بارہویں سال جلوس میں احمد آباد گیا تو وہاں کے مشہور بزرگ شیخ اسماعیل بن شیخ محمد غوثؒ سے ملا، ان کو خلعت اور جاگیریں عطا کیں اور اپنے کتب خانۂ خاص سے تفسیر کشاف، تفسیر حسینی اور روضۃ الاحباب وغیرہ جیسی کتابیں نذر کیں، اور مشائخ کی اولادوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایتیں کیں۔

وفات: جہانگیر ۲۸ رصفر ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء میں لاہور میں انتقال فرمایا کل بائیس سال حکومت کی۔ اور لاہور (پاکستان) میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

تاریخ جہاں بانی صدیوں سے بتاتی ہے ۔۔۔ بے جہد نہیں کھلتے اسرار جہاں گیری

(تاریخ ہند: ص ر ۱۶۷)

سراپا علم واخلاق شاہ جہاں بادشاہ ہند المتوفی ۱۰۶۷ھ

نام ونسب: نام خرم لقب ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ، والد کا نام سلیم محمد نورالدین جہانگیر بادشاہ ہے۔

ولادت: شاہجہاں کی ولادت ۱۰۰۰ھ ماہ ربیع الاول میں لاہور میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: شاہجہاں جب ۴ رسال ۴ رماہ ۴ رروز کا ہوا تو خاندانی روایت کے مطابق پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ قاسم بیگ تبریزیؒ، حکیم روائی گیلانیؒ، شیخ ابوالخیرؒ اور علامہ وجیہہ الدین گجراتیؒ تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ ان باکمال اساتذہ کی زیرنگرانی شہزادہ نے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ خطاطی میں اس کو بڑی مہارت تھی۔ بابر، ہمایوں اور جہانگیر کی طرح علمی انہماک اس کو نہ تھا اس لئے ان کی طرح کوئی علمی تصنیف نہیں چھوڑی لیکن پھر بھی اس کی کتاب زندگانی کا کوئی صفحہ علمی دلچسپیوں سے خالی نہیں ہے۔ (تاریخ ہند مؤلفہ مفتی محمد پالنپوری: ص ر ۱۶۷)

شاہجہاں کے اخلاق اور پابندی مذہب: فہم وتدبر، رحم وکرم، عدل وانصاف، آباء پروری، علم دوستی، متانت اور سنجیدگی وغیرہ وغیرہ شاہجہاں کے وہ اوصاف ہیں جن میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس کی تہذیب اور متانت کا یہ حال تھا کہ ناشائستہ کلمات سے اس کی زبان ہمیشہ پاک رہی۔

حلم وبردباری اور حسن اخلاق کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی مجلس میں خطاوار کے متعلق بھی حتی الوسع ایسے کلمات سے احتیاط کرتا جس سے اس کو شرمندگی ہو۔

وہ بہادر تھا، اور بہادری میں اپنے دادا ”بابر“ کی زندہ یادگار تھا، مگر بے نظیر شجاعت کے باوجود حد سے زیادہ رحم دل اور نوعِ انساں کا ہمدرد تھا۔

علاقہ ایران کے اوزبکوں اور قزلباشوں کے مظالم کا تذکرہ اس کے سامنے ہوتا تو اس کا دل بھر آتا اور ہمدردانہ تاثر کے ساتھ کہتا کہ خداوند عالم نے بادشاہوں کو برتری عطا فرما کر نوع انسان کو ان کے سامنے اس لئے مطیع کیا ہے کہ مظالم کو دنیا سے ناپید کر دیں۔ مظلوموں اور بیکسوں کا سہارا بنیں۔

انسانی ہمدردی کا یہی جذبہ تھا جس نے اس کو ہمیشہ بلخ، بخارا اور قندھار وغیرہ کی جنگ میں مصروف رکھا۔

شاہجہاں کہا کرتا تھا کہ شاہی خزانے صرف اس لئے ہیں کہ باشندگان ملک کی ضرورتیں پوری کی جائیں، بادشاہ صرف ان کے امانتدار ہیں۔

اخلاق و اوصاف شاہجہاں کے متعلق تاریخ کی مبسوط تحریروں کے بجائے سلطان عالمگیر کے صرف ایک واقعہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

یہ رقعات عالمگیری کا بارہواں رقعہ ہے جو عالمگیر نے شہزادہ محمد اعظم کے نام لکھا ہے۔

بادشاہ کا نظام الاوقات: اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے، شکار بیکاروں کا کام ہے، انسان اگر امور آخرت میں مشغول نہ ہو تو دنیاوی کاموں کو درست کرنے ہی میں کیا خرابی ہے۔ آخر دنیا کو آخرت کی کھیتی بتایا گیا ہے۔

چار گھڑی رات رہتی تھی کہ خود بدولت بنفس نفیس خوابگاہ سے باہر نکل کر وضو کر کے اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے تھے، اذان صبح کے بعد علماء اور

فضلاء کی جماعت کے ساتھ نماز صبح ادا کر کے جھروکہ درشن میں تشریف لے جاتے تھے، اور درشینوں کو دیدار فیض آثار کی سعادت سے نوازتے۔

جب چار گھڑی دن چڑھ جاتا تھا، (۱) دیوان عام کرتے تھے، اس میں جملہ کارپردازان حکومت، متعلقہ خدمات کو پیش کر کے اپنے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرتے، پھر گھوڑوں اور ہاتھیوں کی معینہ تعداد کو ملاحظہ فرما کر دیوان عام سے دیوان خاص میں تشریف لے جاتے، جہاں بڑے بڑے بخشی نوسرفرازان منصب (جدید ملازموں) کو مکرر درخواست اور بادشاہ کی نظر ثانی کے بعد حکم حاصل کرتے، اور ہر ایک صوبہ کے چیدہ چیدہ واقعات پیش کر کے ہر ایک کے بموجب، احکام اور فرامین صادر کرنے کے لئے شاہی اجازت اور حکم ناطق حاصل کرتے، دوپہر کے قریب تک یہ سلسلہ جاری رہتا، اس کے بعد طعام خاصہ پیش ہوتا، جو تاکید کر کے وجہ حلال سے تیار ہوتا تھا، ذات شاہانہ، تقویت بدن اور عبادت وانصاف پروری کی طاقت حاصل کرنے کے لئے بقدر سدِّ رمق نوش جان فرماتے تھے، اور جملہ وظیفہ خواروں اور راتبہ داروں کے کھانے پینے کی بذات خود خبر لے کر خوابگاہ خاص میں تشریف لے جاتے تھے۔

زیادہ تر وظیفہ خوار اور راتبہ دار علماء، فضلاء، طلبہ علوم، مساکین، اُپاہج، یتیم، بیکس اور بیمار ہوتے تھے، جن میں سے اکثر سے ذات شاہانہ کو بذات خود تعارف ہوتا تھا،

---

(۱) (عہد شاہجہاں میں طے کیا گیا تھا کہ ایک دن چوبیس (۲۴) پہر اور ۶۰ گھڑی کا ہوگا، یعنی ایک پہر مساوی ایک گھنٹہ اور ڈھائی گھڑی مساوی ایک پہر یا ایک گھنٹہ، لہذا چار گھڑی مساوی ڈیڑھ گھنٹہ تقریباً۔) (حاشیہ علماء ہند کا شاندار ماضی: ج/۱ص/۴۴۱)

اور نظر کیمیا اثر ان سے روشناس ہوتی تھی، قلب بیدار کے ساتھ ایک ساعت قیلولہ فرما کر دو پاس اور چار گھڑی دن گذرنے پر خوابگاہ سے باہر تشریف لاکر وضو فرما کر نماز خانہ میں قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے تھے، پھر نماز ظہر ادا کرنے کے بعد برج اسد میں رونق افروز ہوتے، وظیفہ لب پر ہوتا اور تسبیح دست مبارک میں۔

ف: سبحان اللہ! ایک بادشاہ ہند کی کیسی سعادت تھی کہ عبادت و تلاوت تو کرتے ہی تھے ہاتھ میں تسبیح بھی رکھتے تھے جب کہ اس زمانہ میں عموماً لوگ ہاتھ میں تسبیح لینے سے شرماتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے سہل ترین ذریعہ ہے، اور حدیث سے ثابت بھی ہے۔ (مرتب)

اس وقت دیوان اعلیٰ حاضر خدمت ہو کر ملکی اور مالی مہمات کو پیش کر کے اکثر کاغذوں کو دستخط انور سے مشرف کرتے تھے۔ جب چہار گھڑی دن رہتا تو دوبارہ دیوان عام کرتے، اس وقت بخشی اور دیوان تن نوسرفرازانِ منصب اور خواستگاران جاگیر کو ملاحظۂ عالی میں پیش کرتے، آں حضرت ہر ایک شخص کے حسب، نسب، جوہر ذاتی اور واقفیت کار کے متعلق تحقیق فرما کر پورے غور و فکر سے تعیین منصب اور تنخواہ جاگیر کے متعلق حکم فرماتے۔

شام کو دیوان عام سے اٹھ کر نماز مغرب ادا کر کے خلوت کدۂ خاص میں تشریف لے جاتے، وہاں مؤرِّ خانِ شیریں زبان، قصہ خواناں فصیح بیان، قوالان خوش الحان اور سیاحان ائمۂ جہاں حاضر ہوتے، پردہ کے اندر خواتین ہوتیں اور باہر مرد ہوتے، طبع اشرف واعلیٰ کی رغبت کے موافق گذشتہ بزرگوں اور بادشاہوں

کے حالات اور زمانہ کے عجائب و غرائب بیان کرتے، مختصر یہ کہ آنحضرت نصف شب تک تمام اوقات کو تقسیم کر کے زندگی اور فرمان دہی کا حق ادا کرتے تھے۔

سلطان عالمگیرؒ اس مفصل مکتوب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

چونکہ آں فرزند کے حق میں شفقت پدری قلبی ہے، مصنوعی نہیں، لہٰذا جو چیز اچھی ہو اور آں فرزند ارجمند کے لئے زیبا ہو اس کے تحریر کرنے اور اطلاع دینے میں ہم بے اختیار ہیں، اس وقت جو یاد آیا، زبان قلم کے حوالہ کر دیا۔ معاف دارند۔

یہ مکتوب اگرچہ نظام الاوقات ہے، مگر امور مملکت میں سرگرمی، احکام مذہبی کی پابندی، اکل حلال کی طرف کامل توجہ وغیرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے، مؤرخین نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ ہمیشہ باوضو رہتے، اور اگر جواہر جیسی چیزوں کو ہاتھ لگاتے تو وضو کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے انسان کو ولی اللہ کہا جائے تو بالکل بجا ہے۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ص ر ۴۴۳)

ف: ظاہر ہے کہ یہ مکتوب صرف جہانگیرؒ کے فرزندوں ہی کے لئے مفید نہیں ہے بلکہ ہم سب کے لئے نصیحت آموز ہے۔ دنیوی و دینی ہر کام کو انجام دینے کے لئے بھی ایسے ہی حسب مصلحت نظام بالا کے مطابق کام کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندویؒ سے میں نے سنا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نظام الاوقات ہی کی وجہ سے بہت کام کیا جس کو مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

اِصلاحات: (۱) شاہجہاں نے ۸ ر جمادی الثانیہ ۱۰۳۷ھ کو تاج شاہی سر پر

رکھا۔ اس نے اپنے جلوس کے پہلے سال ہی میں سجدہ کی ممانعت کر دی، زمین بوسی کا طریقہ رائج کیا، پھر ۱۰۴۶ھ میں اس کو بھی منسوخ کر دیا کہ اس میں بھی انسان کے سامنے سجدہ کی مشابہت ہے، درشن کا دستور جو اکبر کا ایجاد کردہ تھا، بحالہ باقی رہا۔

(۲) شیعوں کے رسوخ کے باعث صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کے ذکر خیر پر جو اثر پڑ سکتا تھا محتاج بیان نہیں، دکن کے شیعہ فرمانرواؤں کے قلمرو میں آئے دن خطبہ میں خلفائے راشدین کے ذکر پر پابندیاں عائد ہوتی رہتی تھیں۔

شاہجہاں نے ان ریاستوں سے صلح کی پہلی شرط یہی رکھی کہ شتم صحابہ نہ کیا جائے، مدح صحابہ پر پابندی عائد نہ کی جائے۔

(۳) شاہجہاں نے سکہ کے ایک رخ پر بیچ میں کلمہ طیبہ اور حاشیہ پر اسماء خلفائے راشدین اور دوسرے رُخ ''ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قراں ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی'' کندہ کرایا تھا۔

(۴) ۱۰۴۳ھ میں جب کہ سیر کے لئے کشمیر گیا تھا تو معلوم ہوا کہ مسلمان احکام و تعلیمات اسلام سے ناواقف ہیں، ہندوؤں میں بیاہ شادیاں ہوتی ہیں، ہندو لڑکی کو مرنے کے بعد مسلمان زمین میں گاڑتے ہیں اور مسلمان لڑکوں کو ہندو جلاتے ہیں، شاہجہاں نے حکم دیا کہ جو مسلمان لڑکی ہندو کے گھر میں ہو، اگر اس کا شوہر مسلمان ہو جائے تو از سرِ نو نکاح کرایا جائے، ورنہ مسلمان لڑکی کو علیحدہ کر لیا جائے، اس کے بعد قاضی اور معلم مقرر کر دیئے، اور ان کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کر دیا۔

جب گجرات (پنجاب) کے اطراف میں پہونچا تو وہاں کے مشائخ اور سادات نے استغاثہ دائر کیا کہ کچھ ہندوؤں نے مسلمان عورتوں کو اپنے گھروں

میں ڈال رکھا ہے، اور کچھ مسجدیں اپنے تصرّف میں کرلی ہیں، بادشاہ نے شیخ محمود گجراتی کو حکم دیا کہ تحقیقات کے بعد مسلمان عورتوں کو ہندوؤں کے تصرف سے نکالیں اور مسجدوں کو دوبارہ آزاد کریں، اس طرح سات مسجدیں اور بہت سی عورتیں ہندوؤں کے قبضہ سے برآمد ہوئیں۔

نیز اس سلسلہ میں چارسو مرد اپنی مسلمان بیویوں کی خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جن کا دوبارہ نکاح انہیں عورتوں سے ہوگیا۔

(۵) اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں نجومیوں پر بہت زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا، تمام بڑے بڑے کاموں کے لئے اوقات سعید کی تشخیص نجومی کرتے تھے، اس کے بعد وہ کام شروع کیا جاتا تھا، شاہجہاں کے زمانہ میں اگرچہ اس رسم کو ختم تو نہیں کیا گیا، مگر اس پر اعتماد کو ضرور ختم کردیا گیا، اور اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا کہ کَذَبَ المنجّمُونَ وربِّ الکعبہ۔ (ربِّ کعبہ کی قسم، سارے نجومیوں نے جھوٹ کہا۔)

شاہ جہاں وقت برآمدن بر تخت ایں رُباعی خواندہ اشک ریختہ بر می نشست یعنی شاہجہاں تخت پر آنے سے پہلے یہ رُباعی پڑھ کر روتا تھا، اس کے بعد تخت پر بیٹھتا تھا ۔

فاختہ بر سرِ سرو بلند نعرہ بر آورد کہ اے ہوشمند
دولتِ گیتی کہ تمنّا کند باکہ وفا کرد کہ با ما کند

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ص ر ۲۴۷)

(یعنی فاختہ بلند سرو پر بیٹھ کر یوں نعرہ زن ہوئی کہ اے ہوشمند! اس دولتِ دنیا کی کون تمنّا کرے جب کہ اس نے کسی کے ساتھ بھی وفا نہ کیا تو ہمارے

ساتھ بھلا کیسے وفا کا معاملہ کرے گی۔مرتب)

یہ تھا شاہجہاں بادشاہ جس کو ہم نے چشتیت اور نقشبندیت مجددیت کا درمیانی واسطہ قرار دیا ہے۔رحمہ اللہ تعالیٰ وغفرلہ۔

ف: غور فرمایئے کہ یہ مذکورہ اخلاق واحوال کس قدر اعلیٰ وارفع ہیں، وہ بھی ایک ذمہ دارِ ملک اور صاحبِ سلطنت کے اندر، جبکہ یہ صفات ذمہ دارانِ دین وملت کے اندر بھی نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

طاعت پر مواظبت، طہارت پر مداومت، آخرت کا استحضار، دولتِ دنیا کے زوال کا ایقان اور اس کی بے وفائی کا اذعان، حتّٰی کہ جواہرات وغیرہ جو دنیا کی عمدہ ترین نعمتیں ہیں ان کی خساست بلکہ نجاست کا اس قدر مراقبہ کہ اس کے چھونے سے وضو کی تجدید، یہ معمولی صفات حسنہ نہیں ہیں۔

نیز رعیت کی ہمدردی وغمخواری، ستم رسیدہ لوگوں کی دادرسی، مظلوموں کی فریاد رسی، علماء ومشائخ کی قدر دانی وخاطر داری یہ وہ خصال محمودہ ہیں کہ ان سے متصف بادشاہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان سات خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے سائے میں جگہ پانے کی بشارت دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اس دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جب کہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔(۱) ایک عدل وانصاف کرنے والا بادشاہ۔(۲) دوسرا وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں جوان اور پروان چڑھا۔(۳) تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد سے معلق رہے جب کہ وہ اس سے باہر نکلے یہاں تک کہ واپس مسجد میں آجائے، (۴) اور

چوتھے وہ دو آدمی جو صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں، اسی محبت پر ایک دوسرے سے ملیں، اور اسی پر ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ (۵) پانچواں وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ (۶) چھٹا وہ شخص جسے حسن و جمال والی عورت نے بلایا مگر اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) ساتواں وہ شخص جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہوا کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لہٰذا کتنے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کو اللہ رب العزت نے دین و دنیا دونوں کی دولت سے نوازا، یقیناً ایسے ہی وہ مبارک اشخاص ہیں جن سے عالَم کی اصلاح ہے، دین کی رونق ہے، اسلام کی شوکت ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ دعا ہے کہ آج بھی اللہ تعالیٰ ایسے ہی بادشاہوں کو معرضِ وجود میں لائے جو ملک و ملت کی اصلاح کے باعث ہوں۔ آمین۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز (مرتب)

تعمیری یادگاریں: شاہجہاں کی نادرۂ روزگار کا تعمیری یادگاریں اس کے ذوق کی نفاست اور لطافت کی بین دلیل ہیں، اس کی تمام تکوینی قوتیں فنون لطیفہ کی اسی شاخ پر صرف ہوئیں، اگر ہم بابر کی ذہنی نقش آرائیاں اس کی تزک بابری میں، ہمایوں کی تخیل آرائیاں اس کی شاعری میں، اکبر کی علمی فیاضیاں اس کے دربار کی ہنر پرور فضا میں اور جہانگیر کی رنگینیاں اس کی تزک میں پاتے ہیں تو شاہ جہاں کے ذہن کی پرکائیاں اس کے تخت طاؤس، قلعۂ معلّٰی (لال قلعہ) اور تاج محل کے نقش و نگار سے عیاں ہیں، اس لئے یہ امر موجب تعجب نہیں، اگر اس نے اپنے باپ یا اپنے لڑکوں دارا اور اورنگ زیب کی طرح کوئی علمی یادگار نہیں

چھوڑی تو اس کے دماغ کی گل افشانی کاغذ کے صفحات کے بجائے دیوان خاص اور دیوان عام کی دیواروں پر ہوئی، اس کا حسن ذوق علم وادب کے بجائے جامع مسجد دہلی کی تعمیری ندرت ونفاست میں ظاہر ہوا، اس نے محبت کا ترانہ شعر وشاعری میں نہیں بلکہ تاج محل میں منظوم کیا۔ (بزم تیموریہ: ج ۲ ص ۱۳۹)

اکبر اور جہانگیر نے شعراء کی سرپرستی میں جو شاہانہ فیاضیاں کیں، ان کے غلغلہ سے ہندوستان اور ایران گونج رہے تھے، ایران سے شعراء ہندوستان اڑے چلے آرہے تھے اور بقول مولانا شبلیؒ ایران اور ہندوستان ایک مکان کے دو صحن بن گئے تھے، چنانچہ شاہجہاں کے دربار میں بھی شعراء کی تعداد بکثرت رہی، وہ اپنی فیاضی اور قدر دانی میں اکبر اور جہانگیر دونوں سے بازی لے گیا، اس نے شعرا وفضلاء کے ساتھ جود وداد ودہش اور انعام واکرام کا ثبوت دیا ہے اس کی زریں مثال شاید ہی کسی حکمران خاندان میں پائی جائے گی۔

(بزم تیموریہ: ج ۲ ص ۱۴۶)

شاہجہاں کے زمانہ میں ہندوستان کو کافی ترقی ہوئی، ملک کی آمدنی میں صرف مال گزاری ساڑھے سینتیس کروڑ تک پہنچ گئی، قسم قسم کی عمارتیں تیار ہوئیں، دکن میں مغلوں کا قدم پہلے ہی جم چکا تھا، اب ۱۶۳۱ء میں دولت آباد اور احمد نگر کے علاقے پورے طور پر قبضے میں آگئے، چار برس بعد خود شاہجہاں دکن گیا اور بیجاپور کی ریاست نے بھی ماتحتی قبول کر لی۔

جہانگیر کے زمانے میں قندھار پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا تھا، ۱۶۳۷ء میں شاہجہاں کے قبضے میں آگیا۔ اس کے بعد شاہی فوجوں نے بلخ وبدخشاں پر

بھی قبضہ کرنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوسکی۔

وفات: شاہجہاں ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۵۶ء میں بیمار ہوا، تخت وتاج کا وارث اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ کو بنانا چاہتا تھا، مگر زیادہ لائق اورنگ زیب ہی تھا، نیز داراشکوہ کی مذہبی حالت مشتبہ ہوگئی تھی، اس لئے اورنگ زیب بھی یہ نہ چاہتا تھا کہ وہ حکومت پر قابض ہو اور ملک کی حالت مذہب کے اعتبار سے ابتر ہو، لہٰذا اورنگ زیب نے حکومت اپنے قبضہ میں کر لی، جس کی وجہ سے شاہجہاں کی ناراضگی بڑھ گئی، اورنگ زیب نے مصلحتاً آگرہ کے قلعہ میں شاہجہاں کو نظر بند کردیا اور وہیں وفات پائی، تقریباً انتیس سال حکومت کی۔

کھنڈر سہی اے دوست عظمت کے نشان ہیں
پوشیدہ اسی خاک میں شاہانِ جہاں ہیں
ماضی کی یہ تعبیر ہے اور حال کی عبرت
تمہید قیامت کے یہ درخشندہ نشان ہیں

(تاریخ ہند مؤلفہ مفتی محمد پالنپوری گجراتی: ص/۱۷۰)

سراپا زہد و ورع حافظ قرآن
سلطان اورنگ زیب عالمگیر ؒ المتوفی سنہ ۱۱۱۸ھ

نام ونسب: نام اورنگ زیب، لقب ابو المظفر محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی، اورخواجہ محمد معصوم ؒ ''شہزادہ دین پناہ'' اور خواجہ سیف الدین ؒ ''بادشاہ دین پناہ'' لکھا کرتے تھے۔ انتقال کے بعد آپ کا لقب ''خلد مکاں'' مقرر ہوا۔ آپ شاہجہاں بادشاہ کے تیسر 45ے صاحبزادے ہیں۔

ولادت: ارجمند بانو ممتاز محل کے بطن سے ۱۵/ ذوقعدہ سنہ ۱۰۲۸ھ شب یکشنبہ میں بمقام دوحد گجرات پیدا ہوئے، ''آفتاب عالم تاب'' تاریخ پیدائش ہے۔

تعلیم وتربیت: اورنگ زیب کی تعلیم لائق اور قابل اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی۔ مثلاً مولانا عبداللطیف سلطانپوری ؒ، مولانا ہاشم گیلانی ؒ، علامہ سعداللہ ؒ، مولانا سید محمد قنوجی ؒ، ملا محی الدین اُف موہن بہاری ؒ، ملا شیخ احمد معروف بہ ملا جیون ؒ، شیخ عبدالقوی دانش مندخاں ؒ وغیرہ ان علماء اعلام کے مختصر حالات بزم تیموریہ جلد سوم میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

اورنگ زیب کو علوم دینیہ سے فطری رغبت تھی، لائق اور فاضل اساتذہ کی نگرانی میں ان علوم سے شغف اور بھی زیادہ بڑھا۔ آپ کو امام غزالی ؒ کی تصنیفات اور شیخ یحییٰ منیری ؒ کی منظومات اور شیخ زین الدین ؒ وقطب الدین محی الدین شیرازی ؒ کے رسائل سے خاص شوق تھا، اور یہ کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتی تھیں۔

آپ کو فن خطاطی میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا خاص طور سے خط نسخ اور خط نستعلیق میں۔ آپ اس فن کے ذریعہ سعادت دین کے ساتھ کسب معاش دنیا بھی کیا کرتے تھے۔فقہ،تفسیر اور حدیث جیسے اہم علوم میں بھی مہارت تھی۔

حفظ قرآن: اورنگ زیب ان سب کے ساتھ حافظ قرآن بھی تھے۔تعجب کی بات یہ ہے کہ انھوں نے کلام پاک اس وقت حفظ کیا جب کہ ان کی عمر تینتالیس سال تھی،اور یہ دولت صرف ایک سال کے اندر حاصل کیا۔ سنہ ۱۰۷۱ھ میں حفظ کرنا شروع کیا اور سنہ ۱۰۷۲ھ میں ختم کیا۔ سنقرئک فلاتنسیٰ سے ابتداء کی اور ”لوح محفوظ“ سے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے۔اورنگ زیب کے ایک درباری شاعر نے اس موقع پر یہ شعر کہا ۔

تو حامئ شرع وحامئ تو شارع   تو حافظ قرآن وخدا حافظ تو

(بزم تیموریہ:ص ر ۷ ج ر ۳)

روحانی تربیت: شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، سنہ ۱۰۴۷ھ میں جب وہ بیس سال کے نوجوان تھے،حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادہ وجانشین حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرلیا تھا۔ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت خواجہ سیف الدین کو عالم گیر کے تزکیۂ نفس اور اصلاح حال کے لئے بھیجا،جنھوں نے وہاں مستقل قیام کرکے اورنگ زیب کی پوری تربیت کی اور اپنے والد بزرگوار کو اس سے مطلع کرتے رہے۔دونوں کی مراسلت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوچکے تھے،خواجہ محمد معصومؒ اورنگ زیب کو”شہزادۂ دین پناہ“

کے لقب سے یاد فرماتے تھے تو خواجہ سیف الدین ''بادشاہ دین پناہ'' لکھا کرتے تھے۔ یہ ان اہل اللہ کی فراست ایمانی تھی جس نے دیکھ لیا تھا کہ عالم گیر مستقبل قریب میں ہندوستان کے بادشاہ ہوں گے اور ان کے دامن میں دین کو پناہ ملے گی اور یہ ہندوستان میں اسلام کی بقا کا ذریعہ بنیں گے، بس اسی لئے اسی انداز سے انھوں نے عالم گیر کی تربیت کی جس کی مستقبل کے لئے ضرورت تھی۔

سلوک میں اورنگ زیب کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ امام غزالیؒ کی کتابوں سے انھیں خاص شغف تھا۔ انھوں نے بڑے ذوق وشوق سے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا مطالعہ کیا تھا۔

خصوصیات: اب ان کی کچھ خصوصیات مآثر عالمگیری اور نزہۃ الخواطر جلد ششم سے بطور خلاصہ یہاں لکھی جاتی ہے:

حضرت خُلد مکاں (عالمگیرؒ) مذہبی معاملات کے بیحد پابند تھے، حنفی المذہب سنی تھے، اسلامی فرائض خمسہ کی پابندی اور ان کے اجراء میں بیحد کوشاں رہتے تھے، ہمیشہ باوضو رہتے، اور کلمۂ طیبہ و دیگر وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے تھے، نماز اول وقت، مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے، جمعہ کی نماز مسجد کبیر میں عام آدمیوں کے ساتھ پڑھتے تھے، زکوٰۃ شرعی کی ادائیگی کا خاص اہتمام تھا، رمضان کا مقدس مہینہ ادائے صوم اور پابندیٔ تراویح وغیرہ میں بسر ہوتا تھا، ہر ماہ ایام بیض (۱۳/۱۴/۱۵/تاریخ) کے روزوں کے بیحد پابند تھے، ہر ہفتے پیر، جمعرات اور جمعہ کا روزہ بھی رکھتے تھے، رمضان کے اخیر عشرے میں مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے، حج بیت اللہ کے بیحد مشتاق تھے مگر امور مملکت میں مشغولیت کی بناء پر موقع نہ

مل سکا، ہر سال اور کبھی ہر دوسرے تیسرے سال حرمین شریفین کے نُایب زائرین ومجاورین کے لئے رقم کثیر ارسال کرتے تھے، اور حجاج کا ایک گروہ بادشاہ کی نیابت میں طواف، حج اور سلام رسانی میں ہمیشہ مصروف رہتا تھا، مزامیر سے سخت پرہیز تھا، غیر مشروع لباس زیب تن نہیں فرمایا، چاندی سونے کے برتنوں سے اجتناب تھا، مجلس میں کبھی غیبت نہیں ہوتی تھی، جھروکے میں درشن کی رسم موقوف کردی، ہر روز دو یا تین مرتبہ منظر عام پر تشریف لاتے تھے، دادخواہ بغیر کسی روک ٹوک کے حاضر خدمت ہو سکتے تھے، بیحد کشادہ پیشانی سے دادخواہوں کی تمام شکایات سنتے، اور بیحد شفقت کے ساتھ تسلی فرماتے، بادشاہ رعیت نواز نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا جو رفاہ عام کے خلاف ہو، زنان بازاری اور فواحش ومنکرات کے شیدائی دارالحکومت سے خارج کردیئے گئے تھے، اور تمام ممالک محروسہ میں شرعی واخلاقی احکام جاری کئے گئے تھے، احتساب کا محکمہ قائم تھا، عاملان احتساب مجرمین سے باز پرس کرتے تھے، نُاباء اور مساکین کی راحت رسانی کے لئے دارالحکومت میں، نیز دیگر علاقوں کے بہت سے شہروں میں خیرات خانے قائم کئے، کثیر تعداد میں شفاخانے تعمیر کرائے، مسافروں کے لئے سرائیں تعمیر کرائیں، ایک سڑک اورنگ آباد سے اکبرآباد (آگرہ) تک دوسری لاہور سے کابل تک، تیسری لاہور سے کشمیر تک بنوائی۔

مطالعہ کا شوق: امام نُاالیؒ وغیرہ صوفیاء کی کتابیں زیر مطالعہ رہتی تھی، دولاکھ روپیئے کے صرفہ سے فتاویٰ عالمگیری کو مرتب کرایا، علماء کے لئے وظائف مقرر کئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ درس وافادہ میں مشغول رہیں، مشائخ کے لئے بھی رقم مقرر کی، تاکہ وہ عبادت الٰہی میں دلجمعی کے ساتھ مشغول رہیں، وظائف میں وہ مسلم

وغیر مسلم کا فرق نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عالمگیرؒ کے وہ فرامین آج تک بنارس اور دیگر شہروں میں موجود ہیں جن سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔

خط نسخ، نستعلیق اور خط شکستہ میں خاص مہارت حاصل تھی، اپنے ہاتھ سے قرآن شریف لکھتے تھے، ایک قرآن جو بادشاہ بننے سے پہلے لکھا تھا، اس کو مکہ معظمہ بھجوایا اور دوسرا قرآن جو بعد جلوس لکھا تھا سات ہزار کی جلد بندھوا کر مدینہ منورہ کو بھیجا۔

فن انشاء میں بھی خاص مہارت تھی، رقعات عالمگیری ان کی انشاء نگاری کا بہترین نمونہ ہے، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، ایک شعر یہ ہے ؎

غمِ عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگِ بیاباں را

مطلب یہ ہے کہ دنیا کے غم تو بیشمار ہیں، میں ان سب کو اپنے نازک اور تنگ دل میں کیسے سما سکتا ہوں۔ (ماخوذ از: مآثر عالمگیری ونزہۃ الخواطر)

اورنگ زیب کی تخت نشینی: اورنگ زیب ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ بروز جمعہ تخت نشین ہوئے، سلطنت مغلیہ کے رسم ورواج کے برخلاف نہایت سادگی سے تخت نشینی عمل میں آئی۔ "اطیعو اللہ واطیعو االرسول واولی الامر منکم" سے تاریخ جلوس نکلتی ہے۔ ایک سال کے بعد جب دارا کو عالمگیر نے شکست دے کر فتحیاب ہو کر دہلی آئے تو امراء نے جلوس ثانی فرما کر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اورنگ زیبؒ نے جلوس ثانی کی تاریخ ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ مقرر کی اور تخت طاؤس پر جلوہ افروز ہوئے۔ تخت طاؤس کے متعلق کہا جاتا ہے جو اس وقت دس کروڑ کی لاگت سے تیار کرایا گیا تھا جو اس وقت تہران میں شاہ ایران کے محل میں موجود ہے۔ (گلستان خلد آباد: ص ر ۳۰۷)

شاہجہاں کا دارا کے ساتھ برتاؤ: دارا شکوہ شاہ جہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا اور متواتر تین لڑکیوں کے بعد بڑی تمناؤں اور دعاؤں سے پیدا ہوا تھا اس لئے شاہ جہاں کو اس سے سب سے زیادہ پیار تھا۔ لہٰذا اس بے جا محبت وحمایت نے دارا کو انتہائی خودسر، خود رائے، خود پسند اور خود بیں بنا دیا تھا، ڈاکٹر برنیر، دارا شکوہ کا گہرا دوست تھا اور اس نے سخت مصیبت کی حالت میں دارا شکوہ کا ساتھ دیا تھا، اورنگ زیب اور دارا کی جنگ کے ایام میں وہ دارا کے لشکر میں بحیثیت طبیب کام کرتا تھا۔ دوسرے مؤرخین کا بیان جانب داری پر محمول کیا جاسکتا ہے، اس لئے ہم ڈاکٹر برنیر ہی کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں، جس سے دارا کی شخصیت کے خدوخال پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ وہ دارا شکوہ کی ذاتی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

دارا بڑا ہی خود پسند تھا: مگر بایں ہمہ وہ بڑا ہی خود پسند اور خود رائے تھا، اور اس کو یہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست اور انتظام کرسکتا ہوں، اور کوئی بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح ومشورہ دے سکے۔ وہ ان لوگوں سے جو اس کو ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر بیٹھتے تھے تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا۔ چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اس کے دلی خیر خواہ بھی اس کے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی بندشوں سے اسے آگاہ نہ کرسکے۔ وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا یہاں تک کہ بڑے بڑے امراء کو برا بھلا کہہ بیٹھتا اور ان کی ہتک کر ڈالتا تھا۔

ایک دوسرا انگریز مؤرخ لین پول لکھتا ہے:

وہ کمزور اور غیر مستقل مزاج آدمی تھا۔ بادشاہ سے زیادہ اچھا شاعر یا فلسفی بن سکتا تھا۔

اور منوکی کے مطابق: وہ اپنی خودسری کی وجہ سے کسی کو بخشتا نہ تھا۔کسی نے اس کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالا تو وہ سرِ دربار اس کو ذلیل ورسوا کردیتا تھا۔ بڑے بڑے امراء اس کی تندخوئی اور بدمزاجی سے نالاں تھے، بہ ایں ہمہ اسے یہ خوش فہمی تھی کہ ہر شخص اس کا احترام کرتا ہے۔

ف: اس زمانے میں بھی ایسے بدخلق لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنے کو نہایت زیرک وہوشیار سمجھتے ہیں مگر حال بالکل اس کے برعکس ہے۔انھیں حالات کی بناء پر عالمگیر نے اصلاح سے ناامیدی کی بناء پر دارا کے قتل کو علاج سمجھا۔واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

شاہجہاں کو خود اس کا علم تھا اور وہ وقتاً فوقتاً داراشکوہ کو تنہائی میں سمجھاتا بھی رہتا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ دارا پر اس کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ امراء کو برابر ناخوش کرتا رہتا ہے، اور اس کے مقابلے میں سب کے تعلقات اورنگ زیب سے اچھے ہیں تو اس نے بجائے اس کے کہ دارا کو سمجھاتا، اورنگ زیب ہی کو سمجھانا شروع کیا کہ تم شہزادہ ہو کر ہر شخص سے جو مساویانہ طریقے سے ملتے ہو، یہ غلط ہے۔اورنگ زیب کو اس کے جواب میں قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کر کے اپنے موقف کو درست قرار دینا پڑا تھا۔

الغرض حضرت اورنگ زیب سے شاہ جہاں کی بدظنی بڑھتی ہی جارہی تھی۔مگر اس کے باوجود عالم گیر معذرت والا رویہ ہی اختیار کرتا رہا، اور حقوق پدری کو پوری طرح ملحوظ رکھتا تھا۔

جیسا کہ مولانا سید نجیب اشرف ندوی نے لکھا ہے:۔

اورنگ زیب نے باپ کے احترام کو جس حد تک قائم رکھا اور جس درجے

تک اس نے شاہ جہاں کے مقابل براہ راست اپنے کو پیش کرنے سے گریز کیا، اس کی مثال مغل تاریخ کے صفحات میں نہیں مل سکتی۔ یہ خود شاہ جہاں تھا جو باپ کے خلاف علانیہ برسر جنگ ہو گیا تھا۔ یہ جہاں گیر تھا جس نے اپنے باپ کے مقابلے میں اعلانِ جنگ کر دیا تھا، لیکن اورنگ زیب نے ایک لمحے کے لئے بھی یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ اس کی یہ جنگ باپ کے خلاف ہے، یا وہ شاہ جہاں سے لڑنے کے لئے کھڑا ہوا ہے، اس نے جب کبھی اس کے متعلق کسی کو کچھ لکھا، تو اس میں صرف یہ ظاہر کیا کہ اس کا مقابلہ دارا سے تھا، اس کی جنگ دارا سے ہوئی، اور اگر اس کی عداوت تھی تو دارا سے تھی...... اورنگ زیب نے شاہ جہاں کی کامل آزادی میں صرف اسی حد تک تحدید کر دی تھی کہ مجھ کو کسی صورت سے نقصان نہ پہنچا سکے، اور بس؛ نہ تو اس کے روزانہ کے مشاغل میں کوئی مداخلت کی گئی تھی اور نہ اس کے ذاتی توشہ خانوں کو ہاتھ لگایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب نے اس بات کا بھی حکم دیا تھا کہ شاہ جہاں جو چیز جس وقت طلب کرے اس کے سامنے حاضر کی جائے، اور جن لوگوں کے وظائف مقرر ہیں، وہ علیٰ حالہ باقی رہیں، چنانچہ جہاں آرا کا بھی آخر وقت تک وہی اثر و اقتدار اور عزت و احترام باقی رکھا گیا۔

برنیر نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔

اگرچہ اورنگ زیبؒ نے شاہ جہاں کو قلعۂ آگرہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ قید کیا ہوا تھا، اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں کی جاتی تھی جس سے اس کے نکل بھاگنے کا اندیشہ ہو، لیکن اور سب طرح پر ادب اور ملائمت سے سلوک کیا جاتا تھا، اور ان شاہی محلوں میں رہنے سہنے کی بھی اجازت دی گئی تھی کہ جن میں وہ پہلے

رہا کرتا تھا، اور اس کی بیٹی معروف بیگم صاحبہ (جہاں آرا) سے بھی ملنے کی اجازت تھی، اور باورچی خانہ اور محل کی کل متعلقہ عورتیں سب حاضر رہتی تھیں، اور ایسے معاملات میں اس کی کوئی خواہش رد نہیں کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ باز وغیرہ شکاری جانوروں کے منگالینے اور ہرنوں اور مینڈھوں وغیرہ کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کی بھی اجازت تھی۔ الغرض یہ کہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہ جہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا، اور حتی الامکان اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطرداری کرتا تھا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا تھا، اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اس کی رائے اور مشورے کو مثل ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا، اور اس کے عریضوں سے جو اکثر لکھتا رہتا تھا، ادب اور فرماں برداری ظاہر ہوتی تھی۔ پس اس طرح سے شاہ جہاں کا غصہ آخرکار یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملاتِ سلطنت میں بیٹے کو لکھنے لگ گیا، اور دارا شکوہ کی بیٹی کو اس کے پاس بھیج دیا، اور وہ بیش بہا جواہرات جن کے دینے سے پہلے انکار کرکے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر پھر مانگو گے تو کوٹ کر چورا کر ڈالوں گا، مگر دوں گا نہیں، ان میں سے بھی بعض جواہرات اورنگ زیب کے پاس ازخود بھیج دیئے، بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کرکے اس کے حق میں دعائے خیر بھی کر دی۔

کیا اب بھی باپ کے ساتھ سلوک کے تعلق سے اورنگ زیب پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے؟ (اورنگ زیب عالمگیر مؤلفہ فیصل احمد ندوی: ص ر ۶۲)

سکھوں سے متعلق ایک الزام کا ازالہ

اسی طرح اورنگ زیب پر سکھوں کے گرو "تیغ بہادر" کے قتل کا الزام عائد کیا

جاتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی سیاست پر مبنی ہے جیسا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے تاریخ دعوت و عزیمت میں نقل فرمایا ہے۔

۱۶۶۴ء میں اورنگ زیب کے زمانہ میں ہرگووند کے بیٹے تیغ بہادر گرو منتخب ہوئے۔ انھوں نے مفروروں اور قانون شکنوں کو پناہ دی، ان کا اقتدار ملک کی ترقی میں حائل ہوا، شاہی دستوں نے ان پر چڑھائی کی اور انھیں قید کر کے دہلی لائے جہاں انہیں اورنگ زیبؒ کے حکم سے ۱۶۷۵ء میں سزائے موت دی گئی۔

اسی کتاب کے حاشیہ پر یہ بھی درج ہے کہ گرو تیغ بہادر کے قتل کی بھی تنہا اورنگ زیب پر ذمہ داری نہیں اس میں ان کے مخالفوں کا ہاتھ ہے (بحوالہ نہنگ سنگ سندیس/۲۵ دسمبر ۱۹۵۱ء)

جیسا کہ اس سے قبل گرو ارجن کو بادشاہ جہانگیر نے قتل کرایا تھا اس کی بھی حقیقت یہ ہے کہ چندو لال نے ذاتی مخالفت کی بناء پر قتل کرایا تھا جو جہانگیر کے یہاں رسوخ رکھتا تھا۔ بحوالہ تاریخ ہندوستان، ج/۹ ص/ ۵۲۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت: ج/ ۵ ص/ ۲۸۳۔ ۲۸۲۔

علماء ہند کا شاندار ماضی“ سے چند اہم باتیں

(۱) عام طور سے یہی کہا جاتا ہے اور یہی مشہور کیا جاتا ہے کہ شاہجہاں کو اورنگ زیب عالمگیرؒ نے معزول کر کے قلعہ آگرہ میں محبوس کر دیا، لیکن اس حقیقت کو صرف رقعات یا فارسی کی نایاب تاریخوں کے مطالعہ کرنے والے ہی جانتے ہیں کہ معزول کرنے والا عالمگیر نہیں تھا بلکہ خود اس کا بڑا بھائی دارا تھا۔ (ج ۱/ ص ۴۹۹)

(۲) اعتراض کیا جاتا ہے کہ بالکل ممکن تھا کہ دارا کو کسی محفوظ مقام میں نظر

بند رکھا جاتا اور عالمگیر اس کے خون سے ہاتھ رنگین نہ کرتا۔

جواب یہ ہے کہ تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیان سلطنت قید و بند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے، اس کے ساتھ ان کے طرفداروں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے اور اس وقت تک نچلا نہیں بیٹھتا جب تک کہ نخل آرزو کے تمام رگ و ریشے نہ کٹ جائیں۔ (حوالہ بالا: ص/ ۵۱۰)

(۳) آج دارا کے مذہب کے بارے میں بحث کی جاتی ہے، اس کو صوفی وصافی مرشد باصفا گردانا جاتا ہے، مگر تینوں بھائی اس کو ملحد اور اس کی اولاد کو ملحد زادہ کہتے ہیں، حتیٰ کہ دارا کی اسی بد دینی نے ایک دوسری وجہ ان تینوں بھائیوں کی مخالفت اور اتحاد کی پیدا کر دی ہے، مراد جیسا آزاد منش شہزادہ بھی لکھتا ہے ''چوں نیت امداد و اعانت دین محمدی ست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ یقین می دانیم کہ فتح و نصرت غیبی جنود الٰہی باماست''۔ (ص/ ۵۰۱) یعنی جب ہماری نیت دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد و اعانت ہے تو ہم کو یقین ہے کہ غیبی مدد و نصرت الٰہی ہمارے ساتھ ہوگی۔

(۴) افسوس کہ عالمگیر کا بڑا جرم یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ مذہبی بادشاہ تھا، اور اس کے تمام اعمال و افعال پر مذہبیت غالب تھی مگر غور طلب یہ امر ہے کہ اس کی مذہبیت نے کس قسم کے جذبات پیدا کئے اور ان کے عملی نتائج کیا تھے؟

ہمارا یقین ہے اور یہی حق ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جس کی پابندی ہی عدل وانصاف، رعایا پروری اور رحم گستری کے بے لوث جذبات انسان میں پیدا کر دیتی ہے، عالمگیر کے کارنامے اس کی مثال ہیں۔

(۵) مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ وہ سلطنت کے بے پناہ مشاغل کے

باوجود اپنی خوراک خود اپنے ہاتھ کی محنت سے بہم پہنچاتا تھا،ٹوپیوں کی اجرت ہی سے تجہیز وتکفین کی وصیت کی تھی۔

(۶) دربار کے تمام ساز وسامان کو ختم کردیا تھا، چاندی کے بجائے چینی کی دوات کا حکم دیا، زربفت (ریشم) وغیرہ کے خلعت موقوف کردئیے، دربار میں خلاف ادب تھا کہ کوئی کسی کو سلام کرے اس لئے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تھے، سنہ ۸۰ ۱ھ میں عالمگیر نے حکم دیا کہ لوگ حسب سنت السلام علیکم کہا کریں۔(ص ر ۵۵۳)

(۷) پابندیٔ نماز کا اندازہ اس کے ایام شباب کے اس واقعے سے ہوتا ہے کہ عبدالعزیز والیٔ بلخ کے مقابلہ پر جنگ کرتے ہوئے نماز ظہر کا وقت آگیا تو فوراً جماعت شروع کردی، حریف کی جانب سے گولوں اور گولیوں کی بارش ہوتی رہی، مگر اس نے اطمینان سے نماز ادا کی، رفقاء کار نے اس خطرناک وقت میں ادائے نماز سے کچھ پس وپیش کیا تو خود امام بنا، یہ اللہ کا فضل تھا کہ کسی سپاہی کو بھی کوئی گزند نہ پہنچا، اور عبدالعزیز کی یہ صداقت پسندی تھی کہ اس نے کہہ دیا کہ ’’باچنیں درافتادن برافتادن ست‘‘ کہ ایسے شخص سے لڑنا تباہ ہونا ہے۔

(۸) سلطان عالمگیرؒ نماز تہجد میں مشغول ہیں، یکا یک لشکر میں شور ہو رہا ہے، سلطان کے پاس پہرہ دار اور ملازمین آکر اطلاع دیتے ہیں کہ جسونت سنگھ اپنے چودہ ہزار فوج کے ساتھ سلطانی لشکروں کو پریشان کرتا ہوا شجاع کے پاس جارہا ہے، سلطان یہ خبر سنتا ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے کہ ’’اگر رفت رفتہ باشد‘‘ جب اپنے وظائف اور معمولات سے فارغ ہوجاتا ہے تو میر جملہ کو طلب کرکے فرماتا ہے ’’یہ بھی اللہ کا فضل واحسان ہے اگر یہ منافق عین معرکۂ جنگ میں یہ حرکت

کرتا تو تدارک مشکل تھا۔

مگر اس کے باوجود اورنگ زیبؒ نے مہاراجہ جسونت سنگھ سے اس غداری پر کسی قسم کی باز پرس نہ کی، اور اس کے متعلق کسی کو لکھا تو صرف اتنا کہ یہ فعل راجپوتوں کی شان کے مخالف تھا۔ (ص ر ۵۵۴)

ف: حضرت عالمگیرؒ جیسے ماہر نفسیات اور تجربہ کار بادشاہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ راجپوتوں کی خاص صفت و شان مروت و وفاداری ہے نہ کہ خیانت و غداری، اور حلقۂ اسلام میں داخلہ کے بعد تو ان صفات حسنہ میں مزید ترقی و جلا رونما ہونی چاہئے کیونکہ مذہب اسلام ان باتوں کا تو خاص طور سے معلم و داعی ہے۔

لہٰذا مسلم راجپوتوں کو اس کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہئے اور اس حدیث پاک کا ان کو عملی ثبوت دینا چاہئے، اور اخلاق حسنہ کا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ کانیں ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، ان میں جو جاہلیت میں نیک تھے اسلام میں بھی وہ نیک ہوں گے جب کہ وہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں فقاہت حاصل کریں۔ (مرتب)

علمی کارنامہ: عہد عالمگیری کا سب سے اہم علمی کارنامہ ''فتاویٰ عالمگیری'' کی تصنیف ہے، حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ نے فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا ہے جس میں عہد عالمگیری میں اس فتاویٰ کے ترتیب دینے کے اسباب اور اس موضوع پر کام کرنے والے علماء کرام کے

حالات وغیرہ تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی کے مقدمہ سے کچھ اقتباس نقل کرتا ہوں۔

بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب کا عہد حکومت اسلامی احکام کے نفاذ کے اعتبار سے تمام مغل حکمرانوں کے مقابلہ میں ایک مثالی عہد حکومت مانا جاتا ہے، اس وقت ملک کی مسلم اکثریت حنفی تھی اس لئے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہ حنفی کے مطابق اس ملک کا نظام چلایا جائے، اس مقصد کے لئے ضرورت تھی کہ ایک جامع فقہ حنفی کتاب کی۔ اسی غرض سے انھوں نے ہر علاقہ سے چیدہ چیدہ علماء کو جمع کیا اور علماء کی صدارت کی خاطر شیخ نظام الدین برہانپوری ؒ کو مقرر کیا۔ بادشاہ خود رات کو مسودات پڑھوا کر سنتا اور حسب ضرورت مشورہ بھی دیتا۔ دو لاکھ روپئے علماء کے وظائف پر صرف کئے۔ تقریباً سات آٹھ سال کی مدت میں یہ کام مکمل ہوا۔ اس کام کے انجام دہی پر تقریباً پچاس علماء شریک ہوئے۔ اور کتب خانہ شاہی سے تقریباً ایک سو تیس کتابیں حوالے کے لئے لی گئیں۔ چونکہ یہ کام بادشاہ عالمگیر نے انجام دلوایا اس لئے اس کا نام فتاویٰ عالمگیری رکھا گیا۔ (اور اب فتاویٰ ہندیہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے) (فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین: ص ر ۵)

مدارس و مکاتب: عالمگیر کو چونکہ علم و ہنر سے شغف تھا، اس کا اقتضاء یہ تھا کہ وہ اپنی سلطنت میں ہر ممکن صورت سے اس کی ترویج کرے، چنانچہ اس نے تمام شہروں اور قصبوں میں مدارس و مکاتب قائم کئے، لائق اساتذہ مقرر کئے اور طلبہ کو وظائف دیئے۔

گجرات میں جو مدارس قائم ہوئے اور وہاں کے طلبہ کو جو سہولتیں پہنچائی گئیں اس کا حال "مرآۃ احمدی" میں اس طرح درج ہے۔ "دیوان صوبہ کے نام حکم صادر ہوا، چونکہ ممالک محروسہ کے تمام صوبوں میں یہ مقدس اور بلند فرمان نافذ ہو چکا ہے کہ ہر

صوبہ میں مدرسین مقرر کئے جائیں، میزان سے لے کر کشاف تک کے طالب علموں کو صدر صوبہ کے استصواب رائے سے اور مدرسوں کی تصدیق کو دیکھ کر اس صوبے کے خزانچی کی تحویل سے وجہ معاش دی جائے، اس لئے اس وقت احمد آباد، پٹن اور سورت میں تین مدرسین کا اور صوبہ احمد آباد میں ۴۵ / طالبان علم کا اضافہ کیا گیا، گجرات کے بوہروں کے لئے بھی اساتذہ مقرر کئے گئے تاکہ ان کی صحیح تعلیم ہو، ان کے ماہانہ امتحان کے نتائج براہ راست اس کے پاس بھیجے جاتے تھے۔ (بزم تیموریہ: ج / ۳ ص / ۸۵)

اورنگ زیبؒ کا پرحکمت ارشاد: کیا مجھ جیسے شخص کے استاد کو لازم نہ تھا کہ وہ دنیا کی ہر ایک قوم کے حالات سے مطلع کرتا۔ مثلاً ان کی جنگی قوت سے، ان کے وسائل آمدنی اور طرز جنگ سے، ان کے رسم و رواج اور طرز حکمرانی سے اور خاص امور سے جن کو وہ اپنے حق میں زیادہ مفید سمجھتے ہیں۔ تفصیل کے ساتھ علیحدہ علیحدہ مجھ کو بتاتا اور علم تاریخ مجھ کو ایسا سلسلہ وار پڑھاتا کہ میں ہر ایک سلطنت کی جڑ، بنیاد اور اسباب ترقی و تنزلی اور ان حادثات و واقعات اور غلطیوں سے واقف ہو جاتا جن کے باعث ان میں بڑے بڑے انقلابات ظہور میں آئے ہیں۔ (تاریخی مقالات مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی: ص / ۲۰۰)

اب ہم ''اورنگ زیب عالمگیر کے حالات اور واقعات کے آئینہ میں'' مؤلفہ شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ صاحبؒ (۱) سے بعض اہم معلومات فراہم کر رہے ہیں امید ہے کہ قارئین کرام ان کو پڑھ کر مسرور ہوں گے۔ (مرتب)

---

(۱) مولوی ذکاء اللہ خان ۱۸۳۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حافظ ثناء اللہ نہایت دیندار اور پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ مولوی ذکاء اللہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بارہ برس کی عمر میں دہلی کالج میں داخل ہوئے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ اسی کالج میں معلم ریاضی مقرر ہوئے۔۔ باقی صفحہ آئندہ

اولاد کی تعلیم: بادشاہ عالمگیر اپنی اولاد کو قواعد وآداب سپاہ گری وعلم صید وشکار وکمانداری وتفنگ واسپ تازی اورعلوم دینی و دنیوی میں تعلیم کرتا اور حرم سرا میں تو لڑکیوں کو بھی اکتساب عقائد حقہ دینیہ واحکام ضروریہ وتحصیل خط وسواد کی تعلیم کرتا تھا۔

عدالت وانصاف ورحم: بادشاہ نے یہ منصفانہ حکم جاری کیا کہ اگر بادشاہ نے کوئی شرعی حق تلفی کی ہو تو اس پر عدالت میں گوشمالی کی جائے اور اس لئے اس نے سارے ممالک کی کل عدالتوں میں وکیل شرعی مقرر کئے کہ وہ عدالت میں مقدمہ دائر کرکے شریعت کے موافق اس کی تحقیقات کرائیں۔ اُباء کو ایسی دسترس نہیں ہوتی کہ وہ بادشاہ تک پہنچ کر اپنی حق رسی کی دادفریاد کریں اس لئے یہ وکیل شرعی مقرر کئے کہ ان کی معرفت یہ مقدمات ہوا کریں۔ یہ اسی بادشاہ کی عدالت تھی کہ اس نے یہ جائز رکھا کہ بادشاہ پر نالش ہوا کرے۔ خلائق کی دادرسی اور رعایا اور زیردستوں کے حال کی تفتیش کے لئے، ہر روز بلا ناغہ دیوان عدالت میں اپنے اوقات کو صرف کرتا۔ میر عدل اور داروغہ عدالت متعین کئے ہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں و دادخواہوں کو اپنے ساتھ لائیں۔ اوران کے مطالب ومقاصد کو ظل والا میں پہنچائیں۔ اور ایک معتمد کو متعین

حاشیہ ما بقی۔۔ اس کے بعد آپ آگرہ کالج میں معلم اردو ہوئے۔ اس کے بعد آپ ۱۸۵۵ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہو کر اضلاع بلند شہر و مراد آباد میں رہے۔ اور گیارہ سال اس عہدہ پر عمدگی سے کام کرتے رہے۔

۱۸۶۹ء میں آپ میور کالج الہ آباد کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ جہاں پندرہ سال تک ایم اے تک کے کلاسوں کو عربی وفارسی پڑھاتے رہے۔ آخر ۳۶؍سال کی سرکاری ملازمت کے بعد آپ نے پنشن لی اور ۲۴؍سال تک آپ بفراغت تمام تصنیف وتالیف میں منہمک رہے۔ آخر ۱۹۱۰ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ (تاریخ زبان وادب اردو مؤلفہ صغیر احمد خان ص؍۲۴۰)

کیا ہے کہ متصدیان عدالت جن ضعیفوں کے عرض مدعا اور انجاح (کامیاب بنانا) مطالب میں بسبب اغراض نفسانی کے تاخیر کریں تو مستغیث اس معتمد کی طرف رجوع کر کے اپنی حقیقت حال کی عرائض اس کو دیں تاکہ وہ ان عرائض (درخواستوں) کو نظر شاہی کے روبرو لائے۔ بادشاہ ان عرائض کو خلوت میں پڑھتا اور عرائض کے حاشیوں پر مستغیثوں کے مطالب کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھتا۔

ف: یقیناً عالمگیرؒ جیسے حکیم ومدبر کا لوگوں کی عریضوں کے حواشی پر جواب لکھنا آسان بھی ہوتا ہے اور عرضی داروں پر ہر بات کے جوابات کو اپنے عریضہ پر لکھے جانے پر تسلی واطمینان کا سبب ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا یہی طریقہ تھا جس سے سالکین راہ کو اپنے حال وعلاج کے سمجھنے میں آسانی ہوتی تھی۔ (مرتب)

عالمگیر کا بے مثال عدل وانصاف: بادشاہ دادرسی ایسی کشادہ پیشانی ونرم خوئی سے کرتا کہ ہر روز دو تین دفعہ استادہ ہو کر دادطلبوں کو بلاتا۔ وہ بے ممانعت بارگاہ معدلت میں جوق درجوق آتے اور بادشاہ کی غایت توجہ سے بغیر کسی خوف وہراس وہیبت ودہشت کے اپنی عرض بیان کرتے اور اپنا انصاف پاتے۔ اگر وہ اپنے بیان کو بہت بڑھاتے اور خارجی باتیں بہت بناتے اور مبالغہ کرتے تو بادشاہ اصلا چیں بہ جبیں نہیں ہوتا۔ بارہا باریافتوں نے حضور سے عرض کیا کہ ایسے مستغیثوں کو جسارت کا موقع نہیں دینا چاہئے تو فرمایا کہ ایسے کلمات کے سننے سے اور ایسے امور کی امثال واقع ہونے سے ہمارے نفس کو تحمل کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ (ص ر ۴۶۴)

عالمگیر ہمت واستقلال کا پیکر: بادشاہ فنون رزم آزمائی وسپہ آرائی ومراتب

لشکر کشی و جہاں کشی میں مہارت رکھتا تھا۔ حسن توکل واستقلال ایسا تھا کہ اپنے اعوان وانصار کی قلت اور دشمنوں کی کثرت پر خیال نہ کرتا۔ اللہ کی عنایت کے بھروسہ پر اعتماد کرتا خواہ دشمنوں کا کیسا ہی ہجوم ہو وہ میدان رزم اُسہ کارزار سے منہ پھیرنا نہیں جانتا تھا۔ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ اس کے لشکر کی جمعیت پراگندہ ہوگئی اور تھوڑے آدمی اس کے پاس رہ گئے۔ اور دشمنوں کی افواج جمعیت وشوکت سے ہنگامہ آرائے کارزار ہوئی مگر اس بادشاہ خصم افگن و دشمن شکن نے استقامت و پائیداری ایسی اختیار کی کہ کوہ کی طرح سیلاب لشکر انبوہ سے اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ حسن صبر وثبات وکمال ہمت سے پرچم غلبہ واستیلاء کو بلند کیا اور مظفر ومنصور ہوا۔ (ص ر ۴۶۷)

اولاد کی تعلیم کے باب میں عالمگیر کے خیالات: عالمگیر اپنے تیسرے بیٹے اکبر کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا اس کے واسطے اتالیق (مربی ومؤدب) مقرر کرنے کے لئے اپنے اراکین سلطنت اور علماء کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنی بڑی آرزو یہ ظاہر کی کہ میں اس نوعمر لڑکے کی تعلیم وتربیت ایسی چاہتا ہوں کہ وہ بڑا لائق وفائق ہو۔ بادشاہ سے زیادہ کوئی اس امر کو نہیں جانتا تھا کہ یہ امر ضروری ہے کہ شہزادوں کے دلوں میں مفید علوم کے وہ خزانے ہوں جس سے وہ قوموں پر حکمرانی اور فرمانروائی کے قابل ہوں۔

(اورنگ زیب عالمگیر ص ۴۸۰)

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے چند واقعات

دلی تقاضہ کے مطابق یہ حقیر حضرت عالمگیرؒ کے بعض سنے ہوئے واقعات نقل کرتا ہے، جو انشاء اللہ موجب عبرت ونصیحت ہوں گے۔

(۱) حضرت عالمگیرؒ کی خدمت میں ایک بہروپیہ کسی خاص شکل وروپ

میں حاضر ہوا اور انعام کا طالب ہوا مگر حضرت اورنگ زیبؒ نے یہ کہہ کر اس کو رد فرما دیا کہ بیت المال سے اس قسم کے مد میں عطیہ کو روا نہیں سمجھتا، مگر وہ بہروپیہ بہت ہی اپنے فن میں ماہر تھا اس لئے وہ کامل صوفیوں اور درویشوں کی شکل وصورت اور شباہت میں حضرت عالمگیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اورنگ زیبؒ ان کا معتقد ہوا اور ایک بڑی رقم بطور ہدیہ اس کو پیش کیا، مگر اس نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ آپ نے مجھ کو دنیادار سمجھا ہے میں آپ کے اس عطیہ کو قبول نہیں کرتا اور دربار سے چلا گیا۔ اس کے بعد اپنی اصلی شکل میں عالمگیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی آداب بجالایا، تو اورنگ زیبؒ نے پوچھا بتاؤ تم کون ہو؟ کہا کہ میں وہی بہروپیہ ہوں جو کل صوفیاء کے لباس میں آیا تھا اس کے بعد اورنگ زیبؒ نے اپنے جیب خاص سے چند روپئے دینے کا حکم دیا اور اس نے قبول بھی کر لیا۔

اس کے بعد اورنگ زیبؒ نے اس سے دریافت کیا کہ اتنی معمولی رقم تو تم نے قبول کر لیا مگر وہ رقم جو صوفیاء کی شباہت میں آئے تھے اور میں نے دیا تھا اس کو کیوں قبول نہیں کیا؟ تو اس نے بہت ہی بصیرت افروز اور نصیحت آموز جواب دیا کہ حضرت! میں نے جماعت صوفیاء کی شباہت اختیار کی تھی اگر میں وہ عطیہ قبول کر لیتا تو صوفیاء کے طریق کے خلاف ہونے کی وجہ سے شباہت ناقص رہتی۔

اس واقعہ کو سن کر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ اس بہروپیہ کو جتنا صوفیاء کے طریق سے آگاہی تھی مگر افسوس کہ آج ہم لوگ اس سے عاری ہیں۔ فیا ویلاہ

(۲) واقعہ ہے کہ حضرت عالمگیرؒ کا ایک خادم محمد قلی نام کا تھا، انھوں نے

ایک دن آواز دیا کہ اے قلی! تو وہ وضو کا سامان لے کر پہونچا اور وضو کروایا، وضو کے بعد کسی نے خادم سے پوچھا کہ بادشاہ نے تم کو پکارا تھا وضو کے لئے نہیں کہا تھا تو تم نے کیسے سمجھا کہ وضو کے لئے پکار رہے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ میرا نام محمد قلی ہے، ہمیشہ محمد قلی کے نام سے ہی پکارتے ہیں آج جب انھوں نے صرف قلی سے پکارا تو میں سمجھ گیا کہ وضو نہیں ہے اس لئے میں وضو کا سامان لے کر پہونچ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اورنگ زیبؒ اللہ کا نام تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی بغیر وضو کے نہیں لیتے تھے۔ اس سے خادم کی بھی بصیرت و سمجھداری کا اندازہ ہوا۔

(۳) حضرت اورنگ زیبؒ اپنے ایک صاجزادہ کو جو حافظ قرآن ہو گئے تھے اپنے والد شاجہاں کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ والد محترم! میرا لڑکا حافظ قرآن ہو گیا ہے۔ تو فرمایا کہ مجھ کو اس سے کیا فائدہ؟ تم حافظ قرآن لڑکے کے باپ ہو اس لئے تم کو بیش قیمت چمکدار تاج ملے گا میں تو دادا ہوں اس لئے مجھ کو کیا ملے گا؟ اورنگ زیبؒ کو یہ بات دل پر لگی۔ چنانچہ حضرت اورنگ زیبؒ نے تینتالیس سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کیا اور کچھ دنوں کے بعد حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ والد محترم میں بھی حافظ قرآن ہو گیا ہوں۔

اس سے دین کے ساتھ شغف اور والد محترم کی اطاعت کا بیحد جذبہ معلوم ہوتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ سب واقعات حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات وارشادات میں مذکور ہیں۔

(۴) زیب النساء بنت عالمگیرؒ کی فصاحت و بلاغت کا واقعہ

تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گل سرسبد زیب النساء بیگم ہیں اور یہ

اورنگ زیبؒ کی پہلی اولاد ہیں۔ دستور کے مطابق سب سے پہلے ان کو قرآن پاک پڑھایا گیا، جب زیب النساء نے قرآن پاک حفظ کیا تو عالمگیرؒ نے زیب النساء کو تیس ہزار اشرفیاں انعام کے طور پر مرحمت فرمائیں، زیب النساء نے عربی وفارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اس کے ساتھ ساتھ شعروشاعری میں بھی اعلیٰ مقام رکھتی تھیں۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ ان کا ایک واقعہ سناتے تھے وہ یہ کہ:

ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بے ساختہ ایک مصرع موزوں ہوگیا

ع در ابلق کسے کم دیدہ موجود

اس پر بادشاہ نے دوسرا مصرع لگانا چاہا مگر نہ بن سکا تو اس نے دوسرے شعراء کو حکم دیا کہ اس پر مصرع لگاؤ۔ سب حیرت میں رہ گئے۔ کیونکہ کوئی معنی خیز مضمون ہوتو اس کو پورا کیا جائے، اس میں کوئی معنویت نہیں کہ چتکبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ بعض شعراء ایران نے کہا کہ یہ مصرع بے تکا ہے۔ اس پر کوئی کیا مصرع لگا سکتا ہے۔ شاہ ایران کو یہ جواب ناگوار ہوا کہ ہمارے مصرع کی ان لوگوں نے بے قدری کی، تو اس نے ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا کہ وہاں کے شعراء سے اس پر دوسرا مصرع لگانے کی فرمائش کی جائے۔ ایران کے شعراء اس سے عاجز ہوگئے ہیں۔ عالمگیرؒ نے شعراء کو اس کی اطلاع کی۔ یہاں بھی سب کے سب حیران رہ گئے کہ اس بے تکے مضمون کو کون پورا کرے۔ عالمگیرؒ کی لڑکی زیب النساء بھی شاعرہ تھی اس کو جو اس مصرع کی خبر پہنچی تو وہ بھی سوچ میں پڑگئی کہ اس کو کس طرح پورا کیا جائے۔ اتفاقاً ایک دن صبح کو شہزادی سرمہ لگا رہی تھی وہ کسی قدر تیز لگا اور آنکھ سے ایک قطرہ آنسو ٹپکا جس میں سرمہ کی کچھ سیاہی تھی اور کچھ سفیدی۔ اور آنسو کو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں تو فوراً اس کا ذہن شاہ ایران

کے مصرع کی طرف گیا اور اس پر دوسرا مصرع لگا کر اس طرح شعر پورا کر دیا۔

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتانِ سرمہ آلود

یعنی کسی نے چتکبرا موتی کم دیکھا ہوگا بجز سرمہ آلود معشوقوں کے آنسو کے۔

شہزادی نے فوراً عالمگیرؒ کو اطلاع کی، عالمگیرؒ بہت خوش ہوئے کہ جس مصرع کی تکمیل سے شعرائے ایران عاجز ہو گئے تھے خوشی کی بات ہے کہ میری لڑکی نے اس کو پورا کر دیا اور ایسا پورا کیا کہ پہلا مصرع بھی جو بے معنی تھا بامعنی ہو گیا۔ عالمگیرؒ نے شاہ ایران کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی، وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا کیونکہ اسے تو اپنے مصرع کے ناتمام رہ جانے سے رنج تھا خصوصاً جب کہ شعراء نے اس کو بے معنی قرار دے کر ٹھکرا دیا تھا۔ اب اس نے تمام شعراء ایران کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے ہمارے مصرع کو بے معنی کہہ کر واپس کر دیا تھا تو ہندوستان کے ایک شا ئنے اس کو پورا کر دیا۔ پھر اس نے پورا شعر سنایا کہ

در ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتانِ سرمہ آلود

شعراء سب کے سب محو حیرت ہو گئے کہ واقعی شا ئنے کمال کیا۔ اب سب نے درخواست کی کہ ہم اس شا ئکی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ ایران نے حضرت عالمگیرؒ کے پاس شکریہ کا خط لکھا اور یہ بھی لکھا کہ شا مٔو ایران بھیج دیا جائے، یہاں سب اس کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ عالمگیرؒ وہ خط اور انعام لے کر زیب النساء کے پاس آ کر ناگواری سے کہا کہ لو یہ بادشاہ کا خط ہے وہ تم کو بلا رہے ہیں۔ اب بتلاؤ میں بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ شاہزادی نے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ میری طرف سے ان کو جواب میں یہ لکھ کر بھیج دیجئے۔

بلبل از گل بگزرد گر در چمن بیند مرا بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

یعنی بلبل اگر مجھ کو دیکھ لیتی تو پھولوں کو چھوڑ دیتی اور اگر برہمن مجھ کو دیکھ لیتا تو پھر بت پرستی کیوں کرتا۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اس طرح مخفی ہوں جیسے پھول کی خوشبو اس کی پتیوں میں پنہاں ہوتی ہے۔ جو شخص میرے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو وہ میرے کلام میں مجھ کو دیکھے۔

زیب النساء کا تخلص بھی مخفی تھا اور اس شعر میں اس لفظ سے اپنے پردہ نشین ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

عالمگیرؒ نے یہی شعر لکھ کر بھیج دیا جس سے شاہ ایران کو معلوم ہو گیا کہ شا ئپردہ نشین عورت ہے اس لئے آنے سے معذور رہے۔ (ماخوذ از تالیفات مصلح الامتؒ: جلد سوم ص/ ۳۲۴)

حضرت عالمگیرؒ کا مرض وفات میں بھی غایت ورع وتقوی اللہ

حضرت عالمگیرؒ کے حالات مفصل لکھ چکا تھا کہ محب مکرم حافظ صغیر عالم صاحب زید مجدہ نے مکرم مفتی فاروق صاحب میرٹھی کی تصنیف ''فکر آخرت'' عطا فرمایا جس سے اورنگ زیب عالمگیرؒ کے خوف آخرت کا واقعہ نقل کر رہا ہوں۔

سنہ ۱۱۱۸ھ کے اختتام میں صرف دو ماہ باقی تھے کہ بادشاہ کی طبیعت بہت زیادہ ناساز ہو گئی۔ احکام شریعت کی پابندی کچھ اس طرح طبیعت میں رچ گئی تھی کہ شدت مرض اور کمال نقاہت کے باوجود آخر تک پنج وقتہ نمازیں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے رہے۔ مرض خوفناک صورت اختیار کرنے لگا تو مخلص وفادار حمید الدین خان نے درخواست کی کہ ایک ہاتھی اور بیش قیمت دانہ الماس کے صدقہ کی اجازت دی جائے، درخواست پر بقلم خاص تحریر ہوا۔

ہاتھی صدقہ کرنا ہندوؤں اور ستاروں کی پوجا کرنے والے لوگوں کا طریقہ ہے، قاضی القضاۃ کے پاس چار ہزار روپئے بھیج دو تاکہ وہ مستحقوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

اس ہی پر یہ بھی تحریر فرمایا ''اس عاجز کو منزل مقصود پر پہنچا کر خاک کے سپرد کر دیں صندوق نہ بنائیں۔''

ایک مفصل وصیت نامہ تیار کیا۔ تجہیز و تکفین کے متعلق ایک مختصر وصیت یہ تھی ''چار روپیہ دو آنے جو ٹوپیوں کی سلائی سے حاصل ہوئے تھے، یہ بیگم محل دار کے پاس ہیں، ان میں تجہیز و تکفین ہو، تین سو پانچ روپیہ کتابت قرآن کی اجرت کے ''صرف خاص'' کی مد میں محفوظ ہیں، وفات کے روز مساکین میں تقسیم ہوں، چونکہ فرقہ شیعہ کے نزدیک کتابت قرآن کی اجرت حرام ہے لہٰذا اس کو تجہیز و تکفین میں صرف نہ کریں۔ (فکر آخرت: ص/۲۷۲)

وفات: آخر شب جمعہ ۲۸/ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ ۳/مارچ ۱۷۰۷ء کو پچاس برس ۲۸/دن سلطنت کر کے ۹۱/سال ۱۴/روز کی عمر میں نماز فجر پڑھ کر کلمہ پڑھتے پڑھتے اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ مادہ تاریخ وفات ''داخل الجنۃ'' ہے۔ شہر احمد نگر میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق نعش کو خلد آباد اورنگ آباد مہاراشٹر منتقل کیا گیا اور درگاہ حضرت سید زین العابدین شیرازیؒ میں دفن کیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (گلستان خلد آباد: ص/۳۱۳)

الحمدللہ آپ کی مزار اقدس پر متعدد بار حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ (مرتب)

الحمدللہ! جلد پنجم مکمل ہوئی۔ جلد ششم میں انشاء اللہ بارہویں صدی ہجری کے بزرگوں کے تذکرے درج کیئے جائیں گے۔ محمد قمر الزمان الہ آبادی

۳۰/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۴/نومبر ۲۰۱۴ء

مصادر و مراجع اقوال سلف حصہ پنجم

قرآن پاک	کلام اللہ تعالیٰ
تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ	حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہی
دعوت و عزیمت چہارم	حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندویؒ
الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند	حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ
اعیان الحجاج	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
الخطبۃ الشوقیہ	حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ
علماء ہند کا شاندار ماضی	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ
زبدۃ المقامات	حضرت حافظ محمد حسن مرادآبادیؒ
انوار العارفین	حضرت مولانا صوفی عابد میاں صاحب ڈابھیلیؒ
مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ	حضرت مولانا نسیم احمد امروہیؒ
بخاری شریف	حضرت امیر المومنین محمد بن اسماعیل البخاریؒ
مسلم شریف	حضرت مسلم بن الحجاج قشیریؒ
ترمذی شریف	حضرت ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
طبرانی	حضرت ابوالقاسم سلیمان ابن احمد طبرانیؒ
ابوداؤد	حضرت ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ
ابن ماجہ	حضرت ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینیؒ
نسبت صوفیہ	حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ
ابن ابی الدنیا	حضرت شیخ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی الدنیاؒ

کتاب	مصنف
نزہۃ الخواطر	حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب لکھنویؒ
گیارہویں صدی کے علماء برصغیر ترجمہ نزہۃ الخواطر للکھنویؒ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب قاسمی کراچی
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی	پروفیسر خلیق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ علیگڑھ
اخبار الاخیار	حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
اہل دل کی دلآویز باتیں	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
فوائد الصحبۃ	حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ
تذکرۃ المحدثین سوم	حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحیؒ
رسالہ ہفت احکام	حضرت مولانا شاہ محب اللہ صاحب الہ آبادیؒ
اسئلہ واجوبہ	حضرت مولانا شاہ محب اللہ صاحب الہ آبادیؒ
طرق الخواص (قلمی)	حضرت مولانا شاہ محب اللہ صاحب الہ آبادیؒ
بزم صوفیہ	حضرت مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن صاحبؒ
کتاب الاذکار	حضرت علامہ محی الدین نوویؒ
رسالہ معارف اعظمگڈھ	دار المصنفین اعظمگڈھ
تاریخ اولیاء کرام برہان پور	مکرم بشیر محمد خاں وکیل برہان پور
تقصار جیود الاحرار	حضرت مولانا نواب صدیق حسن خاں بھوپالؒ
شخصیات افغانستان کی روح پرور یادیں	حضرت مولانا عبدالمالک صاحب کراچی
الحصن الاعظم شرح الحزب الاعظم للقاری	ڈاکٹر ظفر نیاز صاحب لاہور
مرقات المفاتیح	حضرت العلامہ ملا علی قاریؒ
تالیفات مصلح الامت	حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ
مشکوٰۃ شریف	حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ

محبوب التواریخ (تذکرہ اولیاء دکن)	حضرت سید یوسف محمد الحسینی المعروف شاہ راجو قتالؒ
گلزار ابرار ترجمہ اذکار ابرار	حضرت علامہ محمد غوثی شطاریؒ مانڈوی
تاریخ مشائخ چشت	حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ
حضرات القدس	حضرت شیخ بدرالدین سرہندیؒ
تذکرہ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	ئزیزم مولوی محبوب احمد قمر الزمان ندوی سلمہ
مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	حضرت مولانا محمد حسن صاحب بجنوریؒ
مشائخ احمد آباد	حضرت مولانا محمد یوسف متالا مہتمم دارالعلوم بری انگلینڈ
ظفر المحصلین	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہیؒ
فتاویٰ عالمگیری اوراس کے مولفین	حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ
یادایام	حضرت مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنویؒ
تاریخ صوفیاء گجرات	حضرت ڈاکٹر ظہور الحسن شارب (ایم،اے)
تجلیات ربانی	حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہیؒ
تذکرہ شاہ طیب بنارسی	ئزیزم مولوی محمد ارشد اعظمی سلمہ بنارس
تذکرہ علماء بنارس	حضرت مولانا نسیم احمد قاسمی بنارس
سوانح حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی	ڈاکٹر فرید احمد برہانپوری کی بہن حسینہ بیگم
تذکرہ اولیاء کشمیر	حضرت غلام محمد نور محمد تاجران کتب شری نگر
شخصیات قصبہ کوڑہ جہان آباد فتحپور	حضرت مولانا محمد عبدالسمیع صاحب ندوی
تاریخ شیراز ہند جونپور	حضرت سید اقبال احمد جون پوری
تذکرہ علماء بہار	حضرت مولانا ابوالکلام قاسمی شمسیؒ
دیار پورب کے علم وعلماء	حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ
مقالات حبیب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ

تذکرہ اولیاء برصغیر (ہندو پاک)	حضرت مرزا محمد اختر دہلویؒ
بحر زخار	حضرت وجیہہ الدین اشرفؒ
حدائق الحنفیہ	حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ
مقدمہ اردو ترجمہ درمختار للحصکفی	حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند
تذکرہ اکابر گنگوہ	مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی سلمہ
تذکرہ سید شاہ علم اللہ صاحبؒ	حضرت مولانا سید محمد الحسنی لکھنؤ
تفسیر روح المعانی	حضرت ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسیؒ
بزم تیموریہ	حضرت مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحبؒ
تاریخ ہند	حضرت مولانا مفتی محمد پالنپوری
گلستان خلد آباد (اورنگ آباد)	حضرت الحاج محمد عبدالحی صاحب خلد آباد
اورنگ زیب عالمگیر	حضرت مولانا فیصل احمد صاحب ندوی
تاریخی مقالات	پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ علیگڈھ
تاریخ زبان و ادب اردو	مکرم صغیر احمد خاں صاحب
اورنگ زیب عالمگیر	حضرت شمس العلماء مولانا ذکاء اللہ صاحبؒ
فکر آخرت	حضرت مولانا محمد فاروق صاحب میرٹھی

ارشاداتِ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ

ہم اخیر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے چند ارشادات بطور برکت نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (محمد قمر الزمان)

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے دوستی، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی وعداوت تک پہنچا دیتی ہے۔

سب سے بڑی نیکی احیائے اسلام، خصوصًا اس دور میں جب شعائر اسلام کو مٹایا جا رہا ہو۔

نفسانی خواہشات کے ازالہ کے لئے احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کو بجا لانا ہزار سالہ ریاضت ومجاہدہ سے بہتر ہے، جو اپنی طرف سے کئے جائیں۔

مستحب پر عمل کو معمولی نہ جانیں، مستحب بھی اللہ کا پسندیدہ عمل ہے، اگر اللہ کا پسندیدہ عمل کرنے کا موقع مل جائے تو اسے غنیمت جانیں۔

جو شخص متروک العمل سنتوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرے اسے سو شہیدوں کا ثواب، اس کے ثواب کا کیا حال ہوگا جو کسی فرض یا واجب کو زندہ کرے۔ (ماخوذ از مکتوبات)

مناجات

(بوقت خاتمۂ کتاب)

اللهم احرق عوارض قلبی بنار عشقک وتزدد شوقی الی جمالک ومحبتک ونور قلبی بنور معرفتک واقطع حجابا من بینی وبینک یاذاالجلال والاکرام۔

یا اللہ! میرے دل کے عارضات کو اپنے عشق کی آگ سے جلا ڈال اور اپنے پاک جمال اور محبت کے شوق کو بڑھا ڈال۔ میرے دل کو اپنی معرفت کے نور سے روشن کر۔ اور میرے اور آپ کے درمیان جو ایک قسم کا پردہ ہے اسے پھاڑ ڈال، اے عظمت و بزرگی کے مالک۔

توقع ز اخوان اہل صفا بجز ادعیہ نیست دیگر مرا
ہر آنکس کہ خواند دعائے کند بیامرز داورا خدائے جزا

ترجمہ: برادران اہل صفا سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں گے اور جو شخص اس کتاب کو پڑھے، اللہ تعالیٰ اسے بخش دے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین

محمد قمر الزمان الہ آبادی

مدرسہ ابیہ بیت المعارف الہ آباد

۳۰/ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

۲۴/ نومبر ۲۰۱۴ء

آتش عشق نے جلا ڈالا

زندگی ہم نے مر کے پائی ہے

محمد احمد

”فیل تصدق برآوردن طریقہ اہل ہنود واختر پرستان است، چہار ہزار روپیہ نزد قاضی القضاۃ بفرستید کہ بمستحق رساند“(

ایں خاکسار رازود بمنزل رسانیدہ بخاک سپارند بتربیت تابوت نہ پردازند

تاثرات

مکتوب گرامی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب قدس سرہ

مشفق و مکرم زیدت مکارمکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

اقوال سلف حصہ دوم نے پہونچ کر شرف بخشا، جستہ جستہ مطالعہ کیا بہت ہی عجیب انتخاب فرمایا گیا ہے، پھیلی ہوئی زندگی اور وسیع مکالمات میں سے اصلاح وتربیت کے لئے اقتباس کرنا بڑی محنت اور ہمت کی بات ہے، حق تعالی نے اس کو آپ کے لئے آسان فرمایا، یہ اس کا فضل ہے۔

بعض جگہ پڑھنے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دکھتی رگ پر آپریشن ہے ،جس چیز کو لوگ کینسر سمجھ کرلاعلاج قرار دیتے ہیں یہاں اس کا بھی علاج موجود ہے۔

جن اکابر کے اقوال نقل کئے ہیں اگر ان کے نام کے ساتھ ساتھ ان کی ولادت و وفات کی تاریخ بھی آجاتی تو طلبہ کے لئے زیادہ مفید ہوتا۔ ✿

اللہ تعالی آپ کی خدمت کو قبول فرمائے، مزید توفیق دے۔

فقط والسلام

العبدمحمود غفرلہ

چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند۔

۱۴/۱۰/۱۴۰۹ھ

مکتوبات گرامی

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید صاحب گنگوہی قدس سرہ

مکرم ومحترم سلام وتحیات، یاد آوری پر قلب ممنون ہے، فقد سرَّنی انّی خطَرتُ ببالکم۔ مزید بہجت ومسرت ان موقر ہدایات سے ہوئی اِن شاءاللہ مستفیض ہوں گا۔

دعا گو بھی ہوں اور دعا جو بھی، حضرت تھانوی قدس سرہ کی ایک دعا بڑی جامع یاد آئی: اللّٰھُمَّ کُنْ لَنَا وَاجْعَلْنَا لَکَ۔ (یعنی اے اللہ آپ ہمارے ہوجایئے اور ہم کو اپنا بنالیجئے۔ (مرتب)

۲۔حضرت محترم زید مجدکم سلام وتحیات۔اقوال سلف نمبر ا کے ہدیہ سنیہ سے مسرت ہوئی، اس لئے نہیں کہ ایک گراں قدر تالیف حاصل ہوئی، بلکہ اس لئے کہ آپ نے اس گراں قدر ہدیہ کا مجھ کو محل و مستحق سمجھا، اہل علم و ذکر کا یہ ایک حسن ظن ہے جو موجب بہجت اور میرے لئے سند محبت ہے، شاید ''وہاں'' کام آئے۔

میں کچھ عرصہ سے مسلسل بیمار چلا جارہا ہوں، عوارض کبھی خفیف کبھی شدید، کبھی اضطراب واضطرار، کبھی انتشار وانتظار، اور محل محلّ فرار، جمعیت مفقود سکینت

موہوم، بقول حضرت مولانا طیبؒ کے یہ دُنیا جائے فرار ہے، برزخ جائے انتظار اور آخرت جائے قرار، ہم نے پہلی کو تیسری کی جگہ دے دی، ترتیب اُلٹ گئی اسی لئے دو چار ہیں ہجوم آلام واسقام اور مصائب ونوائب سے، طبیعت اعتدال پر آجائے تو مستفیض ہوں گا۔ والسلام

عبدالرشید محمود عفی عنہ ۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

مکتوب گرامی

مخدومی المکرم حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ متوفی ۱۴۱۱ھ

ناظم جامعہ اشرف العلوم کنھواں ۔ بہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب مولانا محمد قمر الزماں صاحب زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت طرفین مطلوب،

آپ کی مرسلہ کتاب ’’اقوال سلف‘‘ دو جلدیں معرفت عزیز مکرم جناب مولانا محمد نعیم الدین صاحب (سلمہ الباری) پا کر دلی مسرت ہوئی۔

پروردگار عالم آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے، کہ آپ نے ’’طبقات کبریٰ‘‘ کی تلخیص فرمائی جو امتِ مسلمہ پر احسان عظیم ہے، جو نہ صرف نابغۂ روزگار شخصیتوں کا تذکرہ اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کا مجموعہ بلکہ اصول شریعت وطریقت کے عارفانہ رموز ونکات، روح پرور ملفوظات اور اسلامی تعلیمات کا حسین گلدستہ ہے، دنیا اور آخرت سنوارنے کے لئے

مکمل لائحہ عمل، اور امام الطائفہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی ذات بابرکات کی کتاب کی مقبولیت کے لئے ضامن، آخر میں محترم مصنف موصوف کے لئے اس دعا میں کیا حرج ہے

یارب بقائے عمر تو باشد ہزار سال　　لیکن باین حساب بصد حشمت وجلال

سالے ہزار ماہ وماہے ہزار یوم　　یومے ہزار ساعت وساعت ہزار سال

فقط دعاگو ودعاجو: محمد طیب ناظم جامعہ اشرف العلوم کنھواں

بقلم منظر عالم قاسمی، مؤرخہ ۲ر شوال المکرم ۱۴۱۰ھ

مکتوب گرامی

حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری متوفی ۱۴۱۷ھ

بسمہٖ تعالیٰ

قاضی منزل، مبارک پور

۱۴ر شعبان ۱۴۱۰ھ

محب گرامی قدر مولانا محمد قمر الزماں صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں، آپ کا علمی واحسانی ہدیہ ''اقوال سلف'' ہر دو حصہ ''دیر آید درست آید'' کے مطابق دیر سے ملا، پہونچانے والے کو مصروفیت رہی ہوگی، میں اس ہدیہ سنیہ کے لئے آپ کا تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں۔

شیخ ابوعبدالرحمن سلمیؒ نے طبقات الصوفیہ میں ایک بزرگ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ اسلاف کی باتوں میں بڑی تاثیر ہوتی تھی اور ان سے فیض پہونچتا تھا اور اخلاف کی باتوں میں یہ چیز نہیں پائی جاتی؟ اس کے جواب میں ان بزرگ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے لئے باتیں کرتے تھے اور ہم لوگ دنیا کے لئے باتیں کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ شُعلہ بیان خطیبوں اور واعظوں کے خطب ومواعظ میں وہ تاثیر نہیں پائی جاتی ہے جو حضرات مشائخ وصوفیہ کے سیدھے سادے مختصر جملوں میں ہوتی ہے، اور خیر القرون سے مشائخ کرام کے ملفوظات و افادات کو لکھنے اور ان کو جمع کرنے کا سلسلہ جاری ہے، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ''اقوال سلف'' بھی ہے جس میں آپ نے بڑے سلیقہ سے قلب ونظر دونوں کے لئے نسخۂ شفا ترتیب دیا ہے، اور بڑی بات یہ ہے کہ ان روحانی واحسانی اقوال اور ملفوظات میں آپ کے دل نشیں افادات نے علمی شان پیدا کردی ہے نیز زبان وبیان کی سلاست نے افادیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

آپ نے ''اقوال سلف'' کا بنیادی ماخذ امام شعرانیؒ کی متبرک کتاب

”لواقح الانوار فی طبقات الاخیار“ (الطبقات الکبریٰ) قرار دیا ہے جو طبقۂ مشائخ کی محبوب کتابوں میں سے ہے، خاص طور سے مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے بڑا اشغف رہا ہے، اور حضرت اپنی مجلس میں اس کے جواہر پارے بکھیرتے تھے، ایک مرتبہ بمبئی میں حضرت نے راقم سے طبقاتِ کبریٰ طلب فرمائی، میں الطبقات الکبریٰ لابن سعد کی آٹھوں جلدیں لے کر حاضر ہوا جو نئی نئی مکہ مکرمہ سے آئی تھی، حضرت نے فرمایا کہ میں امام شعرانی ؒ کی طبقات کبریٰ چاہتا تھا تاکہ اس کے مضامین مجلس میں بیان کروں۔

آپ نے اس کتاب کو بنیاد قرار دیے کر ”اقوال سلف“ کے ذریعہ اس کی افادیت عام کی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی و محنت کو قبول فرما کر مسلمانوں کے حق میں اس کتاب کو مفید بنائے، ان شاء اللہ اس کی چوتھی جلد کی تکمیل کے بعد اردو زبان میں بہت بڑا دینی و روحانی اور علمی ذخیرہ تیار ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و سلامت رکھے، آمین، دوبارہ شکریہ قبول فرمائیں۔

قاضی اطہر مبارک پوری

مکتوب گرامی

مشفقی المکرم حضرت مولانا قاری حبیب احمد صاحب دامت برکاتہم

مہتمم مدرسہ ابیہ نعمانیہ، کٹرہ، الہ آباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی و معظمی جناب مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اقوال سلف کی دو جلدیں جناب نے بہت ہی محبت سے عنایت فرمایا، بندہ تہ دل سے شکر گذار ہے۔

یقیناً اقوال سلف رحمہم اللہ تعالی کو ترتیب دے کرامت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ پر بڑا احسان فرمایا، اللہ تعالی آپ کو جزائے جزیل سے نوازے، آمین۔

بہت ہی نافع کتاب ہے، اس کے مطالعہ سے اولیاء کاملین اور علماء راسخین کی خوب خوب معرفت ہوتی ہے، اذعان وایقان نصیب ہوتا ہے، وصول الی اللہ کے طریقے معلوم ہوتے ہیں، تمام اکابر سلف کا بس ایک ہی راستہ ہے، سبھی حضرات اتباع سنت واتباع شریعت کا ہی سبق دیتے ہوئے ملے پس معلوم ہوا کہ اصل طریق یہی ہے۔

خلق سے گریز کو خالق سے محبت وقرب کے لئے پہلا سبق بتایا گیا ہے، استغناء وتوکل کو تمام اسلاف نے نسبت کے لئے ضروری قرار دیا ہے، محبت الٰہی کو اساس قرب ورضا بتایا، کسل کو مخل طریق اور سبب محرومی قرار دیا ہے۔

اس کا بار بار مطالعہ قائم مقام مصاحبت مشائخ حقانیین ہے، بلکہ التزاماً ودواماً بطور وظیفہ اگر اس کو سکون قلب سے مطالعہ میں رکھا جائے تو ان شاء اللہ تعالی اصلاح نفس اور ازالۂ رزائل میں بہت ہی معین ثابت ہوگا، ان بزرگوں نے اعمال کی مقبولیت کے لئے اخلاص کی تعلیم دی۔

ماشاء اللہ اضافۂ فوائد سے نافعیت کی تکمیل ہوئی، ان بزرگوں کی معرفت سے اپنے مشائخ واکابر کی معرفت دوبالا ہوئی۔

ہمارے بزرگوں نے طریق اور سلوک میں جو رہنمائی فرمائی ہے وہ سلف صالحین رحمہم اللہ تعالی کے بالکل طرز وطریق پر ہے۔

اندازِ ترتیب وتالیف وحسن سلیقہ سے حضرت رحمۃ اللہ (حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحبؒ المتوفی ۱۳۸۷ھ) کے فیض تام کا حصول تام ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالی آپ کے حوصلہ میں ترقّی عنایت فرمائے اور آپ سے اشاعتِ دین واشاعتِ طریق کا خوب خوب کام لے اور جملہ تالیفات کو قبولیتِ عامّہ وتامّہ کا شرف بخشے۔آمین یارب العالمین۔

حبیب احمد غفرہ

شوال ۱۴۱۰ھ

تاثر

حضرت مولانا محمد ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم

مفتی دار العلوم دیو بند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوئی شبہ نہیں کہ صوفیاء کرام اور علماء ربانیین کے حالات وواقعات زندگی پڑھنے اور سننے سے قدرتی طور پر عمل صالح کا جذبہ توانائی حاصل کرتا ہے، پڑھنے اور سننے والے کی زندگی میں نیکی کرنے کا جذبہ پرورش پاتا ہے۔ برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے، ان کے ملفوظات پڑھنا گویا ان کی مجلس میں شریک ہونا ہے۔

حضرت مولانا قمر الزمان صاحب زید مجدہم نے اقوال سلف کے نام سے جو کتاب مرتب فرمائی ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی یہ خدمت قابل صد تبریک وتہنیت ہے۔

سلف کے حالات وملفوظات جمع کرنے میں حضرت موصوف نے بڑی محنت کی ہے، سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، اور اثر پذیر واثر انگیز حالات یکجا فرمادیا ہے، جن کو پڑھ کر روح وقلب کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے، اور پڑھنے اور سننے والے کے اعمال واخلاق میں ایک تعمیری انقلاب انگڑائی لینے لگتا ہے۔

خاکسار نے ان کا مطالعہ کیا اور کافی فائدہ محسوس کیا، دوسروں کو بھی میرا مشورہ ہے کہ ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں۔

تاثر

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بستوی دامت برکاتہم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد! سورۂ فاتحہ کی آیت کریمہ ''اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم'' کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ مفتی اعظم پاکستان تحریر فرماتے ہیں کہ ''انسان کی صلاح وفلاح کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک کتاب اللہ، جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ احکام موجود ہیں۔ دوسرے رجال اللہ یعنی اللہ والے۔ (معارف القرآن: ج/۱ص/۹۴)

لہٰذا ہمارے اسلاف کرام جو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وانوار دونوں ہی کے جامع تھے ان کی اقتداء لازم ہے، اگر ان کے طریق سے سرمو تجاوز کریں گے تو فضلوا واضلوا کے مصداق ہوں گے۔

لہٰذا اسلاف کی سیرت اور ان کے اقوال وارشادات کتابوں میں مذکور ہیں لہٰذا ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ ان حضرات کے اقوال واحوال کے مطالعہ سے قلب کو جلاء نصیب ہوتی ہے۔

یقیناً اس میں شک نہیں کہ صحابہ وتابعین اور ان کے متبعین کے اقوال وارشادات اور ان کے احوال کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے جو بعد والوں کے لئے مشعل راہ اور راہ نما ثابت ہوئے اور اسی سے ان کے ذوق ومزاج کا سراغ لگتا ہے کہ ہمارے اسلاف کتاب وسنت اور ظاہر وباطن کے کس قدر جامع تھے، موجودہ انانیت، خودرائی وخود بینی وکتابی دور میں ان اسلاف کے اقوال واحوال وارشادات وسیرت کی ترجمانی واشاعت کی ضرورت پہلے سے زیادہ بیش از بیش

ہوگئی ہے، موجودہ دور کی نئی روشنی، نئی تہذیب، نئی تعلیم اور خودرائی نے امت کے بیشتر افراد خصوصاً نوجوان طبقہ کو اپنے اسلاف سے بالکل الگ کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے محب محترم حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم کے درجات کو بلند فرمائیں کہ انھوں نے اپنی دوسری تصنیفات کے ساتھ ساتھ اقوال سلف حصہ اول ودوم کو جمع وشائع فرما کر پوری جماعت علماء ومشائخ پر احسان عظیم فرمایا کہ وہ علوم ومعارف جو مخصوص طبقہ تک محدود ہی نہیں بلکہ معدوم ہورہے تھے زندہ وپائندہ فرمادیا جس کے ایک ایک قول ارشادات سے طالب وسالک کو آب حیات کی سی روشنی، روح وقلب کو تازگی وقوت ملتی ہے، ذوق وشوق میں اضافہ اورتن مردہ میں جان آتی ہے اور بے اختیار پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

ایں سعادت بزور وبازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ گیارہویں صدی سے تیرھویں صدی تک کے اسلاف واکابر اور علماء وصلحاء کے اقوال وسیرت پر تیسرا حصہ بھی شائع فرمانے جا رہے ہیں۔ سبحان اللہ الحمد للہ اللہم زدفزد۔ خداوند قدوس اس کو قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

محمد یوسف بستوی

جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاثر

برادرِ مکرم انیس احمد صاحب پُرخاصوی (الہ آباد)

پہنچاتے ہیں بھٹکے ہوئے رَہ رَو کو بمنزل
گردابِ بلا کو بھی بنا دیتے ہیں ساحل
بیدار انہیں کر دیتے ہیں رہتے ہیں جو غافل
کرتے ہیں عطا فہم جو ہے علم کا حاصل
وہ کیا ہیں جو مومن کو بنا دیتے ہیں کامل
اقوال سلف ہیں یہی اقوالِ سلف ہیں

منزل کی طرف چلنے سے گھبرائے مسافر
یا تھک کے کہیں راہ میں گر جائے مسافر
اٹھ کہ جو نہ چلنے کی سکت پائے مسافر
حیران ہے جائے تو کہاں جائے مسافر
ایسے میں جہاں رشد و ہدایت ہیں وافر
اقوالِ سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

کینہ ہے تکبّر ہے حسد اور ریا ہے
ناسور کی مانند یہ سینوں میں چھپا ہے
مہلک ہے مرض پھیلی ہوئی عام وبا ہے

انگشت بدنداں ہیں اطباء کہ یہ کیا ہے

اُن سب کو بتا دیجئے کیا اس کی دوا ہے

اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

کچھ بھی ہے اگر عقل بزرگوں کا کہا مان

ہیں اس میں بھلائی کے ترے واسطے سامان

سن اُن کو جو فرما کے گئے صاحب اُفان

اس میں کوئی ذلت ہے نہ توہین نہ حرمان

وہ جن کی تتبع سے قوی ہوتا ہے ایمان

اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

کیا خوب ہے "اقوال سلف" اس کی صداقت

نادر ہے کتاب اس کی تھی مدت سے ضرورت

ہر لفظ میں ہر جملہ میں ہے کیف وحلاوت

ظاہر ہے انیس اس سے مؤلف کی لیاقت

کس شئے نے عطا کی ہے انہیں فہم وفراست

اقوال سلف ہیں یہی اقوال سلف ہیں

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی خلق الانسان و کرّم، وعلّمه من البیان مالم یعلم، والصلٰوۃ والسلام علی رسوله الذی اوتِی جوامع الکلم، وعلی اٰله واصحابه الذین هم نجوم طریق الامم، وعلی العلماء الذین هم ورثة الانبیاء فی العرب والعجم۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

علماء ومشائخ کے تذکرہ کے ضمن میں ہم نے چند مغل سلاطین ہند کے بھی مختصر حالات[1] اور مفید مقالات نقل کئے ہیں تا کہ ان کے پڑھنے سے ہمیں عبرت ونصیحت ہو اور اپنے اکابر مثلاً مجدد الف ثانیؒ اور ان کی اولاد واحفاد کے دینی کارناموں کی قدر ومنزلت ہو اور مزید عقیدت ہو کہ ان حضرات نے دین کی کیسی اہم خدمات انجام دیں۔

محمد قمر الزمان عفی عنہ

رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

[1] یعنی بادشاہ جہانگیر و بداشاہ شاجہاں وعالمگیر اورنگ زیبؒ۔

اتباعِ شہوات کا نتیجہ بد

قال اللہ تعالیٰ: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ فَخَلَفَ مِن بَعدِھِم خَلف اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتِ فَسَوفَ یَلقَونَ غَیًّا۔

ماشاء اللہ اس جلد میں بکثرت علماء ومشائخ کے تذکرے مذکور ہوئے خصوصاً حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور ان کی اولاد وخلفاء کے مکتوبات وارشادات درج ہوئے جن کو پڑھ کر ناظرین کرام مستفید ہوئے۔ فللّٰہ الحمد والمنہ

اب اس کے بعد کی جلد میں انشاء اللہ حکیم الامت مجدد ملت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور ان کی اولاد وخلفاء کے تذکروں سے زینت بخشی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس مقصد میں کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین

مزید سلطنت مغلیہ کے تین بادشاہ جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کے ذکر خیر سے مشام جان کو فرح وسرور سے نوازا گیا ہے۔ مگر خاص طور سے حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے حالات وارشادات اس لئے تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ اس میں ماشاء اللہ امت کے ہر طبقہ کے لئے مفید وموثر نصیحتیں وہدایتیں ہیں۔ خواہ شاہان مملکت ہوں یا مشائخ طریقت، علمائے کرام ومفتیانِ عظام ہوں سب کے لئے وہ نصائح یکساں مفید وقابل عمل ہیں۔

مگر افسوس کہ ان کی اولاد واحفاد میں بعض افراد ایسے نالائق ثابت ہوئے کہ اپنی نفسانیت اور باہمی نزاعات کی بناء پر دین وملت کی حفاظت تو کیا اپنی آبائی مملکت کو

سنبھال نہ سکی، جس کی وجہ سے اعداء اسلام اپنے مکروخداع سے پوری مملکت پر قابض ہو گئے۔اور انَّ المُلُوکَ اِذَا دَخلُوا قَرِیَۃً اَفسَدُوھَا کے مصداق ثابت ہوئے۔

چنانچہ ان میں کا اکثر لہوولعب، عیش وعشرت کے شکار ہو گئے۔جس کے ثبوت کے لئے ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔

جہاندار شاہ: بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ ۱۷۱۳ء میں تخت پر آیا، اس نے حکومت کی باگ ڈور ایک ناچنے والی عورت "لعل کنور" کے ہاتھ میں دے دی، اس کے ابروئے چشم کے اشارہ پر لوگوں کی قسمتیں بگڑتی اور بنتی تھیں۔اخلاقی وسماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔"لعل کنور" نے ایک دن اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی، حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش پوری کر کے دکھادی جائے۔خود بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ لعل کنور کے ساتھ بازاروں میں پھرتا تھا اور اس کے ساتھ شراب خانوں میں شراب پیتا تھا۔(تاریخ مشائخ چشت: ج/۵ ص/۶۳)

ف: غور فرمائیے کہ اس سے بڑھ کر قساوت قلبی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ فاحشہ عورت کے عشق ومحبت میں اپنی بے گناہ رعیت کو کشتی پر سوار کر کے زندہ درآب کر دیا۔تو اگر اللہ تعالیٰ ایسے سخت دلوں سے اپنی عطا فرمودہ نعمت سلطنت کو چھین لیں اور ان کا بیڑہ غرق کر دیں تو کیا تعجب ہے؟اس کے علاوہ علماء پر ظلم وستم کے واقعات جن کو اگلی جلد میں حضرت سراج الہند عبد العزیزؒ کے تذکرہ میں مطالعہ فرمائیں گے۔(مرتب)

اور یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اندلس میں ہوا تھا۔جیسا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے ارقام فرمایا جو رسالہ "تعمیر حیات" ۱۰/اپریل ۲۰۱۴ء کے

ٹائٹل پر مسطور ہے۔وہ یہ ہے۔

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ نفسانیت کا وہ کھیل ہے جو ہمیشہ اپنا تماشہ دکھاتا رہا، ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی، تاریخ عالم اور تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے ایک طالب علم کی یہ بات سن لیجئے، اور اس کو اپنے دلوں اور دماغوں میں امانت رکھ لیجئے کہ ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی ہے، ہم نے اپنے اندرونی اختلافات سے شکست کھائی ہے۔ اسی نفسانیت کی بدولت ہم نے سلطنتیں کھوئی ہیں، ہمارے ملکوں کے چراغ گل ہوئے ہیں، اور اسلام بعض اوقات پورے پورے ملکوں سے خارج کر دیا گیا ہے، اس کی میں صرف ایک مثال دوں گا، وہ مثال اسپین کی ہے، اسپین سے اسلام کو نکالنے والی سب سے بڑی طاقت نفسانیت اور باہمی خانہ جنگی تھی۔

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ تنہا عیسائی طاقت نے اندلس سے اسلام اور مسلمانوں کو نکالا، اور ان کا چراغ گل کر دیا، اس میں بہت کچھ دخل تھا شمالی عربوں، حجازیوں اور یمنی عربوں کی باہمی آویزش اور داخلی نزاعات کا جو مدتوں سے چل رہے تھے، یمنیا ور حجازی، ربیعہ ومضر کی باہمی جنگ سے یہ نوبت آئی کہ اسلام اسپین سے آخری طور پر نکال دیا گیا اور یہ ملک اقبال رحمہ اللہ کے الفاظ میں اذانوں سے محروم ہو گیا۔

یہی داستان اکثر اسلامی ملکوں کی ہے، برصغیر ہند میں مغلوں کا شیرازہ بکھیرنے والی، مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کر دینے والی اور ان کی طاقت کا چراغ گل کر دینے والی چیز یہی نفسانیت تھی۔(انتہیٰ کلام مولانا ابوالحسن ندویؒ)

اب تک جو ہوا سو ہوا مگر اب اپنی فوز و کامرانی کے لئے امت کو دو چیزوں کا

اختیار کرنا لازم ہے، ایک تو تدبیر جس کا حکم "اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ" میں ہے۔ اور جب اس کی صورت یعنی استطاعت نہ ہو تو اس کی جگہ دعا ہی کو اپنا وظیفہ وفریضہ بنا لینا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے فرمایا ہے۔

اس وقت جمادی الثانیہ، رجب ۱۴۳۵ھ مطابق اپریل، مئی ۲۰۱۴ء میں دلی پارلمنٹ کا الیکشن ہو رہا ہے۔ اسی دوران یکم رجب ۱۴۳۵ھ مطابق یکم مئی ۲۰۱۴ء کو عزیزم مخلصم مفتی شعیب سلمہ کی دعوت پر ساؤتھ افریقہ میں حاضر ہونے کا موقع ملا، آکر معلوم ہوا کہ اس جگہ بھی ۷/مئی ۲۰۱۴ء کو الیکشن ہے، جب کہ ہمارے شہر الہ آباد میں بھی ۷/مئی ہی کو ووٹنگ ہے۔ لہٰذا بصدق دل دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان ملکوں کو حکومت عادلہ راضیہ مرضیہ سے نوازیں، تاکہ ان ملکوں کو دینی ودنیوی، مالی وسیاسی فروغ نصیب ہو۔ پس ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو حرز جان وورد زبان بنائے۔ وباللہ التوفیق

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَاتَنْقُصْنَا	یا اللہ ہمیں زیادہ کر اور گھٹا مت اور آبرو دے
وَاَكْرِمْنَا وَلَاتُهِنَّا وَاَعْطِنَا	ہمیں اور خوار نہ کر اور عطیہ دے ہمیں اور محروم
وَلَاتَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَاتُؤْثِرْ	نہ کر اور ہمیں بڑھائے رکھ اور اوروں کو ہم پر نہ
عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا.	بڑھا اور ہمیں خوش کر اور ہم سے راضی ہو جا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

محمد قمر الزمان الہ آبادی

مقیم حال ساؤتھ افریقہ

۵/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ ۵/مئی ۲۰۱۴ء

مفتی جمیل صاحب

انبیاء کرام میں نبیوں کے سردار، سرتاج الاولیاءوالاصفیاء امام الانبیاء، سیدالاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (فداہ ابی وامی) بھی ہیں، صحابہ میں خلفاء راشدین بھی ہیں، دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں، تابعین عظام بھی، تبع تابعین بھی، ائمہ مجتہدین بھی، محدثین و متکلمین بھی، مصلحین وواعظین بھی، بیعت وارشاد سے وابستہ اور تصوف وطریقت کی اشاعت میں قولاً وعملاً مصروف ومشغول اصحاب ائیمت ودعوت بھی، مجاہدین فی سبیل اللہ بھی، دلوں میں بسالینے، عقیدت ومحبت سے دماغ واعصاب پر مسلط وحاوی کر لئے جانے کے حقدار بادشاہ، امراء، وزراء، سیاست داں اورعمائدین وقائدین بھی۔

زندگی کے مختلف اطوار وانداز سے وابستہ مذکورہ سارے صالحین کے احوال و کوائف، ان کی نیک نفسی للہیت وخشیت اور ولی کامل ہونے کی صفات،، اور خوشنما پھولوں کا ایسا گلدستہ بنادیا جس کی دل آویزی، عطر بیزی، رونق و چمک مدت دراز تک طالبین سالکین، اللہ کی محبت کے متلاشیوں، سنت نبوی کے شیدائیوں اور شریعت وطریقت سے زندگی سدھارنے اور سنوارنے کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے مشعل راہ رہے گی۔ اور وہ اس سے اپنے مشام جام کو معطر ومنور کرتے رہیں گے۔

پرنسپل صادق صاحب

جنھوں نے توحید ورسالت کی روشنی سے راہ ہدایت کو منور کیا اور مومنین کو عشق الٰہی میں مخمور وسرشار کر کے مقام محمود کی رہنمائی کی ہے۔ ان اسلاف کے احوال واقوال سے اللہ رب العزت کے دید وملاقات کا شوق پیدا ہوتا ہے اور قلب میں اللہ کی قدرت اور وجود کا استحضار ہوتا ہے ۔

ہر طرف اس کی بقا چار طرف اس کی بقا　　سننے اور دیکھنے کو سمع وبصر پیدا کر
فخر اسلاف پہ کرنا تو بہت آسان ہے　　ان کا دل ان کا دماغ ان کا جگر پیدا کر

ملاحظہ فرمائیں اشعار بالا اقوال سلف کے ان اہل اللہ اور بزرگان دین جنھوں نے اپنی ذات کو فنافی اللہ کیا ہے ان کے تابعین کے دل کی کیفیات کا انشراح اچھے انداز سے کر رہے ہیں کہ خداوند قدوس ہر جگہ جلوہ نما اور رونق افروز ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے اندر دیدۂ بصیرت پیدا کرے تو اس کو اپنے رب حقیقی سے صحیح تعلق حاصل ہو جائے اور یہی زندگی کی بڑی کامیابی ہے، اسلاف کے حالات زندگی نہایت سبق آموز اور قلب کے اندر خلجان و پریشانی کو دور کر کے موجب اطمینان وسکون ہوتے ہیں۔ صبر واستقامت دنیوی واخروی کامیابی کی کلید ہے۔ حسد وعناد اور عداوت کا انجام خذلان ونقصان کے سوا کچھ نہیں۔ خداوند کریم نے قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ وحی کر کے ملفوظات بالا کی تصدیق کر دی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کبیدہ خاطر دل کو تسلی وتشفی فرمادی کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بغض وعناد کی بنا پر ان کو اذیت پہنچائی

تھی مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وہ نادم ومحتاج ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف آئے اور انھوں نے اپنے بھائیوں کی تمام ایذاء رسانیوں کو معاف کر دیا، بعینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُیزان و برادران کے ت ناپاک منصوبے ناکام رہے اور آپ وطن سے ہجرت کر کے کامیاب ہوئے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کا آفتاب چمکا اور اپنے ا ئہ واقرباء کے قصور فتح مکہ کے مبارک موقع پر معاف فرما کر صلہ رحمی کا نمونہ پیش فرمایا اور وہ سبط کے سب نادم وشرمسار ہوئے۔

اہل اللہ کے منہ سے جو بات نکلتی ہے اور جو ان کے ارشادات صادر ہوتے ہیں ان میں تاثیر ہوتی ہے۔ تیر بہ ہدف ہوتی ہے جو اہل ورع کے جگر کو پار کر کے ان میں عشق الٰہی کو سرشار کرتی ہے اور اپنے محبوب حقیقی کے دیدار وملاقات کے لئے مرغ بسمل کی تڑپ عطا کرتی ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکہؒ کا ارشاد عالیہ ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا ''صورت نیکوں کی اختیار کرنا چاہئے۔ سیرت اللہ تعالیٰ درست کر دے گا کیونکہ وہ واہب العطیات ہے''۔

سبحان اللہ! سیرت کی درستگی کا کتنا آسان نسخہ ہے انسان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق شکل وصورت اختیار کرے اللہ تعالیٰ جو مربی حقیقی ہے اپنے فضل سے اس کی سیرت درست فرما دے گا۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی تاکید فرمائی ۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

حضرات اہل اللہ کے احوال واقوال، ارشادات وملفوظات کی افادیت

ونافعیت ایسی واضح حقیقت ہے جس کے لئے کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کو ماننے میں کسی کو تردد ہوسکتا ہے۔ اہل اللہ کے ارشادات دراصل ان کے سچے جانشین ہیں۔ اور ان کی صحبت کے نعم البدل ہیں۔ علامہ شعرانیؒ جن کی جلالت شان سے سب واقف ہیں تحریر فرماتے ہیں:

اہل اللہ کے ارشادات ان کی وفات کے بعد مریدین کی نصیحت وتربیت میں ان کی نیابت کرتے ہیں۔

پرنسپل صادق صاحب: آپ کی ولادت ۱۹۲۷ء میں پرخاص ضلع الہ آباد میں ہوئی۔ شیروانی انٹر کالج صلاح پور الہ آباد میں پرنسپل رہے، اور ۱۹۸۷ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔